ایمان بچائیے، ایمان کی تکمیل وحفاظت کا دستور العمل
دنیا کی سب سے بڑی دولت "ایمان" پر پہلی جامع کتاب

ایمان کی قدر کیجئے

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حکیم الاسلام حضرۃ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
فخر المحدثین حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی
حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

ایمان بچائیے، ایمان کی تکمیل وحفاظت کا دستور العمل
دُنیا کی سب سے بڑی دولت "ایمان" پر پہلی جامع کتاب

آئیے ایمان کی فکر کیجئے

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حکیم الاسلام حضرۃ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
فخر المحدثین حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی
حضرت مولانا عبد القیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

مرتب

محمد اسحٰق ملتانی
مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

عرضِ مرتب وناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان نہیں تو کچھ نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اما بعد! جب سے کارخانہ دنیا وجود میں آیا روحانیت و مادیت باہم برسرِ پیکار رہے ہیں۔ روحانیت کا سرچشمہ ایمان ہے اور مادیت ہر اس چیز کو کہا جا سکتا ہے جو ایک مومن کو اللہ تعالیٰ سے غافل اور اس کے ایمان میں ضعف کا سبب بنے۔ دورِ حاضر کی عالمی طاقتوں کے پاس آنکھوں کو خیرہ کرنے والی مادی ترقی اور چمک دمک سے آراستہ جدید ترین سائنسی ٹیکنالوجی ہے جس کے بل بوتے پر انہوں نے بظاہر کائنات کا کچھ حصہ تو مسخر کرلیا لیکن خود اس مادیت کے دلدل میں ایسے اترے کہ انسانیت کا جامہ بھی چاک کر بیٹھے آج کے غیر مسلم افراد ہر طرح کے اسباب راحت اور جدید ترین سہولیات کے باوجود اپنی زندگی سے بیزار کیوں ہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان کی زندگی روحانیت اور ایمان سے خالی ہے جبکہ روحانی سکون اور حقیقی امن واطمینان ایمان کے بغیر حاصل ہونا ناممکن ہے کہ آدمی مادی رقم سے نیند کی گولی تو خرید سکتا ہے لیکن پُرسکون نیند نہیں خرید سکتا۔ نرم وریشمی بستر خرید سکتا ہے لیکن روح کو سکون بخش آرام نہیں دے سکتا۔

اس دنیا میں ایک شخص کیلئے سب سے بڑی نعمت اور دولت "ایمان" ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ بظاہر اسباب راحت سے ناآشنا لیکن حقیقی لطف وکرم میں ہوتا ہے یہی ایمان ہے جو دنیا میں آدمی کو سنبھالتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آشنائی کے بعد ہر طرح کا اطمینان وسکون بخشتا ہے اور آخرت میں تو کامیابی صرف اہل ایمان ہی کے مقدر میں ہے۔

آج کی خدا بیزار عالمی طاقتوں کا سارا زور اسی بات پر ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں روشن نورِ ایمان کو بجھا دیا جائے یا اس کی روشنی اس قدر مدھم کردی جائے کہ خود صاحب ایمان

بھی اس نعمت کا اندازہ نہ کر سکے۔ دور حاضر ایمان کو کمزور کرنے میں مادی ترقی اور مادی اسباب اس تیزی سے زندگی میں سرایت کرتے جارہے ہیں کہ روحانیت کمزور سے کمزور ہوتی جاتی ہے۔ ہم غیر مسلم اقوام کو کہتے ہیں کہ تم نے دنیا کی ہر ممکنہ ترقی کر لی لیکن تمہاری زندگی سے حقیقی راحت وسکون ناپید رہا تم دین اسلام کو قبول کر کے حقیقی روحانیت اختیار کرلو تو آج بھی یہی دنیا جو گوناگوں مصائب وبدامنی کی آماجگاہ بن چکی ہے امن وشانتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

ایمان اور ایمان کے بغیر کئے جانے والے تمام اعمال کی مثال یہ ہے کہ جس طرح ایک کا ہندسہ لکھ کر اس کے دائیں طرف جتنے صفر بڑھاتے جائیں تو ایک کی مالیت بڑھتی چلی جائے گی کہ ایک صفر سے دس دو سے سو اور تین سے ہزار اور اگر ایک کے بائیں طرف صفر لگاتے جائیں تو وہ ایک کی مالی مقدار بھی گھٹاتے چلے جائیں گے اسی طرح ہر صاحب ایمان کا معمولی کام بھی اس کیلئے بے شمار اجر وثواب کا ذریعہ بنتا ہے جبکہ ایمان سے محروم افراد کی بڑی سے بڑی نیکی بھی اخروی اعتبار سے اکارت چلی جاتی ہے۔ اس مثال سے ایمان کی فضیلت واہمیت سمجھی جاسکتی ہے۔

افسوس کہ ایمان جس قدر عظیم نعمت ہے اس کے بارہ میں ہماری لاپرواہی اور غفلت اتنی ہی عام ہے کہ مجالس اور باہمی گفتگو میں ایسے جملے بول بیٹھتے ہیں جو کہ آدمی کو ایمان سے محروم کردیتے ہیں اس لئے سنجیدگی کا موقع ہو یا طنز ومزاح کا ہر وقت اس بات کی فکر لازم ہے کہ میرا ایمان سلامت رہے۔ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ایمان کا نور عطا فرمایا ہے اس کی قدم قدم پر حفاظت کر کے قبر تک لے جانا ہے۔ اہل اللہ کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہمہ وقت مومنانہ صفات سے آراستہ ہونے کے باوجود ہر وقت ایمان پر خاتمہ کی فکر رہتی ہے اور ہمہ وقت اس کیلئے دعا گو اور ہر آنے والے سے بھی ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے ہیں ایسے واقعات آپ کو زیر نظر کتاب "آیئے ایمان کی فکر کیجئے" میں ملیں گے حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب دور حاضر کے ہر مسلمان کیلئے قابل مطالعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جدید کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کو ایمان کامل نصیب فرمائیں اور اس دور میں ہمیں تمام مخرب ایمان امور سے بچائے آمین یارب العالمین۔

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہٗ

محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بمطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمایئے

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان بچاؤ

ایک مسلمان کیلئے دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے مادی اسباب راحت کچھ بھی نہ ہوں تو بھی سکون و عافیت کیلئے بندہ کا حقیقی مومن ہونا ہی کافی ہے۔ اگر خدانخواستہ ایمان کی دولت نہیں ہے اور دنیا کے تمام مادی اسباب راحت جمع کر لئے جائیں تو بھی فطری سکون و قرار حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم ممالک میں ہر طرح کی آرائش و راحت کے نت نئے سامان کے باوجود بے سکونی و بدامنی عام ہے۔ ایک روحانی تشنگی ہے جس کی غیر موجودگی میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں۔ ایمان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ روز محشر وہ شخص جس کا نامۂ اعمال میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ ایک مسلمان کیلئے یہ ایک عظیم بشارت ہے جس کے ہوتے ہوئے دنیا کے تمام مشکل مراحل اور مصائب کافور ہو جاتے ہیں۔

آج کی خدا بیزار غیر مسلم اقوام کا سب سے زیادہ حملہ اسی نکتہ پر ہے کہ مسلمان جو عملی اعتبار سے جس درجہ پر بھی ہوں کسی نہ کسی طرح ان کے ایمان کا خاتمہ نہ کیا جا سکے تو کم از کم ضعیف ترین کر دیا جائے۔ مغربی میڈیا' غیر اسلامی چینلز اخبار و رسائل اور پبلسٹی کے تمام امور میں براہ راست مسلم امت کے ایمان اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی ذات پر پختہ اعتقاد و یقین کو متزلزل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر یہ معاملہ غیر مسلم افراد کی طرف سے ہو تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن اب مسلم ممالک کی مسلم برادری کے ٹی وی چینلز اور اخبار و رسائل کا مطالعہ کیجئے معلوم ہوگا کہ دنیا کے چند سکوں کے بدلے پوری امت مسلمہ کے ایمان کو داؤ پر لگایا گیا ہے۔ جتنے بھی قومی اخبار ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے ایک مسلمان اپنے گھر میں لگوا سکے۔

سوائے ایک دو اخبارات کے ہمارے ہاں تمام ٹی وی چینلز کو دیکھا جائے تو ایک دردمند مسلمان اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ ہم مسلمانوں کے ایمان، معاشرت، کلچر اور پوری زندگی کا انداز و مقصد تبدیل کرنے کی تحریک ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مسلّم اصولوں کی برسر عام خلاف ورزی اسلامی احکام کی توہین و تضحیک روز کا معمول ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معمولی نافرمانی بھی گناہ ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرنے سے ایک نہ ایک دن توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

لیکن خدانخواستہ اگر گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھا جائے بلکہ اس پر ندامت کی بجائے فخر ہو تو معاملہ کفر تک پہنچ سکتا ہے۔ ٹی وی کے ڈرامہ سیریل، فلموں کی کہانیاں، دانشوروں کے تبصرے اور مکالمے، ریڈیو کی نشریات ہمارے ایمان کو ضعیف کرنے اور ہمیں مقصد حیات سے دور کرنے کا ایک نظام ہے۔ جس میں ہمیں اور بالخصوص نسل نو کو جکڑا جا رہا ہے۔ اور اب تو پاکستان کے عام شہروں میں بالکل عریاں ڈانس دکھائے جا رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان بدکار ہو جائیں گے اور تمہاری لڑکیاں اور عورتیں تمام حدود پھلانگ جائیں گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں اور اس سے بھی بڑھ کر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب نہ تم بھلائی کا حکم کرو گے نہ برائی سے منع کرو گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: اور اس سے بھی بدتر اس وقت تم پر کیا گزرے گی جب تم برائی کو بھلائی اور بھلائی کو برائی سمجھنے لگو گے۔ (ابن مبارک)

درج بالا احادیث اور موجودہ حالات کے تناظر میں ایک مسلمان کیلئے وقت کی سب اہم مصروفیت اپنے ایمان بچانے کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پرفتن دور میں ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے آمین۔

ایک زمانہ ایسا تھا جب معاشرہ میں ٹی وی/وی سی آر/ریڈیو کی خرافات نہیں تھیں اس وقت بھی لوگ زندہ تھے اور ان کے تمام ضروری کام چل رہے تھے۔ آج بھی جن گھروں میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ ان کے گھروں کے ماحول اور بچوں کے اخلاق و

کردار سے واضح فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے دشمن اپنے دشمن کی سب سے قیمتی چیز چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ عیسائی یہود و ہنود ہم مسلمان کے واضح دشمن ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کے پاس دنیا و آخرت کی سب سے قیمتی دولت ''ایمان'' ہے اسے چھینا جائے۔ ان حالات میں اگر ہم نے اپنے اور اپنے بچوں کے ایمان کی فکر نہ کی تو ہم اپنے دشمنوں کیلئے تر نوالہ ثابت ہونگے آج کتنے ہی لوگ ہیں جو مغربی پروپیگنڈہ کی وجہ سے عقائد و ایمان جیسے بنیادی ابواب میں بھی شک و شبہ کا شکار ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ارشادات میں قیامت کی علامات کے ضمن میں فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص آگ کے انگاروں سے مٹھی بھر لے۔ (ترمذی)

اللہ پاک ہم کو فکر نصیب فرمائیں آمین

عمل ایمان کا شاہد

''بنیادی چیز محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے۔ جب دل میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آ جائے گی تو ہاتھ پیر پر بھی اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالح بھی صادر ہوں گے اور اگر دل میں محبت نہیں ہے تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے۔ مسلم نام کے تو ہوں گے مگر کام اسلام کے نہیں ہوں گے۔ جب دل میں ایمان ہوگا تو جب ہی کام اسلام کے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں نام کے مسلمان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کام کے مسلمان ہونا چاہئے۔ دل میں محبت رچی ہوئی ہو اور ہاتھ پیر پر عمل ہو یہی عمل شہادت دے گا کہ ایمان ایک چیز ہے جو اندر چھپی ہوئی ہے''۔ (جواہر حکمت)

ایمان اور اس کے شعبے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے اور شاخیں ہیں جن میں سے اعلیٰ ترین شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا اور پڑھنا اور ادنیٰ شعبہ راستے سے ایذا دہ چیزوں کو ہٹا دینا' تکلیف دہ چیزوں کا دور کر دینا ہے تا کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور فرمایا حیاء ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ یہ حدیث کا تقریباً لفظی ترجمہ ہے۔

اس میں ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلے اس کی ضرورت ہے کہ خود ایمان کی حقیقت سامنے آئے تا کہ اس کے شعبوں کو اور اس کی شاخوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

ایمان کی دو بنیادیں

ایمان کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک التعظیم لامر اللہ اور ایک الشفقة علی خلق اللہ۔ اللہ کے اوامر اور اس کے قانون کی عظمت و تعظیم کرنا اور دوسرے اس کی مخلوق پر شفقت کرنا اور اس کی خدمت کرنا' یہ ایمان کے اجزاء یا اس کے دو بنیادی شعبے ہیں۔ ایک کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے پروردگار کی طرف دوڑے۔ اسی کی طرف جانے کی کوشش کرے اس کی عظمت و تعظیم کے حقوق بجا لائے دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ اس کی مخلوق کی خدمت کا حق بجا لائے۔

اگر ایک شخص اللہ کی طرف دوڑتا ہے لیکن مخلوق کو ستاتا اور ایذا رسانی کرتا ہے۔ اس شخص کو ضعیف الایمان کہا جائیگا۔ اس کا ایمان کمزور ناقص ہے۔ ایک طرف دوسرا شخص ہے جو رات دن قومی خدمات میں لگا ہوا ہے۔ ہر وقت کا اوڑھنا اور بچھونا قوم کی خدمت ہے لیکن اللہ کی طرف رجوع نہیں ہے۔ نہ عبادت ہے نہ طاعت ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ ضعیف الایمان اور ناقص

الایمان ہے۔ کامل الایمان وہی شخص سمجھا جائے گا کہ ایک طرف اللہ کی طرف جھکا ہوا ہو اور دوسری جانب اس کی مخلوق کی جانب رجوع کیے ہوئے ہو۔ جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے کہ ہر وقت رجوع الی اللہ بھی ہے اور ہر وقت خدمت خلق اللہ بھی ہے۔

کسی قانون کی عظمت تب ہوتی ہے جب قانون ساز کی عظمت دل میں ہو اگر قانون بنانے والا یا قانون چلانے والا اس کی دل میں کوئی عظمت نہ ہو بلکہ اس کی حقارت دل میں بیٹھی ہوئی ہو تو قانون کی عظمت بھی دل میں نہیں ہوسکتی۔ اگر قانون بنانے والے کی عظمت دل میں نہ ہو تو پھر قانون دباؤ اور مجبوری کا رہ جاتا ہے۔ دلی شغف کے ساتھ آدمی قانون پر نہیں چل سکتا۔

شریعت اسلام کے قانون کو اللہ نے اس طرح نہیں بھیجا کہ دباؤ ڈال کر منوایا ہو۔ پہلے مالک سے محبت پیدا کی گئی ہے۔ اس محبت کے ذیل میں قانون سے خود بخود محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ آدمی قانون شریعت پر اپنے دل کی محبت رضا اور شغف سے چلتا ہے دباؤ سے نہیں چلتا۔ یہ نہیں ہوا کہ تلوار کا دباؤ ڈالا اور مجبور و مقہور کر دیا ہو بلکہ حجتیں پیش کیں کہ دلائل سے سمجھو۔ بصیرت سے سمجھو جب شرح صدر ہو جائے قبول کرو۔ ورنہ چھوڑ دو۔

پہلی بنیاد التعظیم لامر اللہ ہے۔ یہ ایمان کا پہلا رکن ہے اگر عظمت نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے۔ پھر عظمت کے بھی درجات ہیں۔ ایک درجہ عظمت کا وہ ہے جو عوام مومنین کے دل میں ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جو اولیاء عظام اور علماء ربانیین کے دل میں ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جو ائمہ کرام کے دلوں میں ہوتا ہے ایک وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں تھا۔ ایک وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں تھا۔ اسی طرح ایمانوں میں بھی فرق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ایمان سب سے اعظم ترین ایمان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اس کے بعد تابعین کا اس کے بعد ہم جیسے عوام کا ایمان سب سے اخیر کا درجہ ہے تو جیسے درجات عظمت کے ہیں ویسے ہی درجات ایمان کے بھی ہیں۔ بہر حال جب نفس عظمت میں شرکت ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ قانون کی عظمت بھی ہوگی جب عظمت ہوگی پھر محبت بھی ہوگی۔ محبت ہوگی تو آدمی کے دل میں قانون پر عمل درآمد کرنے کی لگن پیدا ہو جائے گی۔

یہی محبت تھی جس نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجبور کیا کہ گھر بار انہوں نے چھوڑا۔ جائیدادیں انہوں نے ترک کیں' وطن چھوڑ کر بے وطن ہوئے۔ اپنی لذتیں ترک کیں' اپنا آرام و آسائش تج دیا' کس لئے؟ محض محبت نبوی اور عظمت خداوندی کی وجہ سے' جب محبت دل میں بیٹھ گئی تو ہر چیز ان کے سامنے ہیچ بن گئی تو ہجرت کر کے وطن چھوڑ کر کے اللہ کے رسول کے ساتھ آ گئے' جانیں الگ قربان کیں' مال الگ چھوڑا' اولاد کو عزیزوں کو رشتہ داروں کو الگ چھوڑا' اگر محبت و عظمت نہ ہوتی' یہ اتنے بڑے بڑے کام ان سے سرزد نہیں ہو سکتے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں فرمایا گیا ہے کہ جب غزوہ بدر ہوا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے وہ کفار کے لشکر میں مسلمانوں کے مدمقابل تھے۔ غزوہ بدر کے بعد ایمان کی توفیق ہوئی اور ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے بعد ایک دفعہ اپنے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ!

اے میرے والد! جنگ بدر کے اندر کئی دفعہ ایسا موقع آیا کہ آپ میری زد کے نیچے تھے اگر میں تیر چلاتا یا تلوار سے آگے بڑھ کر مقابلہ کرتا' میں آپ کو ختم کر سکتا تھا مگر میں نے یہ خیال کیا کہ یہ میرے باپ ہیں میرے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوں۔ اس لئے میں باپ ہونے کی عظمت کی وجہ سے رک جاتا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اے میرے بیٹے! اگر تو میری زد پر آ جاتا تو میں سب سے پہلے تجھے قتل کرتا' پھر میں دوسروں کی طرف بڑھتا اس لئے کہ جب دل میں اللہ کی محبت آ گئی تو پھر کسی دوسرے کی محبت کی سمائی کا دل میں کیا سوال' پھر کہاں کی اولاد اور کہاں کی بنیاد؟ جب میں اللہ کیلئے کھڑا ہوا۔ تو میں پہلے اس کو دیکھتا جو دشمن خدا ہے اور میرا عزیز بھی ہے تاکہ میں اپنی عزیز داری کو حق تعالیٰ کی دشمنی سے پاک کر دوں میں پہلے تجھے قتل کرتا۔

اولاد کے حق میں یہ جذبہ پیدا ہو جانا' ظاہر بات ہے کہ عظمت و محبت خداوندی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ کی محبت رچ بس گئی تھی کہ اصول و فروع کی محبت ہی نہ رہی تھی۔

اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

کوئی بھی تم میں سے اس وقت تک کامل الایمان مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی محبت اپنی اولاد و ماں باپ سے نہ ہو جب تک اتنی محبت غالب نہیں آجائے گی اس وقت تک مت سمجھو کہ تم میں کمال ایمان پیدا ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ ایمان کی بنیاد محبت نکل آتی ہے۔ یہ نہ ہو تو ایمان متحقق نہیں ہو سکتا۔

ایک محبت تو طبعی ہے جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اور اولاد کو اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک محبت عقلی ہے۔ ایمان عقلی محبت کا نام ہے طبعی محبت کا نام نہیں ہے۔ طبعی طور پر آدمی اپنی اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہے لیکن عقلاً یہ سمجھتا ہے کہ زیادہ محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ان سے کہیں زیادہ محبوب حقیقی حق تعالیٰ شانہ ہیں۔ اس واسطے جب اللہ کے حکم اور اولاد کا مقابلہ پڑتا ہے وہ اولاد کو دھکا دے دیتا ہے اور حکم خداوندی کو آگے رکھتا ہے۔ یہ عقلی محبت ہے محض طبعی جذبہ ہے تو ایمان عقلی محبت وعظمت کا نام ہے۔ یہ پہلا رکن ہے۔

ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ

دوسرا رکن یہ ہے کہ الشفقۃ علی خلق اللہ جتنا آدمی اللہ کی طرف جھکے اتنا ہی اس کی مخلوق کی خدمت کی طرف متوجہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

الخلق عیال اللہ' فاحب الخلق الی اللہ من یحسن الی عیالہ

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے' اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی قید نہیں ہے جتنے بندگان خدا ہیں وہ سب خدا کے کنبہ ہیں اس کی پیدا کی ہوئی چہیتی مخلوق ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کے ساتھ پیش آئے۔ وہی اللہ کا سب سے زیادہ چہیتا ہے۔ بہر حال جیسے اللہ کی محبت لازمی ہے۔ اسی طرح سے فرمایا گیا مخلوق کی شفقت کو لازمی سمجھو۔

اگر مخلوق ستم رسیدہ ہے مظلوم و بے کس ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی مدد کرے اگر کوئی غیر مسلم بھی مصائب میں پھنس جائے اور مسلم دیکھ رہا ہے کہ وہ مصیبت زدہ

ہے تو مسلم کا کام یہ ہے کہ اس کو بھی مصیبت سے نجات دلائے جتنا بھی اس کے بس میں ہے۔ اس کو بھی ظلم وستم اور پریشانی سے چھڑائے۔ بہرحال مخلوق کی خدمت یہ شفقت کیلئے ضروری ہے جب تک مخلوق کی خدمت نہ ہو شفقت نہیں پائی جاسکتی۔

خدمت کے پھر دو درجے ہیں ایک درجہ نفع رسانی کا ہے ایک درجہ ضرر رسانی سے بچ جانے کا "تکلیف نہ پہنچاؤ" نفع چاہے پہنچا سکو یا نہ پہنچا سکو تو ایک درجہ کف الاذی کا ہے یعنی اپنی ایذا رسانی کو روک دو۔ اذیت مت پہنچاؤ اور ایک یہ کہ اس سے آگے بڑھ کر اس کی مخلوق کو نفع اور راحت پہنچاؤ۔ اولین درجہ یہ ہے کہ تم سے کسی مخلوق کو ضرر و اذیت نہ پہنچے اگر یہ بھی نہ ہو تو سمجھو کہ ایمان نہیں ہے۔ اگر آدمی کسی دوسرے کو تکلیف میں مبتلا دیکھے یا ایسے سامان ہوں کہ یہ مبتلا ہو جائے گا۔ آدمی کا فرض ہے کہ اسے متنبہ کر دے اگر متنبہ بھی نہ کرے آنکھ بند کر کے گزر جائے تو سمجھو کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے ورنہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کو متنبہ کر دے کہ یہ تکلیف کا راستہ ہے اس پر مت جاؤ۔

اسی واسطے فرمایا گیا ادنھا اماطة الاذی عن الطریق

ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹائے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے کانچ کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اٹھا کر راستے کو صاف کر دے اینٹیں پڑی ہوئی ہیں جن سے لوگوں کو ٹھوکریں لگیں گی اٹھائے تاکہ مخلوق کو اذیت نہ پہنچے یہ ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو فرماتے ہیں کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے۔

فرمایا گیا المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں نہ زبان سے ایذا پہنچائے نہ ہاتھ سے کہیں فرمایا گیا۔

المؤمن من امنه الناس علی دمائهم واموالهم مومن کون ہے؟

جس سے لوگ اپنی جان مال آبرو کے بارے میں امن میں ہوں اور مطمئن ہو جائیں لوگ یہ سمجھیں کہ ہماری جان بھی محفوظ ہے اس لئے کہ یہ مومن ہے یہ جان کے اندر خیانت نہیں کرے گا ہماری آبرو بھی محفوظ ہے اس لئے کہ یہ مومن ہے خائن نہیں ہے۔

اور یہاں پر لفظ من امنه الناس ہے۔ یعنی لوگ مطمئن ہوں اس میں یہ بھی قید نہیں کہ مسلمان ہی مطمئن ہوں بلکہ غیر مسلم بھی مطمئن ہو جائیں کہ یہ موذی نہیں کیونکہ یہ ایماندار ہے تو ایمان کی علامت یہ بتلائی گئی کہ ہر کس و ناکس اس کے معاملات کو دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ ہم مومن رہے اس سے مال، جان، آبرو میں کوئی خطرہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ کسی میں بھی خیانت نہیں کرے گا۔ بہر حال مومن کی شان یہ ہوئی کہ اس کے اندر خدمت خلق کا جذبہ بھرا ہوا ہو اور بلا استثنا ہر مخلوق کی درجہ بدرجہ خدمت کرے جس کے دل میں محبت خداوندی ہوگی۔ اس کے دل میں اس کی مخلوق کی محبت ہوگی اور جب مخلوق کی بھی محبت ہوگی تو اسے چین نہیں آئیگا کہ کوئی شخص اذیت و تکلیف کے اندر رہے۔ وہ سعی کرے گا کہ اس کی تکلیف رفع کروں۔ کم سے کم اس کی اذیت و تکلیف کا ذریعہ نہ ہوں اور اس کی جان و مال محفوظ رہنا چاہئے۔

اگر خدانخواستہ مومن ایسا ہو جائے کہ لوگ اس سے دور ہٹنے لگیں کہ بھائی کہیں یہ چھری نہ مار دے کہیں جیب نہ کتر لے، کہیں گالی نہ دیدے تو وہ مومن کیا؟ وہ تو اچھا خاصا بیل ہے، بیل جب چلتا ہے تو لوگ پہلو بچا کر چلتے ہیں کہ بیل ہے کہیں لات نہ مار دے کہیں دم نہ مار دے۔ کہیں پیشاب نہ کر دے، چھینٹا نہ پڑ جائے۔ اگر مومن سے بھی یہی کھٹک پیدا ہوگی کہ کہیں چھری نہ مار دے، جیب نہ کتر لے وہ بھی پھر بیل ہوا۔

مومن وہ ہے جس سے لوگ مطمئن ہو جائیں کہ یہ نہ ہماری جان کا لیوا ہے نہ آبرو گرانے والا ہے نہ مال میں خیانت کرنے والا، غائبانہ بھی خیانت نہ کرے بلکہ حفاظت کرے۔

تو اس حدیث میں مومن کامل بننے کی ہدایت دی گئی اور اس کیلئے ایک طرف عبادات خداوندی ہے اس کا اعلیٰ قول ہے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ پڑھے اور جب زبان سے پڑھنے کا عادی ہوگا تو یقیناً قلب میں بھی توحید جمے گی اور جب قلب میں جم جائیگی تو ہر فعل سے توحید سرزد ہوگی۔ مترشح ہوگی اور نکلے گی، ہر فعل میں توحید رچ جائے گی۔ پھر ہر موقعہ پر ذکر اس کے اندر ہوگا، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے وہ ذاکر بن جائے گا۔

دوسری چیز فرمائی خدمت خلق اللہ ہے۔ اس کا بھی تعلق حیاء سے ہوگا۔ جتنا حیادار ہوگا اتنا مخلوق سے شفقت سے پیش آئیگا اور اس کی خدمت کی طرف متوجہ ہوگا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۳)

ہدایت وایمان قیمتی ترین چیز ہے

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب مدظلہ اپنے خطبات میں بیان فرماتے ہیں۔

ہدایت اس دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہے اللہ پاک جتنے خزانوں کے مالک ہیں ان تمام خزانوں میں سب سے قیمتی خزانہ ہدایت کا خزانہ ہے اتنا قیمتی کہ سب سے ادنیٰ درجہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی جتنی مقدار عطا فرمارکھی ہے ساری کائنات کے خزانے مل کر کے بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتے فرض کریں ایک آدمی ایسا ہے کہ دنیا کے مال و دولت میں سے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے عیش وعشرت کے اسباب اور ساز و سامان میں سے ایک ذرہ بھی اس کے پاس نہیں ہے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر جھونپڑیوں میں بسیرا کر کے روکھی سوکھی کھا کر گزارا کر رہا ہے مگر اللہ پاک نے اس کو ہدایت کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے تو یہ آدمی انتہائی درجے کا کامیاب اور خوش قسمت ہے۔ یہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا آدمی وہ ہے جس کے پاس عیش وعشرت کے تمام ساز و سامان اور اسباب موجود ہوں مال و دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں سارے جہان کے اقتدار پر تن تنہا قابض ہو مگر وہ ہدایت سے محروم ہو تو یہ بے چارہ رحم کھانے کے قابل ہے۔ اس دنیا میں بھی ناکام ہے اور آخرت میں بھی اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اللہ پاک نے سورہ زمر میں چوبیسویں پارے میں دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ.

اور اگر گنہگاروں کے پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اور اس کے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے میں بری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے۔

اب میرے دوستو! سوچنے کی بات یہ ہے کہ کافر اتنی بڑی قیمت کس چیز کی دینے پر تیار ہو جائے گا' وہ کون سی چیز ہے جو ایک مسلمان کے پاس ہوگی اور کافر کے پاس نہیں ہوگی جس کی وجہ سے کافر پریشان ہوگا اگر آپ سوچیں گے تو اس نتیجے پر یقیناً پہنچ جائیں گے کہ وہ چیز ہدایت ہے۔ جس کی اتنی بڑی قیمت دینے کیلئے ایک کافر تیار ہو جائے گا۔

سوچیں کہ ایک مجرم کافر اتنی بڑی قیمت کس چیز کی ادا کرنے پر تیار ہو جائے گا اگر آپ سوچیں گے تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ وہ ہدایت ہے جس کی اتنی بھاری قیمت ادا کرنے پر وہ کافر تیار ہو جائے گا' تو ثابت ہو گئی یہ بات کہ ہدایت بڑی قیمتی چیز ہے۔

جب ہمارا رابطہ جڑا ہوا ہوتا ہے ملاً اعلیٰ سے بھی کنکشن جڑا ہوا ہوتا ہے تو ہم زمین میں بیٹھ کر تمہیں عرش معلی کی خبریں بھی سناتے ہیں اور جب رابطہ منقطع ہو جاتا ہے تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے پاؤں کے نیچے کیا ہے تو اللہ پاک سنانے پر آتے ہیں تو دور کی بات بغیر ظاہری اسباب کے سنائی دیتی ہے تو زمین پر اس دیہاتی کی زبان سے نکلا ہوا سبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے کانوں تک پہنچا دیا آپ نے جب یہ کلمہ سنا تو فوراً ہوا کو حکم دیا کہ میرا تخت یہیں اتارو تخت اس دیہات میں اتر گیا اس نے اس دیہاتی کو بلوایا۔ وہ گھبرایا ہوا آیا آپ نے اس کو تسلی دی اور پوچھا کہ آپ نے ہمارے تخت کو دیکھ کر کیا کلمہ اپنی زبان سے نکالا تھا اس نے جواب دیا میں نے تعجب کی وجہ سے سبحان اللہ کہا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے بندے تو نے تعجب کی وجہ سے اپنی زبان سے جو سبحان اللہ کہا ہے اس کے بدلے میں اللہ پاک آپ کو آخرت میں جو اجر و ثواب عطا فرمائیں گے ایک سلیمان علیہ السلام کی حکومت کیا ہوتی ہے ساری کائنات کی سلطنتیں اور حکومتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ الحمد للہ میزان کو بھر دیگا۔ اور سبحان اللہ اور الحمد للہ زمین و آسمان کے خلا کو بھر دیتے ہیں یعنی اس کا ثواب بھر دیتا ہے۔

ہدایت کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے بڑا آسان بنایا ہے ہدایت کے قیمتی ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا حاصل کرنا بڑا مشکل ہوتا اور اس کیلئے بڑی محنت کرنی پڑتی کیونکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کا حاصل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے تو ہدایت جب

اتنی قیمتی تھی کہ ساری کائنات کے خزانے مل کر بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتے تو اس کا حاصل کرنا بڑا مشکل ہوتا لیکن میں قربان جاؤں ارحم الراحمین کی رحمت واسعہ پر کہ انسان کی کمزوری اور اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ہدایت کا حاصل کرنا انسان کیلئے اتنا آسان بنا دیا کہ اس سے زیادہ آسانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ پاک نے جب سے اس کائنات کو پیدا فرمایا اسی دن سے ایک ضابطہ بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے وہ ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی ضرورت انسان کو کم پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک اتنا ہی مشکل بنا دیتے ہیں اور جس چیز کی ضرورت انسان کو زیادہ پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک اتنا ہی زیادہ آسان بنا دیتے ہیں۔

اس ضابطے کی ذرا مثال سے وضاحت کر دوں تو آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گا۔ مثلاً آپ چار چیزوں پر غور کریں۔ (۱) سونا چاندی جواہرات۔ (۲) کپڑے لباس۔ (۳) پانی۔ (۴) ہوا۔

پہلی چیز

یہ سونے چاندی اور زیورات ہیں یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی انسان کو بہت کم ضرورت پڑتی ہے اتنی کم ضرورت کہ ان کا استعمال کرنا تو بڑی دور کی بات ہے اگر انسان اپنی پوری زندگی ان کو دیکھے بھی نہیں اور دیکھنے کا موقع اس کو نہ ملے تو بھی اس انسان کی زندگی گزر سکتی ہے اور یہ بات مشاہدے سے ثابت ہے ہمارے معاشرے میں ہماری سوسائٹی میں کتنے ہی غریب انسان ایسے ہیں جن کو اپنی پوری زندگی میں یہ چیزیں دیکھنے کا موقع نہیں ملتا مگر زندگی ان کی بھی گزر جاتی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی انسان کو چونکہ بہت کم ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے بڑا مشکل بنا دیا بڑی محنت کے بعد بڑی مشقت اٹھانے کے بعد خون پسینہ ایک کرنے کے بعد ایک ایک پائی کر کے انسان جمع کرتا ہے تب جا کر یہ چیزیں بہت تھوڑی مقدار میں حاصل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

دوسری چیز

دوسرے نمبر پر ہم لیتے ہیں کپڑوں کو کپڑا ایسی چیز ہے کہ اس کی بھی انسان کو ضرورت

پڑتی ہے سونے اور چاندی کے مقابلے میں اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے کہ اس کے بغیر انسان کی زندگی بڑی مشکل سے گزرتی ہے مگر ایسی ضرورت نہیں کہ انسان کی زندگی اسی پر موقوف ہو اور اگر کپڑا نہ ملے تو اس کا سانس بند ہو جائے گا جنگلوں میں بسنے والے بعض انسان ایسے بھی پائے گئے ہیں جن کے بدن پر کپڑا نہیں ہوتا اور اسی حال میں ان کی زندگی گزر جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سونے چاندی کے بعد انسان کو کپڑوں کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے تو اس کا حاصل کرنا سونے اور چاندی کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔

تیسری چیز

تیسرے نمبر پر لیتے ہیں ہم پانی کو کہ اس کی بھی انسان کو ضرورت پڑتی ہے اور اس کی ضرورت انسان کو سونے چاندی اور کپڑے کے مقابلے میں زیادہ پڑتی ہے اس طرح کہ انسان کی زندگی موقوف ہے پانی کے ملنے پر اگر پانی نہ ملے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا مگر ایسی اشد اور فوری ضرورت بھی نہیں کہ انسان ایک منٹ بھی پانی کے بغیر زندہ نہ رہ سکے بلکہ دو تین دن تک پانی کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے تو اللہ پاک نے انسان کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے پانی کا حاصل کرنا سونے چاندی اور کپڑے کے مقابلے میں آسان بنا دیا کہ معمولی رقم خرچ کرنے پر انسان کو پانی مل جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اتنا پانی جس سے انسان کی زندگی بچ سکے مفت بھی مل جاتا ہے۔

چوتھی چیز

چوتھے نمبر پر ہم لیتے ہیں ہوا کو کہ یہ بھی ایسی چیز ہے کہ اس کی بھی انسان کو ضرورت پڑتی ہے اور اس کی ضرورت انسان کو سونے چاندی کپڑے اور پانی کے مقابلے میں زیادہ پڑتی ہے اور اتنی زیادہ کہ انسان ایک منٹ بھی ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا' اس کے سانسوں کی آمد و رفت ہی ہوا کے اوپر موقوف ہے تو چونکہ انسان کو ہوا کی سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے اس لئے ہوا کا حاصل کرنا بہت ہی آسان بنا دیا ہے کہ امیر سے امیر تر آدمی جتنی ہوا حاصل کر سکتا ہے غریب سے غریب تر آدمی بھی اتنی مقدار ہوا کی حاصل کر سکتا ہے' نہ اس پر پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں اور نہ جسمانی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز کی ضرورت انسان کو کم پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک مشکل بنا دیتے ہیں اور جس چیز کی انسان کو ضرورت زیادہ پڑتی ہے اس کا حاصل کرنا اللہ پاک آسان بنا دیتے ہیں۔

ہدایت کی انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے

اب آپ سوچیں کہ ان چار چیزوں کے سوا کوئی اور ایسی چیز بھی ہے جس کی انسان کو ان چار چیزوں سے زیادہ ضرورت پڑتی ہو سونے چاندی کپڑے پانی اور ہوا سے اس چیز کی ضرورت زیادہ ہو۔

اگر آپ سوچیں گے اور غور کریں گے تو آپ کو وہ پانچویں چیز ہدایت نظر آئے گی جس کی انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ایک انسان کو کپڑے اور پانی کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ہدایت کی ضرورت ہے ایک انسان کو ہوا کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ہدایت کی ضرورت ہے۔

اس لئے کہ اگر کسی انسان کو یہ اوپر والی چیزیں نہ ملیں' سونا' چاندی اور کپڑا نہ ملے ہوا اور پانی نہ ملے تو زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی دنیا والی زندگی ختم ہو جائے گی اور یہ کوئی پریشانی والی بات نہیں اس لئے کہ اس زندگی نے تو بہر حال ختم ہونا ہے آج نہیں تو کل کبھی نہ کبھی ختم ہو کر رہے گی' اس کے ختم ہونے کو نہ بادشاہوں کی بادشاہت روک سکتی ہے نہ امیروں کی امارت نہ دولت مندوں کی دولت' جو بڑے بڑے بنگلوں میں رہنے والا ہے' ریشمی لباس زیب تن کرنے والا ہے' ہوائی جہازوں پر سفر کرنے والا ہے' مرغ پلاؤ اڑانے والا ہے' یہ زندگی تو اس کی بھی ختم ہو کر رہے گی۔

اور جھونپڑیوں میں بسیرا کرنے والا روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرنے والا پھٹے پرانے کپڑے پہن کر وقت گزارنے والا ہے یہ زندگی اس کی بھی ختم ہو کر رہے گی اس زندگی نے بہر حال گزرنا ہے ان چیزوں کے نہ ملنے کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس کی دنیا والی زندگی ختم ہو جائے گی اور یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں اس لئے کہ اس زندگی نے ہر حال میں ختم ہو کر رہنا ہے۔

لیکن اگر خدا نخواستہ کوئی انسان ہدایت سے محروم ہو گیا اور ہدایت کو حاصل نہ کر سکا تو اس کی یہ دنیا والی زندگی بھی برباد ہو گئی اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی بھی برباد ہو گئی' ہدایت سے محروم انسان کی دنیا والی زندگی سے بھی سکون' اطمینان اور چین نام کی چیزیں بالکل ختم ہو جاتی ہیں' وہ سکون' اطمینان اور چین کو ترستا ہے' اس کی تلاش میں

مارا مارا پھرتا ہے مگر اس کو سکون نصیب نہیں ہوتا اور ہدایت سے محروم انسان کی آخرت والی زندگی بھی برباد ہوگی اور وہ بربادی ہمیشہ کی ہوگی۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ انسان کو ہدایت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور اسی فلسفے کی بنیاد پر اللہ پاک نے ہدایت کا حاصل کرنا بھی انسان کیلئے بہت آسان بنادیا ہے' اتنا زیادہ آسان بنایا کہ اس سے زیادہ آسانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا امیر سے امیر تر آدمی ہدایت کے جتنے مراتب حاصل کرسکتا ہے غریب سے غریب تر آدمی بھی ہدایت کے اتنے ہی مراتب حاصل کرسکتا ہے جیسے دولت مند آدمی اونچے اونچے محلات میں رہنے والا ہوائی جہازوں میں سفر کرنے والا ولی غوث قطب ابدال بن سکتا ہے بالکل اسی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہن کر چٹائیوں پر بیٹھنے والا بھی ولی غوث قطب ابدال بن سکتا ہے' ہدایت کا حاصل کرنا اللہ پاک نے دونوں کیلئے آسان کردیا ہے تاکہ کل قیامت کے دن غریب نہ کہہ سکے کہ اے اللہ ہدایت تو پیسوں سے ملتی تھی اور میرے پاس پیسے نہیں تھے کہ ہدایت حاصل کرتا۔

اب آپ اس پر جتنا بھی سوچیں گے اور اسلام کے احکام پر غور کریں گے تو اسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اسلام کے ہر ہر حکم کو جیسے امیر ادا کرسکتا ہے غریب بھی ادا کرسکتا ہے' مثلاً نماز جیسے امیر آدمی پڑھ سکتا ہے ویسے غریب بھی پڑھ سکتا ہے' علی ہذا القیاس رمضان کے روزے ہوگئے۔ تو خلاصہ پوری بات کا یہ ہوا کہ چونکہ انسان کو ہدایت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے' اس لئے اللہ پاک نے اپنی رحمت کاملہ سے ہدایت کا حاصل کرنا انسان کیلئے بہت آسان بنادیا۔

حصول ایمان وہدایت کے طریقے

اللہ پاک نے قرآن کریم میں ہدایت حاصل کرنے کے دو طریقے بیان کئے ہیں۔

پہلا طریقہ

کہ جب ہدایت اللہ پاک کے قبضے ہی میں ہے تو ہدایت اللہ ہی سے مانگی جائے تو اللہ پاک اپنی مہربانی سے ہدایت کی دولت سے مالا مال کردیں گے تو ہدایت حاصل کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہوا کہ اللہ پاک سے ہدایت کی دعا کی جائے اور وہ دعا خود اللہ پاک نے سکھائی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ آپ جانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے مختلف نام ہیں ان میں سے ایک نام تعلیم المسئلہ بھی ہے اللہ پاک نے اس سورت میں انسان کو سوال کرنے کا

طریقہ بتایا ہے اس لئے اس سورت کو تعلیم المسئلہ کہا جاتا ہے اور وہ سوال جو اللہ پاک نے اس سورت میں سکھایا ہے وہ دولت اور دنیا کی کسی چیز کا سوال نہیں بلکہ ہدایت کا سوال ہے اور سوال کا اور اس دعا کا قبول کرنا اور پورا کرنا یقینی ہے یہ ناممکن ہے کہ بادشاہ کسی آدمی کو درخواست لکھنے کا طریقہ خود بتائے اور اس کی درخواست کو رد کر دے اور قبول نہ کرے تو جب اللہ تعالیٰ نے خود یہ دعا سکھائی ہے تو اس دعا کا قبول ہونا یقینی ہے۔

دوسرا طریقہ

جو اللہ پاک نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

کہ ہدایت والی محنت کی جائے تو ضرور مل کر رہے گی' دین کی محنت کی جائے تو اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ دین کی محنت کرتے ہیں ہدایت کی محنت کرتے ہیں۔

لنھدینھم سبلنا ہم ان کو اپنی ذات تک پہنچانے والے راستوں کو ضرور عطا فرمائیں گے آپ دنیا میں روزمرہ کی زندگی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جو جس چیز پر محنت کرتے ہیں جس چیز کا کاروبار کرتے ہیں وہ چیز محنت کرنے والوں کو ضرور مل کر رہتی ہے چاہے کسی اور کو ملے یا نہ ملے۔

مثلاً ایک آدمی صبح سے شام تک دودھ بیچتا ہے دودھ فروش ہے تو اس کے گھر میں دودھ ضرور ملے گا پورے محلے والے دودھ کو ترستے رہیں مگر جو خود دودھ فروش ہے اس کے گھر میں دودھ ضرور ملے گا اسی طرح جو آدمی نانبائی ہے صبح سے شام تک روٹیاں پکاتا ہے اس کے گھر والے اس کے بچے کبھی بھوکے نہ ہوں گے پورے محلے والے بھوکے ہو سکتے ہیں مگر جو خود نانبائی ہے اس کے گھر میں روٹیاں ضرور ملیں گی اسی طرح آپ سوچتے جائیں اور اپنے گرد نظر دوڑائیں جو لوگ جس چیز پر محنت کرتے ہیں جس چیز کا کاروبار کرتے ہیں وہ چیز ان کے پاس وافر مقدار میں مل جاتی ہے اللہ پاک ان کو ان کی محنت کا پھل ضرور عطا فرماتے ہیں۔

جب دنیا کی حقیر سی چیزوں پر محنت کرنے والوں کو وہ چیزیں ضرور مل کر رہتی ہیں تو ہدایت جیسی قیمتی چیز پر محنت کرنے والوں کو اللہ پاک محروم فرما دیں گے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ ناممکن

ہے تو دین کی ہدایت کی محنت کرنے والوں کو ہدایت ضرور مل کر رہتی ہے آپ غور فرمائیں انبیاء علیہم السلام کی سیرت پر ان کی تاریخ پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ہدایت کی محنت کرنے والے تھے ہدایت کا کاروبار کرنے والے تھے اور اس محنت کو انہوں نے دن رات اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا تو کیا انبیاء علیہم السلام کو ہدایت نہ ملی ہاں کیوں نہیں ضرور ملی سب انبیاء علیہم السلام ہدایت یافتہ تھے ان کی امت میں سب کو ہدایت نہ ملی جن کی قسمت میں لکھی تھی ان کو ملی باقی محروم رہے یہاں تک کہ قیامت کے دن بعض نبی ایسے بھی آئیں گے کہ ان کے ساتھ ایک بھی ایمان لانے والا نہیں ہوگا مگر انبیاء علیہم السلام خود تمام کے تمام ہدایت یافتہ تھے۔

تو خلاصہ پوری بات کا یہ ہوا کہ ہدایت کے حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہدایت والی محنت کو اختیار کیا جائے اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ ہدایت کی محنت کرنے والوں کو ضرور ہدایت مل کر رہے گی' آپ خود سوچیں کہ ایک آدمی دوسرے کو کہتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ خود کیسے نماز نہیں پڑھے گا' دوسرے کو کہتا ہے روزہ رکھو تو وہ خود کیسے روزہ توڑے گا' دوسرے کو منع کر رہا ہے کہ چوری مت کرو تو وہ خود کیسے چوری کرے گا۔

آخری بات

ہدایت کی محنت کی بہت سی صورتیں ہیں جس صورت کو بھی اختیار کرے گا' وہ ہدایت ہی کی محنت ہوگی ہدایت کی محنت کو کسی ایک صورت کے اندر بند نہیں کیا جا سکتا ہے' پوری دنیا میں دین کی نسبت سے جتنے کام اخلاص کے ساتھ کئے جا رہے ہیں' وہ سب ہدایت کی محنت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً تبلیغی جماعت کے نام سے کام ہو رہا ہے' یہ بھی دین اور ہدایت کی محنت ہے' دینی مدارس کا قیام ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون ان میں پڑھنا اور پڑھانا یہ سب دین کی محنت ہیں اسی طرح جو لوگ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے دشمنوں سے برسرپیکار ہیں اور افغانستان کی سرزمین یا کشمیر کی سرزمین میں یا دنیا کے کسی خطے میں بھی جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہیں یہ سب لوگ دین کی محنت کر رہے ہیں' بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہدایت کی محنت کی جو صورت ہم نے اختیار کی ہوئی ہے بس محنت صرف اسی ایک صورت میں بند ہے' باقی سب لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

مثلاً جو لوگ جہاد میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے جذباتی قسم کے نوجوانوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اصل کام تو ہم کر رہے ہیں باقی یہ مدارس میں پڑھنے پڑھانے والے اور تبلیغ کے کام کیلئے وقت دینے والے تو اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اسی طرح تبلیغی کام سے وابستہ بعض جذباتی نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ اصل کام تو ہم کر رہے ہیں باقی جہاد کرنے والے اور مدارس والے تو بے کار ہیں' اسی طرح مدارس سے وابستہ بعض حضرات بھی مدارس ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور دین کے باقی کاموں کو وقعت نہیں دیتے۔

یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے اور یہ خیال ایسا ہے جیسے مکان کی چھت کا بوجھ اور وزن چاروں دیواروں نے یکساں اٹھایا ہوا ہے مگر ایک طرف والی دیوار یہ کہے کہ سارا بوجھ تو میں نے اٹھایا ہوا ہے' باقی تینوں دیواریں بے کار ہیں' تو اس دیوار کا یہ خیال اور قول فاسد ہوگا' پتہ تب چلے گا جب تینوں طرف کی دیواریں ہٹادی جائیں تو پتہ چل جائے گا کہ بوجھ کس نے اٹھایا ہوا ہے۔

دین کی پوری عمارت کا بوجھ دین کی نسبت سے سب کام کرنے والوں نے اٹھایا ہوا ہے' چاہے وہ جس میدان میں بھی کام کر رہے ہوں تدریس کا میدان ہو یا تحریر اور تصنیف کا میدان ہو یا تقریر و تبلیغ کا میدان ہو یا جہاد کا میدان ہو یا سیاست کا میدان ہو یہ لوگ دین کی محنت کر رہے ہیں اور ان کو ہدایت ضرور مل کر رہے گی' پتہ تب چلے گا کہ باقی سارے شعبے بند کر دیئے جائیں' صرف ایک ہی شعبے کا کام کرتا رہے پھر پتہ چلے گا کہ دوسرے بھی دین کا کام کر رہے تھے یا نہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اللہ پاک نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ قوت رکھ دی تھی کہ وہ بیک وقت سارے کام کیا کرتے تھے وہ مجاہد بھی تھے' داعی بھی تھے' مفسر بھی تھے' فقیہ بھی تھے' محدث بھی تھے' بعد میں جب تنزل کا زمانہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دین کے کام کو تقسیم فرما دیا اب سارے کام کرنے کی ایک آدمی میں ہمت اور طاقت نہیں ہو سکتی الا ماشاء اللہ جو اللہ تعالیٰ نے جس کیلئے میسر فرما دی ہے اس میں محنت کرتا رہے اور باقیوں کے ساتھ جس قسم کا تعاون کر سکے کرتا رہے اور نہیں کر سکتا تو صرف دعا کر دیا کرے اس پر تو پیسے اور وقت نہیں لگتا اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم مخالفت تو نہ کرے' اس لئے کہ یہ بھی دین کے کام تو ہیں افراط اور تفریط سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض لوگوں کے ذہن میں شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ہمیں تو ہدایت والی دولت حاصل ہے ہم تو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں کلمہ پڑھتے ہیں نام مسلمانوں والا ہے نماز روزہ بھی کر لیتے ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے ہدایت مانگنے کی یا ہدایت والی محنت کے اختیار کرنے کی اتنی مشقت ہم کیوں برداشت کریں اس اشکال کے دو جوابات عرض کیے جاتے ہیں۔

پہلا جواب

پہلا جواب اس کا یہ ہے کہ ہمیں ہدایت حاصل ہے مگر ہمیں جو ہدایت حاصل ہے وہ ناقص ہے اس کو کامل بنانے کی ضرورت ہے کامل ہدایت اس کی ہے جس کی چوبیس گھنٹے کی زندگی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے حکم کے مطابق گزر رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو پورا پورا بجالا رہا ہو جس طرح ان کو بجالانے کا حق ہے اور جن چیزوں اور کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ان سے مکمل طور پر اجتناب کر رہا ہو اور اپنے آپ کو بچا رہا ہو اب آپ خود سوچیں کہ ہمارا کیا حال ہے ذرا اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی پر غور کریں کہ کتنا وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گزرتا ہے ہمارا تو کوئی کام اللہ اور اس کے پیغمبر کی مرضی کے مطابق نہیں اس لئے ہماری ہدایت ناقص ہے اس کو کامل بنانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے کی ضرورت ہے اور ہدایت والی محنت کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا جواب

اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بے شک ہمیں ہدایت حاصل ہے اگرچہ ناقص ہے مگر وہ اتنی قیمتی ہے کہ ساری کائنات کے خزانے مل کر اس کی قیمت نہیں بن سکتے اور جس کے پاس جتنی قیمتی چیز ہوتی ہے اس کے لٹنے کا خطرہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے وہ ہر وقت اس کی حفاظت کا انتظام کرتا ہے ہمارے پاس بھی جو ساری کائنات سے زیادہ قیمتی چیز ہدایت ہے اس کے بھی ہر وقت لٹنے کا خطرہ ہے شیطان اور نفس یہ ہدایت کے ڈاکو ہیں بلکہ شیاطین الانس بھی ہدایت کے ڈاکو ہیں ہر وقت ہدایت کے پیچھے لگے ہوئے ہیں کہ کس طرح انسان کی یہ قیمتی چیز ہم لوٹ کر لے جائیں۔

پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہا اچانک ایک نور بادل کی طرح آیا اور آسمان کے افق کو گھیر لیا اس میں سے آواز آئی عبدالقادر میں تیرا خدا ہوں تو نے بڑی محنتیں کیں اور بڑی ریاضتیں کیں بڑے مجاہدے کئے اور بڑی مشقتیں اٹھائیں آج کے بعد میں نے تم سے نماز معاف کر دی ہے روزے معاف کر دیئے ہیں دین کے سارے احکامات کی پابندی اٹھالی ہے اب تم آزاد ہو جو تمہارے دل میں آئے کرو تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً پڑھا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم جا مردود دفع ہو جا تو شیطان ابلیس ہے اللہ کے پیغمبروں سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے دین کیلئے مشقتیں برداشت کرنے والا محنتیں کرنے والا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے نمازیں معاف نہیں کیں روزے معاف نہیں کئے دین کے احکامات کی پابندی نہیں اٹھائی میں کون ہوتا ہوں اور میری محنت کیا چیز ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کے احکامات بھی اٹھالئے۔

دوبارہ پھر آواز آئی عبدالقادر ستر ابدال ایسے گزرے ہیں جن کو میں نے آخری وقت میں گمراہ کر دیا آج تجھے تیرے علم نے بچالیا ورنہ تو بھی گمراہ ہو جاتا پیران پیر نے دوبارہ پڑھا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اور فرمایا ظالم یہ تیرا دوسرا حملہ ہے مجھے میرے علم نے نہیں بچایا بلکہ مجھے میرے اللہ نے بچایا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو میں بھی گمراہ ہونے والوں میں شامل ہو جاتا۔

بہر حال ہماری ہدایت ایک تو ناقص ہے اس کو کامل بنانے کی ضرورت ہے دوسرا اس کے ہر وقت چھننے کا خطرہ ہے تو اس کی حفاظت کی بڑی سخت ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے جیسے سورۃ فاتحہ میں ہدایت مانگنے کا طریقہ سکھلایا تو سورہ آل عمران میں دعا بھی سکھلائی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

اے ہمارے پالنے والے ہدایت کی دولت سے مالا مال کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرمانا اللہ پاک ہم سب کو اپنے دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔ (صدائے منبر)

ایمان کی بنیاد افضل ذکر اور دُعاء

شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام اذکار میں افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے اور تمام دعاؤں میں افضل الحمد للہ ہے۔

دنیا کا وجود اسی کلمہ سے قائم ہے

چونکہ یہ پاک کلمہ دین کی اصل ہے ایمان کی جڑ ہے اس لئے جتنی بھی اس کی کثرت کی جائے گی اتنی ہی ایمان کی جڑ مضبوط ہوگی ایمان کا مدار اسی کلمہ پر ہے بلکہ دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے والا کوئی زمین پر ہو۔ دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا روئے زمین پر ہو قیامت نہیں ہوگی۔

کلمہ طیبہ سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل جلالہٗ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا" کہ مجھے کوئی ورد تعلیم فرما دیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا کرو۔ عرض کیا میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو مجھی کو عطا ہو ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کو رکھ دیا جائے۔ تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ والا پلڑا جھک جائے گا۔

کلمہ اخلاص کی برکت اور علامت

حضرت زید بن ارقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں جو شخص اخلاص کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے آپ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

فائدہ: اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرام کاموں سے رُک جائے گا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا قائل ہوگا تو اسکے سیدھا جنت میں جانے میں کیا تردد ہے لیکن اگر حرام کاموں سے نہ بھی رُکے تب بھی اس کلمہ پاک کی یہ برکت تو بلا تردد ہے کہ اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہوگا البتہ اگر خدانخواستہ بداعمالیوں کی بدولت اسلام وایمان ہی سے محروم ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ کثرت سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھتا رہا کرے اور حق تعالیٰ شانہٗ سے ایمان کے باقی رہنے کی دعا بھی کرتا رہے اور اپنے کو گناہوں سے بچاتا رہے اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ گناہوں کی نحوست سے آخر میں ان کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام ساری عمر مسلمانوں کی فہرست میں رہا ہو مگر قیامت میں وہ کافروں کی فہرست میں ہو یہ حقیقی حسرت اور کمال حسرت ہے۔ اس شخص پر افسوس نہیں ہوتا جو گرجا یا بت خانہ میں ہمیشہ رہا ہو اور وہ کافروں کی فہرست میں آخر میں شمار کیا جائے۔ افسوس ہے اس پر جو مسجد میں رہا ہو اور کافروں میں شمار ہو جائے اور یہ بات گناہوں کی کثرت سے اور تنہائیوں میں حرام کاموں میں مبتلا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس دوسروں کا مال ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسروں کا ہے مگر دل کو سمجھاتے ہیں کہ میں کسی وقت اس کو واپس کر دونگا اور صاحب حق سے معاف کرالونگا مگر اس کی نوبت نہیں آتی اور موت اس سے قبل آ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں کہ بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے اور وہ اس کو سمجھتے ہیں مگر پھر بھی اس سے ہمبستری کرتے ہیں اور اسی حالت میں موت آ جاتی ہے کہ توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ ایسے ہی حالات میں آخر میں ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

ایک نوجوان کا واقعہ

حدیث کی کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ایک نوجوان کا انتقال ہونے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اس سے کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور اس سے دریافت فرمایا کیا بات ہے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک قفل سا دل پر لگا ہوا ہے تحقیق حالات سے معلوم ہوا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہے اور اس نے ماں کو ستایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اگر کوئی شخص بہت سی آگ جلا کر اس تمہارے لڑکے کو اس میں ڈالنے لگے تو تم سفارش کرو گی اس نے عرض کیا ہاں حضور کروں گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ہے۔ تو اس کا قصور معاف کردے۔ انہوں نے سب معاف کردیا۔ پھر اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو فوراً پڑھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے انہوں نے آگ سے نجات پائی اس قسم کے سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں کہ ہم لوگ ایسے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جن کی نحوست دین اور دنیا دونوں میں نقصان پہنچاتی ہے۔

کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں جہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

فائدہ: کتنی بڑی فضیلت ہے اور قبولیت کی انتہا ہے کہ یہ کلمہ براہِ راست عرش معلّٰی تک پہنچتا ہے اور یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں کے ساتھ بھی کہا جائے تو نفع سے اس وقت بھی خالی نہیں۔

کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ پر جنت و مغفرت کی بشارت

حضرت شدادؓ فرماتے ہیں اور حضرت عبادہؓ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دریافت فرمایا۔ کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں۔ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں ارشاد فرمایا کواڑ بند کردو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے (اور کلمہ طیبہ پڑھا) پھر فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اے اللہ تُو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تُو وعدہ خلاف نہیں ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری مغفرت فرمادی۔

ایمان کی تجدید

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

غریبوں کے لئے امیروں کے برابر اجر کی خوشخبری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ فقراء مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ مالدار سارے بلند درجے لے اڑے اور ہمیشہ کی رہنے والی نعمت انہیں کے حصہ میں آگئی۔ حضورؐ نے فرمایا کیوں۔ عرض کیا کہ نماز روزہ میں تو یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے ہیں یہ بھی مالدار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ تم اس پر عمل کر کے اپنے سے پہلوں کو پکڑ لو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھے رہو اور کوئی شخص تم سے اس وقت تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو نہ کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور بتادیجئے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر ۳۳'۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو (ان حضرات نے شروع کردیا مگر اس زمانہ کے مالدار بھی اس نمونہ کے تھے انہوں نے بھی معلوم ہونے پر شروع کردیا) تو فقراء دوبارہ حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ بھی یہی کرنے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس کو کون روک سکتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح یہ قصہ ذکر

کیا گیا اسمیں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لئے بھی اللہ نے صدقہ کا قائم مقام بنا رکھا ہے۔ سبحان اللہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے الحمدللہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے۔ بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔ صحابہؓ نے تعجب سے عرض کیا یارسول اللہ بیوی سے ہمبستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور یہ صدقہ ہو جائے حضورؐ نے فرمایا اگر حرام میں مبتلا ہو گیا تو گناہ ہوگا یا نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور ہوگا۔ ارشاد فرمایا اسی طرح حلال میں صدقہ اور اجر ہے۔

کلمہ طیبہ کے کیا تقاضے ہیں؟

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یہ محض کوئی زبانی جمع خرچ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ لیا اور بات ختم ہو گئی، بلکہ آپ نے جس دن یہ کلمہ پڑھا، اس دن آپ نے اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا اور اس بات کا وعدہ کر لیا کہ اب میری کچھ نہیں چلے گی، اب تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے تابع زندگی گزاروں گا، لہٰذا اس کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کچھ تقاضے ہیں کہ زندگی گزارو تو کس طرح گزارو، عبادت کس طرح کرو، لوگوں کے ساتھ معاملات کس طرح کرو، اخلاق تمہارے کیسے ہوں، معاشرت تمہاری کیسی ہو، زندگی کے ایک ایک شعبے میں ہدایات ہیں جو اس کلمے کے دائرہ کے اندر آتی ہیں، اور وہ ہدایات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک سے بھی دے کر گئے ہیں اور اپنے افعال سے بھی، اپنی زندگی کی ایک ایک نقل وحرکت سے اور ایک ایک ادا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا طریقہ سکھا کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، اور زندگی اس کے مطابق گزارنے کا نام ہی درحقیقت تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کا ڈر کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور معاہدہ تو کر لیا لیکن میں جب آخرت میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے کہ جو معاہدہ میں نے کیا تھا، میں نے اس معاہدہ کو پورا نہیں کیا، اس بات کا خوف اور اس بات کے ڈر کا نام ہے تقویٰ!

جیسی روح ویسے فرشتے

فرمایا: آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود خواہ کسی حالت میں ہوں، گناہ میں، معصیت میں، کبائر میں، فسق وفجور میں مبتلا ہوں، لیکن اپنے لئے صادقین تلاش کریں گے تو معیار سامنے رکھیں گے جنید بغدادیؒ کا، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اور بایزید بسطامیؒ کا اور بڑے بڑے اولیاء کرام کا جن کے نام سن رکھے ہیں کہ صاحب ہمیں تو ایسا صادق چاہئے جیسا کہ جنید بغدادیؒ تھے، یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تھے۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے تم ہو ویسے ہی تمہارے مصلح ہوں گے، تم جس معیار کے ہو تمہارے لئے یہی لوگ کافی ہو سکتے ہیں، جنید وشبلی کے معیار کے نہ سہی لیکن تمہارے لئے یہ بھی کافی ہے۔

دین حاصل کرنے کا اور اس کی سمجھ حاصل کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کا کوئی راستہ آج کل کے حالات میں اس کے سوا نہیں ہے کہ کسی اللہ والے کو اپنا دامن پکڑا دے، اللہ تبارک وتعالیٰ کسی اللہ والے کی صحبت عطا فرما دے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دین عطا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین کی صحیح فہم عطا فرمائے، صادقین کی صحبت عطا فرمائے، ان کی محبت اور ان کی خدمت کے ذریعہ دین کا صحیح مزاج ہمارے دلوں کے اندر پیدا فرمائے۔ آمین۔ (اصلاحی خطبات)

شانِ مومن

"آدمی وہ ہے کہ عیش میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے اور طیش میں بھی نعمت میں بھی نہ بھولے اور مصیبت میں بھی۔ دنیا میں نعمت بھی آزمائش کیلئے آتی ہے اور مصیبت بھی۔ بندہ وہ ہے کہ دونوں حالتوں پر پورا اترے اسے کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہے مومن کے راضی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے اس کی تقدیرات سے اور وہ اپنے بندے کے ساتھ جو بھی معاملہ کرے اس سے راضی ہو۔" (جواہر حکمت)

کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جنت کے قفل کی کنجی ہے

کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جنت کے قفل کی کنجی ہے لیکن ہر کنجی کے لئے دندانوں کا ہونا ضروری ہے اگر کنجی میں دندانے نہ ہوں تو قفل نہیں کھل سکتا۔ اسی طرح کلمہ توحید کے ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں تو جنت کا قفل بھی کھلنا مشکل ہے۔ (بخاری فی ترجمۃ الباب)

گو کنجی کے دندانے گھس جانے کے بعد کنجی زیادہ کارآمد نہیں رہتی مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت معدوم ہو جائے۔ اس کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی ہوں سخاوت کے دریا بہہ رہے ہوں شجاعت کا ڈنکا بج رہا ہو اور عرب کی مایہ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جارہی ہو جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ ہو۔ اس لئے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جبکہ حضورؐ کا بتایا ہوا یہ کلمہ ہو اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں۔

کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو سب سے پہلے یہ سات لفظ دہراتا ہے جسے کلمہ طیبہ کہا گیا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس جس نے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار زبان سے اور تصدیق دل سے کر دی وہ اسلامی برادری میں شامل ہو گیا۔ خواہ وہ مصری ہو یا نائیجیریا کا حبشی ہو اب جبکہ وہ مسلم ہے تو ایک خاندان توحید کا فرد ہے جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام دنیا اس کا وطن ہے۔ یہی وہ بنیاد تھی جس نے ابوجہل اور ابولہب کے خاندانی رشتوں کو حضورؐ سے توڑ دیا اور بلال حبشی اور صہیب رومی کا رشتہ جوڑ دیا۔

حسن ز بصرہ بلال ز حبش صہیب از روم   ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ اسلام کا رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے سے روٹھ جائے بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کردے ہوسکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا ومحبت ٹوٹ جائیں مگر جو رشتہ پاکستان کے ایک مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے ہے یا عرب کے ایک بدو کو تاتار کے چرواہے سے ہے یا ہندوستان کے ایک نومسلم کو مکہ معظم کے ایک قریشی سے پیوست ویک جان کرتا ہے دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اسے توڑ سکے جسے خدا نے انسانوں کے دلوں کو اس کلمہ کے ذریعے سے جکڑ دیا ہے۔

ایمان کی جڑ صرف ایک کلمہ

اسلام کے برگ وبار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ انہی دو جملوں میں تمام اسلامی عقائد کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے۔ یہی کلمہ اسلام کا جوہر ہے۔ یہی کلمہ ایمان کی روح ہے یہی کلمہ راستی کا نشان ہے۔ یہی کلمہ ہدایت کی زندہ تصویر ہے۔ اسی کلمہ سے دائمی راحت نصیب ہوتی ہے۔ اسی کلمہ کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے چھوڑنے سے آج ان کو قعر ذلت میں گرا دیا گیا ہے۔ دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والا کوئی ایک بھی زمین پر ہوگا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ یہی کلمہ جنت کی کنجی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی قیمت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے باعث زمین وآسمان قائم ہیں۔ اسی کلمہ کے رد وقبول کے لئے میزان نصب کی گئی۔ اسی کلمہ کے باعث جنت ودوزخ کا بازار لگا۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے بارے میں اگلوں اور پچھلوں سے پرسش ہوگی۔ بندہ جب تک دو سوالوں کا جواب نہ دے لے اس وقت تک اس کے پاؤں زمین سے جنبش نہ کر سکیں گے۔ پہلا سوال یہ ہوگا کہ تم کسے پوجتے تھے؟ دوسرا سوال یہ کہ انبیاء کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا۔ پہلے سوال کا جواب لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور دوسرے کا جواب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

یہی وہ کلمہ ہے جس کے باعث لوگ مسلم اور کافر ایسے دوگروہوں میں منقسم ہوئے جن کے درمیان ابتدائے دنیا سے آگ کے شعلے بھڑکتے چلے آ رہے ہیں اور انتہائے دنیا تک بھڑکتے ہی رہیں گے۔ یہ دو گروہ کبھی آپس میں یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کو لے کر ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش انبیاء مبعوث ہوئے۔ اور اسی کے لئے شریعتیں بنائی گئیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہی وہ کلمہ ہے جو دنیا کے سارے انسانوں کو گوروں اور کالوں کو نائیجیریا اور افریقہ کے حبشیوں اور روم کے عشرت پسندوں کو۔ آدم کے ہر بیٹے کو خواہ وہ مصری ہو یا ہندی عرب کا چرواہا ہو یا استنبول کا تعلیم یافتہ ترک' عربی ہو یا عجمی' ان سارے انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے۔

فرقہ واریت کلمہ کی رسی کو چھوڑنے سے پیدا ہوتی ہے

ابتدائے دنیا میں جب سارے جہان کے انسان اس کلمہ کو پکڑے ہوئے تھے تو دنیا کے لوگ ایک امت واحدہ تھی اور ان میں کوئی فرقہ واریت نہیں تھی۔ لیکن بعد میں جب انسانوں نے اس کلمہ کی رسی کو چھوڑ دیا اور خود رائی پر آ گئے تو فرقے بن گئے۔ آخر میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اس دنیا میں شریعت محمدیہ کا اتباع کرتے ہوئے تشریف لائیں گے تو اس وقت بھی آپ کے زمانہ کے تقریباً چالیس سال ایسے گزریں گے کہ تمام دنیا اس کلمہ کو پکڑنے پر مجبور ہو گی اور کرہ ارض پر کوئی کافر نہیں پایا جائے گا۔ اس کلمہ کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا میں سارے انسان بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں۔ اسی کلمہ کی دعوت لے کر تمام انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا۔ غرضیکہ یہی کلمہ دنیا کی تمام اجتماعی مشکلات کا حل ہے۔ دیکھئے آج انسانیت رحم اور امن کے لئے پکار رہی ہے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل تڑپتی اور بلکتی ہوئی انسانیت کو اسی کلمہ سے امن اور نجات کا راستہ دکھایا۔ آج پھر ضرورت ہے کہ توحید کے اس جھنڈے کو بلند کیا جائے۔ اگر کلمے کا صحیح جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو یہ وہ انقلاب ہے کہ کسی کے روکے نہیں رکتا۔ اسی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز تھی

جس نے دفعۃً تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا۔ جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہوگیا جس کی چمک سے کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی گویا کہ وہ ایک زور شور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل چھٹ گئے۔ غرضیکہ افضل الرسل سید کل آقائے نامدار روحانیت کے آخری تاجدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کلمہ سے ایک سخت قوم کو ظلمت کے زمانہ میں ایک نئے اور اجنبی مضمون کی طرف ابھارا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کو ایسا مسخر اور گرویدہ و رام کیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں آپ کے مصاحبین اپنا خون گرانے کے لئے تیار ہوگئے۔ جب ان کے دلوں میں کلمہ کی حقیقت اتر گئی تو انہوں نے اپنی قوت ایمانی کے بل بوتے پر دین کی خاطر گھربار کو ترک کر دیا۔ زن و فرزند سے بگاڑی مال و دولت کو سنگریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا۔ اپنے اور بیگانوں سے آمادہ جنگ اور گتھم گتھا ہوگئے۔ اپنے باپ اور بیٹوں کی قربانی پیش کی۔ یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے غرضیکہ دنیا نے جب سے جنم لیا۔ آسمان نے جب سے سایۂ ذالا زمین نے جب سے اپنی پشت پر اولاد آدم کو اٹھایا کبھی ایسا عظیم سریع اور محیر العقول انقلاب چشم فلک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ (راہ نجات)

ایمان کے شعبے

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الایمان بضع و سبعون شعبۃ ستر سے کچھ اوپر ایمان کی شاخیں اور شعبے ہیں۔ سب سے اوپر کی شاخ لا الٰہ الا اللہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ دلیل ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی عظمت بیٹھ گئی ہے کہ اس کے سوا کسی کو معبود بنانے کو تیار نہیں اور ایمان کا ادنیٰ درجہ اماطۃ الاذیٰ عن الطریق ہے یعنی راستہ سے ایذا دہ چیزوں کو اٹھا کر پھینک دینا تاکہ مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔ تو ایک ایمان کا اوپر کا سرا بتلایا گیا جو اللہ تعالیٰ سے ملا ہوا ہے اور ایک نیچے کا سرا بتلایا گیا ہے جو مخلوق سے ملا ہوا ہے اور دونوں کا منشاء بتلا دیا کہ والحیاء شعبۃ من الایمان یعنی یہ دونوں شعبے وہ برتے گا جس میں حیا اور انکساری نفس موجود ہو"۔ (جواہر حکمت)

لا الہ الا اللہ کی حقیقت اور فضیلت

حدیث شریف میں ہے: من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ
جس نے کلمہ توحید کا دل سے اقرار کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا

اس حدیث شریف کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ کلمۂ توحید کا قائل جنت میں ضرور جائے گا لیکن کب جائے گا اس کا کوئی ذکر حدیث میں نہیں ہے، اسلئے اس کا مطلب سمجھنا کہ فوری نجات کے لئے صرف کلمۂ توحید کافی ہے بالکل غلط ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کا پڑھنے والے اگر نیک عمل ہی کرتا ہے تو پہلی مرتبہ یعنی ابتداء ہی میں جنت کا وارث بنا دیا جائے گا لیکن اگر کلمہ توحید کے ساتھ فسق و فجور کا بھی مرتکب تھا تو اول اپنے اعمال کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھے گا اور ایک عرصہ تک دوزخ میں رہے گا اور سزا بھگتنے کے بعد پھر کلمہ توحید کے باعث جنت میں داخل کیا جائے گا، کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کے تالے کی چابی ہے لیکن ہر چابی کے لئے دندانوں کا ہونا ضروری ہے، اگر چابی میں دندانے نہ ہوں تو تالا کھل نہیں سکتا، اسی طرح کلمہ توحید کے ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں تو جنت کا تالا بھی کھلنا مشکل ہے۔ (بخاری)

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو سب سے پہلے یہ سات لفظ دہراتا ہے جسے کلمہ طیبہ کہا گیا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یعنی اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار زبان اور تصدیق دل سے کر دی وہ اسلامی برادری میں شامل ہو گیا، خواہ وہ مصری ہو یا تاجیر یا کا حبشی ہو، اب جبکہ وہ مسلم ہے تو ایک خاندان توحید کا فرد ہے، جس کا گھرانہ کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام دنیا اس کا وطن ہے، یہی وہ بنیاد جس نے ابوجہل اور ابولہب کے خاندانی.......... حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑ دیا اور بلال حبشی اور صہیب رومی کا رشتہ جوڑ دیا۔

اسلام کے برگ و بار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ انہی دو جملوں میں تمام اسلامی عقائد کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے۔ یہی کلمہ اسلام کا جوہر ہے۔ یہی کلمہ ایمان کی روح ہے۔ یہی کلمہ راستی کا نشان ہے۔ یہی کلمہ ہدایت کی زندہ تصویر ہے۔ اسی کلمہ سے دائمی راحت نصیب ہوتی ہے۔ اسی کلمہ کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں، اور اسی کے چھوڑنے سے آج ان کو قعر ذلت میں گرا دیا گیا ہے۔ دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک لا الہ الا اللہ کہنے والا کوئی ایک بھی زمین پر ہوگا، قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ یہی کلمہ جنت کی کنجی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی قیمت لا الہ الا اللہ ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جسکے باعث زمین و آسمان قائم ہیں، اسی کلمہ کے رد و قبول کے لئے میزان نصب کی گئی، اسی کلمہ کے باعث جنت و دوزخ کا بازار لگے گا، یہی وہ کلمہ ہے جس کے بارے میں اگلوں اور پچھلوں سے پرسش ہوگی، بندہ جب تک دو سوالوں کا جواب نہ دے لے اس وقت تک اس کے پاؤں زمین سے جنبش نہ کر سکیں گے، پہلا سوال یہ ہوگا کہ تم کسے پوجتے تھے؟ دوسرا سوال یہ کہ انبیاء کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا۔ پہلے سوال کا جواب لا الہ الا اللہ ہے اور دوسرے کا جواب محمد رسول اللہ ہے۔ (کلید بہشت)

ایمان...... بڑی دولت

دنیا میں سب سے بڑی دولت ایمان ہے آج اس نعمت کی قدر نہیں کی جاتی، اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو یہ دولت بغیر کسی کاوش کے عطا فرمادی اب اس کو باقی رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا اس کا شکر ادا کرتے رہنا ہم پر لازم ہے۔

کتنے ہی انسان ایسے ہیں جن کو وراثت میں ہی باطل مذہب ملا اگر کوئی ہندو ہے تو اس لئے کہ اس کے ماں باپ یہودی تھے، ایمان کی دولت وراثتاً ملنے پر ہم جتنا بھی شکر کریں کم ہے، اس کا حق تب ہی ادا ہوگا جب ہم اس کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس کی فکر کرتے رہیں اور ایمان حاصل ہونے پر شکر کرتے رہیں تو یہ برقرار رہے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کے پاس جو کوئی ملاقات کیلئے آتا حضرت عموماً انہیں ایمان پر خاتمہ کی دعا کے لئے فرماتے، یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کو بھی یہی فرمایا کرتے۔

اکثر بزرگ اپنے وعظوں اور نصیحتوں میں ایمان پر خاتمہ کی دعا کی تلقین فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہی مراد ہے آنے والی زندگی کے لئے، خدانخواستہ پوری عمر نیکیاں کرتے گذری لیکن موت کے وقت ایمان پر خاتمہ نہ ہوا تو اس کی ساری کمائی ضائع گئی کچھ ہاتھ نہ رہے گا اور اگر پوری عمر خدانخواستہ خدانخواستہ گناہ کئے ہوں لیکن مرتے وقت توبہ کی توفیق ہوگئی اور خاتمہ بالخیر ہوا تو یہ شخص کامیاب ہے۔

ہمارے حضرت، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ آخر عمر میں معذوری کی حالت میں ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس تشریف لے گئے آپ جب گاڑی پر روانہ ہوئے تو حضرت لاہوریؒ کو اطلاع ملی تو وہ استقبال کے لئے پہلے سے پہنچے ہوئے تھے، ملاقات ہوئی حضرت لاہوریؒ نے عرض کیا کہ حضرت کیسے تکلیف فرمائی۔ فرمایا کہ خاتمہ ایمان پر ہونے کی دعا کرانے آیا ہوں اور وہیں دعا کرائی اور واپس تشریف لے آئے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تمہاری ڈاڑھی اچھی ہے یا بکرے کی؟

بزرگ نے فرمایا کہ میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میری ڈاڑھی اچھی ہے اور اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو پھر اس بکرے کی ڈاڑھی اچھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ اس شخص کے لئے جائز ہے جس کو معلوم ہو کہ میرا خاتمہ اس سے اچھا ہوگا۔

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ بیماری کی حالت کے وقت چبوترے پر تھے کسی نے عرض کیا کہ اگر یہاں موت ہوگئی تو آپ کو نیچے کیسے اتارا جائیگا، آپ نے فرمایا کہ ابھی تو ایمان کے خاتمہ کی فکر ہے اگر وہ ہوگیا تو لاش گھسیٹ کر بھی نیچے لے جانی پڑے تو کچھ پرواہ نہیں۔

ایک بزرگ خاتون فرماتی تھی کہ اگر خاتمہ ایمان پر ہو تو ابھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے خواب دیکھا کہ ایک ہندو لالہ جی جنت میں گھوم پھر رہے ہیں، حضرت نے پوچھا! کہ لالہ جی تم جنت میں کیسے پہنچ گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مرتے وقت ایمان کی دولت نصیب ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔

وضاحت: ہمیں ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے رہنا چاہئے، جب بڑے بڑے اولیاء

اللہ اس قدر ڈرتے تھے تو ہمیں تو خصوصاً فکر کرنی چاہئے خوف اور امید کے درمیان کی حالت رکھنی چاہئے اور پھر گمان اللہ تعالیٰ سے اچھا ہی رکھیں۔ (شمارہ نمبر 44)

کیا خدا ہے؟...... ہاں خدا ہے

آج کل جدید تعلیم یافتہ حضرات کو خدا نظر نہیں آتا، درج ذیل واقعہ سے جو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے خطبات میں نقل فرمایا ہے کہ اس کے پڑھنے سے ان شاء اللہ ان حضرات کو خدا تعالیٰ نظر آجائیگا۔

یہ کائنات از خود نہیں بنی، بلکہ ایک حکیم نے بنائی ہے جو اسے چلا رہا ہے، بہت سے دہریوں نے انکار کیا کہ خدا کا وجود ہی نہیں ہے، یہ کائنات از خود بن گئی یہ بالکل جہالت ہے اور فطرت کے خلاف ہے، دلیل سے آدم اللہ کو نہیں پہچانتا، بلکہ دل پر ایک دباؤ ہے کہ مجبور ہو کر ماننا پڑتا ہے کہ ہے کوئی ذات۔

امام ابو حنیفہؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے زمانے میں مہدی جو اموی خلیفہ تھا، اس کے دربار میں ایک دہریہ آیا، جو خدا کی ذات سے انکار کرتا تھا، اس نے کہا میں نہیں مانتا کہ خدا موجود ہے، یہ کائنات طبعی رفتار سے خود بنی ہے اور خود چل رہی ہے۔ لوگ مر رہے ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں وغیرہ۔ یہ سب ایک طبعی کارخانہ ہے کوئی بنانے والا نہیں ہے یہ اس کا دعویٰ تھا اور اس نے چیلنج کیا کہ مسلمانوں میں جو سب سے بڑا عالم ہو، اس کو میرے مقابلے میں لایا جائے، تا کہ اس سے بحث کروں اور لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کہ اپنی طاقتوں کو خواہ مخواہ ایک غیبی طاقت کے تابع کر دیا ہے، جو سارے جہان کو چلا رہی ہے، تو اس زمانے میں سب سے بڑے عالم امام ابو حنیفہؒ تھے، مہدی نے امام صاحبؒ کے پاس آدمی بھیجا، رات کا وقت تھا، رات ہی کو خلیفہ کا دربار منعقد ہوتا تھا، آدمی بھیجا کہ وہ آکر اس دہریے سے بحث کریں اور اسے سمجھائیں اور راہ راست پر لائیں۔ چنانچہ آدمی پہنچا، بغداد میں ایک بہت بڑا دریا ہے، اسے دجلہ کہتے ہیں، اس کے ایک جانب شاہی محلات تھے، ایک جانب شہر، تو امام ابو حنیفہؒ شہر میں رہتے تھے اس لئے دریا پار کر کے آنا پڑتا تھا۔ اس نے کہا اصل میں دربار میں ایک دہریہ آگیا ہے اور وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ خدا کا وجود نہیں ہے، کائنات خود بخود چل رہی ہے، آپ کو مناظرہ کیلئے بلایا ہے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا، اچھا، آپ جا کے کہہ دیں کہ میں آرہا ہوں، وہ آدمی واپس گیا اور کہا کہ امام صاحبؒ کو میں نے خبر کردی ہے اور آپ آنے والے ہیں۔

اب دربار لگا ہوا ہے۔ خلیفہ، امراء، وزراء بیٹھے ہوئے ہیں اور دہریہ بھی بیٹھا ہوا ہے اور امام صاحبؒ کا انتظار ہے مگر امام صاحب نہیں آرہے۔ رات کے بارہ بج گئے امام صاحبؒ ندارد۔

دہریے کی بن آئی، اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ ڈر گئے ہیں اور سمجھ گئے ہیں کہ کوئی بڑا فلسفی آیا ہے، میں اس سے نمٹ نہیں سکوں گا، اس واسطے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور آپ یقین رکھیں وہ نہیں آئیں گے، میرے مقابلے میں کوئی نہیں آسکتا۔

اب خلیفہ بھی متامل ہے، درباری بھی حیران ہیں اور دہریہ بیٹھا ہوا شیخی دکھارہا ہے۔

جب رات کا ایک بجا تو امام صاحبؒ پہنچے، دربار میں حاضر ہوئے، خلیفہ وقت نے تعظیم کی، جیسے علماء ربانی کی کی جاتی ہے، تمام دربار کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ نے امام صاحبؒ سے کہا کہ آپ اتنی دیر میں کیوں آئے؟ آدمی رات کے آٹھ بجے بھیجا گیا تھا، اب رات کا ایک بجا ہے، آخر اتنی تاخیر کی کیا وجہ پیش آئی؟ شاہی حکم تھا، اس کی تعمیل جلد ہونی چاہیے تھی، نہ یہ کہ اس میں اتنی دیر لگائی جائے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک عجیب وغریب حادثہ پیش آگیا، جس کی وجہ سے مجھے دیر لگی اور عمر بھر میں، میں نے ایسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا تھا، میں حیران ہوں کہ کیا قصہ پیش آیا، اس شد ومد سے بیان کیا کہ سارا دربار حیران ہو گیا کہ کیا حادثہ پیش آگیا۔

فرمایا بس عجیب وغریب ہی واقعہ تھا اور خود مجھے بھی ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا، کہ کیا قصہ تھا؟ جب سارے دربار کو خوب شوق دلا دیا اور سب سرتا پا شوق بن گئے، حتیٰ کے خود امیر المومنین نے کہا کہ فرمایئے کیا قصہ پیش آیا...... فرمایا!

قصہ یہ پیش آیا، جب میں شاہی محل میں آنے کے لئے چلا ہوں تو دریا بیچ میں تھا دریا کے کنارے پر جو پہنچا تو اندھیری رات تھی، نہ کوئی ملاح تھا نہ کشتی تھی، آنے کا کوئی راستہ نہ تھا، میں حیران تھا کہ دریا کو کس طرح پار کروں، اس کشمکش و پیچ میں کھڑا ہوا تھا کہ میں نے یہ حادثہ دیکھا کہ دریا کے اندر سے خود بخود لکڑی کے نہایت عمدہ بنے بنائے تختے نکلنے شروع

ہوئے اور ایک کے بعد ایک نکلتے چلے آرہے ہیں، میں تحیر سے دیکھ رہا تھا کہ یا اللہ! دریا میں سے موتی نکل سکتا ہے، مچھلی نکل سکتی ہے، مگر یہ بنے بنائے تختے کہاں سے آ گئے؟ ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ اس سے زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ تختے خود بخود جڑنے شروع ہوئے، جڑتے جڑتے کشتی کی صورت ہو گئی، میں نے کہا یا اللہ! یہ کس طرح سے کشتی بن گئی، آخر انہیں کون جوڑ رہا ہے کہ اوپر نیچے خود بخود تختے لگتے چلے جا رہے ہیں۔

ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ دریا کے اندر سے لوہے قیچل کی کیلیں نکلنی شروع ہو گئیں اور خود بخود اس کے اندر ٹھکنے لگیں اور جڑ جڑا کے بہترین قسم کی کشتی بن گئی۔

میں حیرت میں کہ یہ کیا ماجرا ہے، یہ تختے جو جڑے ہوئے تھے، ان کی درجوں سے پانی اندر گھس رہا تھا کہ دریا کے اندر سے خود بخود ایک روغن نکلنا شروع ہوا اور ان درجوں میں وہ بھرنا شروع ہوا جس سے پانی اندر گھسنا بند ہو گیا۔

ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ وہ کشتی خود بخود میری طرف بڑھنی شروع ہوئی اور کنارے پر آ کر ایسے جھک گئی، گویا مجھے سوار کرانا چاہتی ہے، میں بھی بیٹھ گیا، وہ خود بخود چلی اور مجھے لے کر روانہ ہو گئی، دریا کی دھار پر پہنچی۔ پانی ادھر کو جا رہا تھا کشتی خود بخود ادھر کو جا رہی تھی، کیونکہ شاہی محلات ادھر کو تھے۔

میں حیران تھا کہ یا اللہ! آخر پانی کے بہاؤ کے خلاف کون اسے لے جا رہا ہے؟ یہاں تک کہ شاہی محل کے قریب کنارے پر پہنچ گئی اور آ خر جھک کر پھر کنارے پر کھڑی ہو گئی کہ میں اتر جاؤں تو میں اتر گیا، پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کشتی غائب بھی ہو گئی، گھنٹہ بھر اس کنارے اور گھنٹہ بھر اس کنارے سوچتا رہا کہ یہ کیا قصہ تھا؟

یہ سانحہ جس کی وجہ سے تحیر میں کئی گھنٹے لگ گئے، اب تک سمجھ میں نہیں آیا، کیا ماجرا تھا؟ اور میں امیر المومنین سے معافی چاہتا ہوں کہ آٹھ بجے بلایا گیا اور ایک بجے پہنچا ہوں۔

دہریے نے کہا، امام صاحب! میں تو یہ سنا تھا کہ آپ بڑے عالم ہیں، بڑے دانش مند اور فاضل مند آدمی ہیں مگر بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں، بھلا یہ ممکن ہے کہ پانی میں سے خود بخود تختے نکل آئیں، خود ہی جڑنے لگیں، خود ہی کیلیں ٹھک جائیں، خود ہی روغن لگ جائے، خود آ کے کشتی

اپنے آپ کو جھکا دے، آپ اس پر بیٹھ جائیں اور خود ہی لے کے چل دے، خود ہی وہ کنارے پر پہنچا دے، یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ میں نے سمجھا تھا کہ آپ بڑے دانش مند، فاضل اور عالم ہیں، امام آپ کا لقب ہے اور باتیں کر رہے ہیں آپ نادانوں اور بچوں جیسی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی کشتی بنانے والا نہیں، خود بخود بن گئی، کوئی کیلیں ٹھونکنے والا نہیں، خود بخود ٹھک گئیں، کوئی روغن بھرنے والا نہیں، خود ہی بھر گیا، کوئی چلانے والا ملاح نہیں، خود ہی چل پڑی، کوئی سمجھانے والا نہیں، خود ہی سمجھ گئی کہ مجھے شاہی محل کے اوپر جانا ہے، یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟

امام صاحبؒ نے فرمایا، اچھا یہ بات نادانی اور بے وقوفی کی ہے؟

اس نے کہا، جی ہاں! فرمایا: ایک کشتی بغیر بنانے والے کے بن نہ سکے، بغیر چلانے والے کے چل نہ سکے، بغیر کیلیں ٹھونکنے والے کے اس کی کیلیں ٹھک نہ سکیں اور یہ اتنا بڑا جہان جس کی چھت آسمان ہے، جس کا فرش زمین ہے، جس کی فضا میں لاکھوں جانور ہیں، یہ خود بخود بن گیا، خود ہی چل رہا ہے، سورج بھی، چاند بھی، خود ہی چل رہے ہیں، یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ ایک معمولی کشتی جسے انسان بنا سکتا ہے، یہ تو بغیر بنانے والے کے نہ بنے اور اتنا بڑا جہان ہو، انسان کے بس میں نہیں وہ خود بخود بن جائے، تو تمہاری عقل بچوں جیسی ہے یا میری عقل بچوں جیسی؟ میں نادان ہوں یا تم نادان ہو؟

مناظرہ ختم ہو گیا اور بحث تمام ہو گئی اور دہریہ اپنا سا منہ لے کر واپس ہو گیا، اب کیا بحث کرے، جو اس کی بنیاد تھی وہ ساری کی ساری ختم ہو گئی۔ (شمارہ نمبر ۱۱)

ایمان اور دل کی جیب

"دل کے جیب میں ایمان کا سونا ہونا چاہئے ایمان کا جذبہ ہونا چاہئے پھر دنیا کے بازاروں میں سب کچھ ملے گا اور اگر دل خالی کر کے جا رہے ہو جس میں ایمان باللہ نہیں عمل صالح اور پیروی سنت نہیں تو پھر دنیا چاہے کروڑوں کی ہو مگر آپ کے لئے کچھ نہیں خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا۔" (جواہر حکمت)

ایمان سب سے بڑی دولت

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مسلمان کی زبان پر یہ دو جملے بڑے ثقیل ہیں "ایک تو یہ کہ ہم بڑے گنہگار ہیں اور دوسرے یہ کہ ہم دنیا دار ہیں"۔ یہ جملے صاحب ایمان کے لئے بہت ہی نامناسب ہیں تم صاحب ایمان ہو، تمہارا اللہ تبارک وتعالیٰ سے براہ راست تعلق ہے، اس نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایک بات تمہیں بتادی ہے، جو تمہارے دنیا میں بھی کام کی ہے اور آخرت میں بھی، تمہارے پاس بہت بڑا سرمایہ ہے عالم امکان میں تم سے بڑا سرمایہ دار کوئی نہیں۔

سرمائے کی اقسام: دیکھئے سرمائے مختلف قسم کے ہیں، صاحب منصب ہیں، وزارت ہے، صدارت ہے یہ سرمایہ ہے مال و دولت روپیہ پیسہ کا جو صاحب علم ہیں ان کے پاس علم کا سرمایا ہے، الغرض سرمائے مختلف قسم کے ہیں، لیکن سب سے گراں قدر سرمایہ جس سے بڑا سرمایہ عالم امکان میں نہیں وہ صاحب ایمان کے پاس ایمان کا سرمایا ہے، اس کے آگے سارے سرمائے ہیچ ہیں، حقیر اور ناقص ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی سارے سرمائے یہیں رکھے رہ جاتے ہیں، بس یہی ایمان کا سرمایا ہے جو دنیا میں بھی کام آتا ہے اور آخرت میں بھی، بھائی قدر کرو اپنے ایمان کی اور حفاظت کرو اس سرمایہ ایمان کی یہ کہنا کہ ہم بڑے گنہگار ہیں، ہم بڑے دنیادار ہیں، یہ الفاظ بڑے ہی ناقدری کے ہیں، بلکہ گستاخانہ ہیں، ایسا نہ کہو، دیکھو تم صاحب ایمان ہو اور جس پر ایمان لائے ہو اس نے اپنی شان کریمی سے اور شان رحیمی سے اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہر مومن کا ہر گناہ معاف فرما دینے کا وعدہ فرما لیا ہے، صاحب ایمان کے لئے ہمہ وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جس غفور الرحیم اور خداوند کریم پر تم ایمان لائے ہو اور جس سے تمہارا براہ راست تعلق ہے ذرا اس کے ارشاد کریمانہ اور رحیمانہ پر غور کرو وہ اپنے بندوں سے کن الفاظ سے خطاب فرماتے ہیں۔

(اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید مت ہو، بالیقین اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے) تو اس اعلان مغفرت و رحمت کے ہوتے ہوئے تم کیسے نا امید ہو سکتے ہو؟

بشری لغزش کا تدارک

اب رہا یہ کہ نفسانی اور شیطانی وساوس کا آنا، لغزشیں ہو جانا اور گناہوں کا ہو جانا یہ بھی ہماری بشریت ہے، لیکن صاحب ایمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی حفاظت کا سامان عطا فرما دیا کہ چاہے تم سے کچھ بھی ہو جائے لغزش ہو جائے، گناہ ہو جائے، آنکھ بہک جائے، دل بہک جائے، عمل خراب ہو جائے تم صاحب ایمان ہو ایک نہ ایک دن ضرور احساس ہوگا اور پچھتاؤ گے کہ یہ بات ناحق کی، بہت برا کیا یہ گناہ ہو گیا یہ غلطی ہو گئی، جس دن یہ ندامت قلب میں پیدا ہوئی اور آنکھوں سے ندامت کے چند آنسو ٹپک پڑے تو سمجھ لو کہ وہ غلطی معاف ہو گئی، وہ گناہ مٹ گیا، ندامت کے آنسوؤں نے اعمال نامہ سے بداعمالی کی سیاہی کو دھو دیا، اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر ایسا احسان عظیم ہے کہ ایمان کی سلامتی کے لئے اور اس کے تحفظ کے لئے استغفار کا تحفہ عطا فرما رکھا ہے ارے جو کچھ بھی ہو چکا اس پر استغفار کر لو، توبہ کر لو، ہر ایک سے کیوں کہتے پھرتے ہو کہ ہم گنہگار ہیں، جب تدبیر موجود ہے، تدارک موجود ہے تو پھر کیوں اپنی گنہگاری کا اعلان کرتے ہو؟ اس اعلان سے کیا فائدہ، ارے جس کا گناہ کیا ہے اسی سے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ کہو کہ یا اللہ ہم سے فلاں گناہ ہو گیا ہے معاف فرما دیجئے، معافی ہو جائے گی دوسرے سے ناپاکی کا اظہار کرنا کوئی اچھی بات ہے؟ یہ بھی کوئی فیشن ہے، یا تواضع کہ ہر ایک سے کہا جائے کہ ہم بڑے گنہگار ہیں، اچھا اگر تم گنہگار ہو تو کس کے ہو؟ گندہ آدمی کسی کام کا نہیں ہوتا، اس کی کوئی وقعت اور عزت نہیں تم نے یہ کیا محاورہ اختیار کر رکھا ہے کہ بڑے گنہگار ہیں، بھائی اگر گنہگار ہیں تو کیوں توبہ استغفار نہیں کر لیتے؟ کون سی چیز مانع ہے؟

توبہ اور اس کی قوت

اس کیلئے تو آسان سی ترکیب ہے کہ رات کو سوتے وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار

کر کے اس پر شکر ادا کر لیا کرو اور اپنی دن بھر کی کوتاہیوں لغزشوں کا جائزہ لو جہاں جہاں دل بہکا، زبان بھی ان پر استغفار کر لو پاک ہو جاؤ گے، پھر کلمہ شہادت سے ایمان کی تجدید کر لو اور پڑھو:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله. استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیه۔

بس پاک ہو گئے، جب اتنا آسان نسخہ پاکی کا موجود ہے تو اپنے اس اعلان سے کہ ہم گنہگار ہیں کیا فائدہ؟ یہ بڑی ناشکری کی بات ہے اگر اسی پر پکڑ لئے گئے کہ کہتے پھرتے ہو ہم بڑے گنہگار ہیں اور توبہ استغفار نہیں کرتے تو یقیناً سزا ملے گی، سزا سے چھوٹ نہیں سکتے تو عافیت اسی میں ہے کہ گناہ ہو جائے توبہ کرو، پھر گناہ ہو جائے توبہ کرو، پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کرو، عمر بھر یہی کرتے رہو، ارے توبہ و استغفار میں بڑی قوت ہے، اس کی عادت ڈال کر تو دیکھو، گناہوں سے خود بخود نفرت ہو جائے گی۔

سلامتی ایمان

اگر اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتے ہو اور اپنے ایمان کا تحفظ کرنا چاہتے ہو تو کثرت سے استغفار کیا کرو اور اپنے ایمان پر شکر ادا کیا کرو کہ یا اللہ آپ نے اپنی کروڑوں مخلوق میں سے ہم کو ممتاز فرمایا کہ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ (از خطبات عارفی)

ایمان کامل کے لئے چار اہم کام

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے (کسی کو کچھ ہدیہ) دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر محروم رکھا تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

حب فی اللہ

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خاطر محبت رکھنا عبادت ہے اور یہ محبت نیکی کی وجہ سے دین ہو گی سنت کی پیروی کرتے ہوئے دیکھ کر ہو گی اور علم اور عمل کی وجہ سے ہو گی، رشتہ دار ہونا ضروری

نہیں رشتہ داری امیری غریبی سب برابر ہے، بندہ نیک ہونا چاہیئے اس کیساتھ محبت کسی بھی دنیاوی غرض کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہونی چاہیئے۔ ایک حدیث میں آتا ہے، بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ سوچ سمجھ کر دوست بنائے مال و دولت و حسن جمال دیکھ کر دوستی نہیں لگانی چاہیئے بلکہ دینداری اور اتباع سنت کو ترجیح دینی چاہیئے۔

بغض فی اللہ

یعنی اللہ جل شانہ کی خاطر کسی بندے میں گناہ کی بات دیکھ کر دلی محبت نہ رکھنا یہ بھی دین کی خاطر بغض فی اللہ کہلاتا ہے جو کہ عبادت ہے اس مسئلہ کو عام طور پر بہت کم لوگ سمجھتے ہیں دنیا کی خاطر کسی سے لڑائی کرنا گناہ ہے یہ قطع تعلق اور بدسلوکی میں شامل ہے جس کی قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں بغض فی اللہ اور چیز ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر کوئی شخص بدعتی ہے یا گناہ کا عادی ہے یا دوسروں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا قوی اندیشہ ہے ایسے شخص سے اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھنا یعنی دلی محبت نہ رکھنا ضروری ہے جو کہ عبادت ہے بغض فی اللہ کا یہ معنی نہیں کہ وہ ہمارا دشمن بن گیا یا اس سے جنگ حلال ہوگئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف گناہ سے نفرت ہے اور وہ گناہ جس میں پایا جاتا ہے اس سے دلی محبت نہ رکھنا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار کی ذات بری نہیں اس کا گناہ برا ہے۔

اعطیٰ للہ

اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی کو کوئی ہدیہ یا تحفہ از روئے محبت یا بطور صدقہ دینا عبادت ہے، حدیث شریف میں آتا ہے غریب قریبی رشتہ دار کو خیرات کرنے کا ثواب دگنا (ڈبل) لکھا جاتا ہے اس لئے غریب قریبی رشتہ دار کو خیرات و صدقات میں ترجیح دینی چاہیئے بہرصورت کسی کو ہدیہ دینا یا تعاون کرنا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کیلئے ہو تو عبادت ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں صدقہ ہے۔ اس لئے صدقہ دیتے رہنا چاہیئے، اس سے مصیبتیں بھی دور ہوتی ہیں درجات بھی بلند ہوتے ہیں اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔

منع للہ

کسی کو نہ دینا، روک رکھنا اگر تو یہ کنجوسی کی وجہ سے ہے تو گناہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کی خاطر ہے تو عبادت ہے، مثلاً کوئی مانگنے والا مانگتا ہے جبکہ اس کے پاس ایک دن رات کے کھانے پینے کا سامان ہے پھر اس کو دینا جائز نہیں کیونکہ اس کا غلط پیشہ اس سے بڑھتا ہے، اس کے مانگنے سے پہلے اس کو دے دیں یا اس کی غربت معلوم ہونے کی وجہ سے اس کو خود پہنچا دیں تو ثواب ہوگا اسراف اور شرعی ضرورت کے بغیر خرچ کرنا گناہ ہے، ایسی جگہ سے روک رکھنا منع للہ میں داخل ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کی نیت سے روکے یہ چار کام جو کوئی برضائے حق کرے گا اس کا ایمان کامل اور مکمل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین

ایمان کی کسوٹی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ اس ارشاد گرامی سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہونا" اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت درجہ عشق میں ہو تو ایمان کا دعویٰ قبول ہوگا ورنہ نہیں۔

اب عشق و محبت کے معیار سے متعلق قرآن کریم کا فیصلہ سنئے، سورہ عنکبوت کی پہلی آیت کا ترجمہ ہے" کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ اور ہم تو ان لوگوں کو آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا"۔

اس دستور الٰہی کے متعلق کبھی آپ نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا کیا امتحان لیا اور اس امتحان میں ہم کیسے رہے؟ یا ہر امتحان میں فیل ہی ہوتے رہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دعویٰ کیسے قبول ہوگا؟

ایمان کا معیار

یہ کیسے معلوم ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ پوری دنیا کی بہ نسبت زیادہ محبت ہے یا نہیں؟ یہ معلوم کر لینا بہت آسان ہے اس کا معیار اور کسوٹی سمجھ لیجئے وہ معیار یہ ہے کہ جب دو محبوبوں کا حکم آپس میں متضاد ہو، یعنی ایک پر عمل کرتے ہیں تو دوسرے کے خلاف ہوتا ہے، دوسرے پر عمل کرتے ہیں تو پہلے کے خلاف ہوتا ہے، ایک محبوب کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو دوسرا محبوب ناراض ہوتا ہے تو ایسے موقع پر انسان جس کے حکم کی تعمیل کرے گا اور جس کی رضا کو مقدم رکھے گا، گویا اس کو اس کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔

ذرا اپنے قلوب کو اس معیار پر لائیے، تجسس کیجئے ٹٹولئے اور پھر انصاف سے بتائیے کہ کیا واقعۃً آپ کو پوری دنیا کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مقابلہ میں بیوی کا تقاضا کچھ اور ہے؟ والدین کا، بہن بھائیوں کا، بہنوں کا دوسرے اعزہ واقارب، احباب اور حکام کے مطالبے کچھ اور ہیں، ان حالات میں اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں تو ان کے ساتھ محبت اور ان پر ایمان کا دعویٰ قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں، پوری دنیا راضی ہے یا ناراض کچھ بھی ہو جائے ہر حال میں دل کا تقاضا یہ رہے فکر اس بات کی رہے کہ کہیں محبوب حقیقی ناراض نہ ہو جائے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر دنیا بھر کی رضا کو قربان کر دے اور کسی ناراضی کی کوئی پرواہ نہ کرے۔

اسی طرح جو گناہوں کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایک طرف اور اس کے مقابلہ میں نفس کا حکم دوسری طرف، نفس یہ مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں گناہ کرو، فلاں گناہ کرو، مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ کبھی ان گناہوں کے قریب بھی نہ جاؤ، اس موقع پر اگر آپ نفس کا تقاضا پورا نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، محبوب کو راضی رکھنے کے لئے مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس کے تقاضے کو پورا نہیں کرتے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ محبت اور ایمان کا دعویٰ صحیح ہے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انسانوں کی تقسیم کردی، بعض وہ ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت غیر سے زیادہ محبت ہے اور دوسرے وہ ہیں کہ ان کو پوری دنیا کی بہ نسبت اللہ سے زیادہ محبت ہے، بس صرف دو ہی قسمیں ہیں، اب ہم سوچ لیں کہ ہم کس قسم میں داخل ہیں، قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا کہ ایمان وہی قبول ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ سب سے زیادہ محبت ہو، ایمان بنانے کے لئے درج ذیل نسخوں کا استعمال بہت مفید ہوگا۔

1- غور و فکر و محاسبۂ نفس

روزانہ اس معیار پر لاکر اپنے نفس کو دیکھتے رہنا چاہئے محاسبہ کرتے رہیں سوچتے رہیں کہ کیا واقعۃً آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے نفس کے تقاضوں کو قربان کر رہے ہیں؟ اگر ایسا ہو رہا ہے تو یہ ایمان قبول ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور اگر اس کے برعکس آپ نفس کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا حکم چھوڑ دیتے ہیں تو ایمان قابل قبول نہیں، اس کو صحیح کرنے کی کوشش کیجئے۔ کبھی کبھی نفس کو مخاطب ہو کر کہیں، ارے کمبخت! تو کیسے برے برے تقاضے کر رہا ہے، میں تیری خاطر مالک کو ناراض کردوں، تیری خاطر جنت کی نعمتیں چھوڑ دوں؟ تیری خاطر جہنم میں جاؤں، میں تیری خاطر اپنی عاقبت برباد نہیں کرسکتا، جب تک آپ نفس کے محاسبے کی عادت نہیں ڈالتے اصلاح نہیں ہوسکتی۔

2- ایک مختصر دعا

ہر نماز کے بعد تین بار مانگ لیا کریں۔ اللھم انا نستعینک علی طاعتک

"یا اللہ ہم تیری اطاعت پر تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں جب تک تیری دستگیری نہیں ہوگی ہمارے اندر ہمت پیدا نہیں ہوسکتی، ہم کمزور ہیں، ہمارے مقابلے میں نفس و شیطان اور معاشرہ و ماحول غالب ہے، یا اللہ ان کے مقابلہ میں تیری اطاعت پر، تیری نافرمانیوں سے بچنے پر تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

3-اصلاحی اشعار: جہاں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی آنے لگے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوکر انہیں پڑھنا شروع کردیجئے۔

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری | جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

خطرہ ہو تو اس وقت ان اشعار کو پڑھنا شروع کردیں۔

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہئے | مدنظر تو مرضی جاناں چاہئے
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ | کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا نہ چاہئے

اسی طرح جب غیر اللہ کی طرف دل متوجہ ہونے لگے تو یہ شعر پڑھے۔

دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل
سج رہا ہے ماہ خوباں کیلئے دربار دل

یعنی اس دل میں غیر کیلئے کوئی جگہ نہیں، یہ دل تو صرف اللہ کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی محبت عطا فرمائے جو تمام محبتوں پر غالب آجائے۔ آمین بجق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

عجیب ایمان کس کا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ عجیب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد میں آئیں گے نہ رسول ان کے سامنے نہ معجزے ان کے سامنے نہ ان کے سامنے وحی اتر رہی ہوگی بلکہ رکاوٹ وموانع اتنے ہوں گے کہ کوئی ایمان میں شک ڈال رہا ہے کوئی اسلام سے ہٹانے کی کوشش کررہا ہے کوئی دل میں تردد پیدا کررہا ہے کہیں کفار کہیں منافقین کہیں نفس کے جذبات ہزاروں رکاوٹیں موجود اور دواعی جو تھے ایمان کے کہ وحی اور رسول کا سامنے ہونا وہ ہے نہیں پھر بھی ایمان پر جمے ہوئے ہیں تو ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ (جواہر حکمت)

علاماتِ ایمان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو تو تم مومن ہو۔" (مسند احمد)

تشریح:۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے تو اس کے دل کو فرحت و مسرت ہو اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کو رنج و غم ہو جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے سمجھنا چاہیے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

تکمیلِ ایمان کی شرائط

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اس نے چکھا اور اس کی لذت اُسے ملی جو اللہ کو اپنا رب' اسلام کو اپنا دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

تشریح:۔۔۔ اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوت ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے لیکن وہ ان ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی و رسول اور

اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو اور اللہ کی بندگی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور طریقہ اسلام کی پیروی کو ان کے دل نے اپنا لیا ہو یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ دلی لگاؤ ہو۔ اسی حدیث میں "رضا" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو یہ نصیب نہیں' یقیناً ایمانی لذت وحلاوت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی جائیں گی۔ ایک یہ کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو' دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا' صرف تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لیے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ' اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مؤمن تب ہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے تمام دوسرے آدمیوں سے حتیٰ کہ اپنے ماں باپ' اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔ (شرح السنہ)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبویؐ کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

"ھَوٰی" (یعنی خواہشات نفس) اور "ھُدیٰ" (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ھویٰ کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباع ھدیٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ ھویٰ کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) ھدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے) تابع کر دیا جائے اور جس نے ھدیٰ کو چھوڑ کر ھویٰ کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا تو گویا خود ہی اس نے مقصد ایمان کو پامال کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہ بس اللہ ہی کے لیے کسی سے تمہاری محبت ہو اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد میں لگائے رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا' اور یہ کہ

دوسرے لوگوں کیلئے بھی وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے اور چاہتے ہو اور ان کے لیے بھی اُن چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح:...... حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب ہی نصیب ہوگا جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لیے دوستی اور دشمنی' دوسرے زبان کا یاد الٰہی میں مشغول رکھنا' تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لیے چاہے وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لیے نہ چاہے وہ کسی کیلئے نہ چاہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا اور نہ دیا (جس کو منع کرنا اور نہ دینا عنداللہ بہتر سمجھا) تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔ (رواہ ابوداؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے حرکات و سکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الٰہی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لیے جوڑتا ہے اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لیے توڑتا ہے جس کو دیتا ہے اللہ ہی کے لیے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے روکتا ہے' غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال و حرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا' یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں اور بجز رضاء الٰہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ اس کے اعمال و افعال کے لیے نہ رہے' الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "بتلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے؟) ابوذر نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ (لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ارشاد فرمائیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے باہم تعلق و تعاون اور اللہ کے واسطے کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض و عداوت۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال و احوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو خواہ موالات ہو یا ترک موالات، محبت ہو یا عداوت، وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبے سے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لیے اور اسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو، کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلا دوں کہ اگر اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے، وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔" (رواہ مسلم)

تشریح: اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لیے بھی چاہے اور جس چیز کو اپنے لیے پسند نہ کرے اس کو کسی دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت و مودت ہو، اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات و ثمرات سے بے نصیب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف و خطرہ نہ ہو۔ (ترمذی، نسائی)

تشریح:...... اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ کے ایذا رسانی کا ذکر اس لیے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبان کی اسی حدیث کی روایت میں "مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ" کے بجائے "مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ" وارد ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پر امن اور بے آزار ہونا چاہیے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذا اور رسانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا امن و راحت سے محروم ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "وہ شخص مومن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔" (شعب الایمان)

تشریح:...... یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپروا ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے اور سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شان ایمان کے بالکل منافی ہے۔

(ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگان خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد، داری)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسن اخلاق پر ہے۔ پس

اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسن اخلاق کمال ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ لہٰذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا اسی کی نسبت سے اس کے اخلاق بلند ہوں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو لیکن اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کے اسلام کی خوبی اور اس کے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو" (رواہ ابن ماجہ، ترمذی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایہ دیا گیا ہے وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے بلکہ صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے۔ یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے اور یہی ایمان و اسلام کا مقصد ہے اس لیے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اور اس کے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بداخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں۔ اس حقیقت کو جنہوں نے سمجھ لیا ہے بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے پہلے کسی اُمت میں بھیجا تو اس کے کچھ حواری اور لائق اصحاب ہوتے تھے جو اس کے طریقے پر چلتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے

تھے۔ پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے نالائق پسماندگان ان کے جانشین ہوتے تھے اور ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے اور خود وہ کام نہیں کرتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ لانے کے جو کام وہ نہیں کرتے تھے ان کے متعلق لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم کرتے ہیں گویا اپنی مشیخت اور اپنا تقدس قائم رکھنے کے لیے وہ جھوٹ بھی بولتے اور جن کاموں کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو کرتے تھے (یعنی اپنے پیغمبر کی سنتوں اور اس کے اوامر و احکام پر تو وہ عامل نہ تھے مگر وہ معصیات و بدعات جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو خوب کرتے تھے) تو جس نے ان کے خلاف اپنے دست و بازو سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے (بدرجہ مجبوری) صرف زبان ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے (جہاد باللسان سے بھی عاجز رہ کر) صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا (یعنی دل میں ان سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ و غضب رکھا) تو وہ بھی مومن ہے لیکن اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (مسلم)

تشریح:۔۔۔۔۔ حدیث کا مطلب اور اس کی روح یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے جانشینوں اور نام لیواؤں میں جو غلط کار اور بدکردار ہوں جو دوسروں کو تو اعمال خیر کی دعوت دیتے ہوں لیکن خود بے عمل اور بدعمل ہوں ان کے خلاف حسب استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو اس کا دل ایمان کی حرارت اور اس کے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے۔ "لَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ" کا یہی مطلب ہے اور اگلی حدیث میں اسی کو "اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" (ایمان کا ضعیف ترین درجہ) فرمایا گیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے ناخلف اور نالائق جانشینوں کے خلاف جہاد کا جو حکم ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو درست کرنے کی اور صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے اور اگر اس سے مایوسی ہو تو ان کے برے اثرات سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لیے ان کی جھوٹی مشیخت اور ان کے موروثی اثر و اقتدار کو ختم کرنے کی جد و جہد کی جائے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور وقوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی سے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... اس سے پہلی حدیث میں ایک خاص طبقے کی بدکاری اور بدکرداری کے خلاف حسب استطاعت جدوجہد کو لازمہ ایمان قرار دیا گیا تھا اور اس حدیث میں ہر برائی اور ہر شرارت کو روکنے اور اس کو بدل ڈالنے کی بقدر استطاعت سعی وکوشش کا عام حکم فرمایا گیا ہے اور اوپر والی حدیث کی طرح یہاں بھی اس کے تین درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱...... اگر طاقت واقتدار حاصل ہو اور اس کے ذریعہ اس برائی کو روکا جا سکتا ہو تو طاقت استعمال کر کے اس کو روکا جائے۔

۲...... اگر طاقت واقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے تو زبانی افہام وتفہیم اور پند ونصیحت ہی سے اس کو روکنے کی اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳...... اگر حالات ایسے ناموافق ہیں اور اہل دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھا جائے اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھا جائے جس کا فطری نتیجہ کم از کم یہ ہوگا کہ دل اللہ تعالیٰ سے اس کے مٹانے کی دعا کرتا رہے گا اور تدبیریں بھی سوچا کرے گا...... اس آخری درجے کو حدیث میں "اَضْعَفُ الْاِیْمَان" فرمایا گیا ہے...... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان کا وہ آخری کمزور درجہ ہے کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ ایمان کا ہے ہی نہیں۔ یہی بات پہلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی تھی۔

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اس کے سامنے اس

قسم کی ہوں جو زور وقوت سے روکی جا سکتی ہوں تو اگر اس کو کم زور وقوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر زور وقوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی افہام وتفہیم سے کام لے اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اس کے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو کہ "جس میں امانت کی خصلت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین و ایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے کیونکہ امانت اور ایفائے عہد ایمان واسلام کے لوازم میں سے ہیں...... جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جا چکا ہے۔ اس طرح کی حدیثوں کا مقصد و منشاء یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا اور اب اس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اس کے نور سے بے نصیب ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا اور بے جان ہے۔

ایمان کا مطلب

انبیاء علیہم السلام کی اطلاع پر اعتماد کر کے مانا جائے۔ مثلاً جنت ونار وفرشتوں کا وجود پل صراط میزان اور قیامت وغیرہ تو یہ ساری چیزیں نہ عقل سے مدرک ہوتی ہیں نہ محسوسات سے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے فرمانے پر اعتماد کر کے ان کو مانا جاتا ہے۔ اور یہ غائب ہیں لیکن جب یہ چیزیں سامنے آ گئیں تو ایمان بالغیب نہ رہا کیونکہ قیامت میں جب کفار جنت وجہنم کو دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوگا کیونکہ وہ ایمان بالغیب نہیں ہوگا بلکہ ایمان بالشاہد ہوگا اور وہ غیر مقبول ہے۔ (جواہر حکمت)

قلب کا بہترین مصلح ایمان ہے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شریعت نے دل کی اصلاح کے لئے ایمان رکھا ہے۔ اس لحاظ سے ایمان کا محل بھی قلب انسان ہے۔ اللہ ورسول کی محبت بھی دل کے اندر آتی ہے۔ یہی محبت آدمی سے عمل کراتی ہے۔ دل کے اندر جذبے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی جذبے کے مطابق انسان چلتا ہے تو اولاً ایمان قلب انسانی پر وارد ہوتا ہے۔ وہاں سے وہ ترقی کر کے دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے۔ اس کی تاثیر سارے بدن پر پہنچتی ہے تو پھر ہاتھ بھی مومن بن جاتا ہے اور کان بھی مومن بن جاتا ہے اور سب اعضاء میں ایمانداری پیدا ہو جاتی ہے اگر دل میں بے ایمانی گھسی ہوئی ہو تو ہاتھ پیر بھی بے ایمان ہوں گے اور بے ایمانی کی حرکتیں کریں گے اور دماغ بھی بے ایمان ہو جائے گا۔ سوچے گا تو بے ایمانی کی باتیں سوچے گا اس لئے کہ دل کی نیت خراب ہے چنانچہ دل کو اصل قرار دے کر انبیاء اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اس کے اندر نور و چمک پیدا کریں تا کہ اس کے اندر عالم غیب کی چیزیں روشن ہو جائیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قلب پر ایمان وارد ہو اور قلب چونکہ پاک ظرف ہے اس لئے اس میں پاک چیز یعنی ایمان داخل ہوتا ہے اور پھر عمل بھی ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوشی ہے تو چہرے پر بھی خوشی کے آثار ظاہر ہوں گے چونکہ خوشی درحقیقت قلب کی صفت ہے مگر چہرے سے نظر آتی ہے۔ دل میں اگر غم بھرا ہوا ہے تو چہرے سے معلوم ہو جاتا ہے دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ آج تم بڑے غمگین نظر آتے ہو حالانکہ غم چھپی ہوئی چیز ہے وہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں ہے چونکہ دل کا اثر چہرے پر پڑتا ہے تو ہر جاننے والا جان لیتا ہے کہ یہ غم زدہ ہے اور واقعی وہ غم زدہ ہوتا ہے۔ تو غمی وخوشی محبت وعداوت اور کرنا نہ کرنا یہ

چیزیں انسان کے قلب سے متعلق ہیں اگر دل درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں اگر دل خراب ہے تو اس کی وجہ سے سب چیزیں خراب ہیں اور اسی وجہ سے ہاتھ پیر پر اثر پڑتا ہے اور وہ اثر جو قلب پر وارد ہوتا ہے وہ متعدی ہو کر اعضاء و جوارح پر طاری ہوتا ہے اچھا ہو یا برا۔

ملک الموت کے نزع روح کی کیفیت

حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی آدمی کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے اور ملائکہ نزع روح کرتے ہیں تو ہاتھوں کو اور پیروں کو سونگھتے ہیں اور دماغ کو اور دیگر بدن کو بھی سونگھتے ہیں اور ایمان کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہیں۔ دل میں اگر ایمان ہے تو ہاتھ پیر میں بھی اس کیا اثرات رچے ہوئے ہوتے ہیں ہاتھوں کو بھی سونگھتے ہیں کہ ان میں بھی ایمان کی خوشبو ہے یا نہیں اصل خوشبو کا مرکز تو دل ہے مگر اعضاء پر اس کے اثرات پہنچ جاتے ہیں جیسے خوشبو کا مخزن تو باغ ہے اور پھول ہے مگر کپڑوں سے بھی خوشبو آنے لگتی ہے اور باغ والی خوشبوؤں کے اثرات سے جہاں جہاں ہوا پہنچے گی وہ شے معطر ہوتی چلی جائے گی۔ بہر حال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دل اصل ہے اس کو درست کیا جائے اور اس کی درستگی کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان رہتا ہے قلب کے اندر اور اس کے اثرات ہاتھ پیر پر عمل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ایمان کا محل قلب اور اسلام کا محل اعضا ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ دل ایمان کی جگہ ہے اور ہاتھ پیر اسلام کی جگہ ہیں۔ ایمان چھپی ہوئی شے ہے جو دل میں رہتا ہے اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے جو ہاتھ اور پیروں پر آتا ہے آپ نے نماز پڑھی ہاتھ پاؤں سے پڑھی۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی مگر اس فعل کا سرچشمہ قلب کے اندر ہے۔ اگر اس میں جذبہ عقیدت کا محبت کا اور اللہ کی چاہت کا پیدا نہ ہوتا تو کبھی نماز نہ پڑھتے معلوم ہوا کہ اصل میں نماز پڑھنے والا دل ہے لیکن عمل کی صورت ہاتھ پیر پر ظاہر ہوتی ہے۔ ایمان کا محل دل ہے اس کے اثرات جب ہاتھ پاؤں پر آتے ہیں تو وہ اسلام بن جاتے ہیں چونکہ ایمان پوشیدہ شے

ہے اور اسلام ظاہر شے ہے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ الایمان سر والاسلام علی
نیۃ کہ ایمان چھپی ہوئی چیز ہے جس کو دل لئے ہوئے ہے اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے
جو ہاتھ پاؤں پر ظاہر ہوتی ہے تو وہی اندرونی شے جب تک چھپی رہتی ہے اسے ہی
ایمان کہتے ہیں اور وہی شے جب ہاتھ پاؤں پر آتی ہے اسے اسلام کہتے ہیں۔

ایمان کے معنیٰ اور اس کی حقیقت

ایمان کے معنیٰ کیا ہیں؟ اور کس طرح سے ہمارے اندر آتا ہے؟ اور اس کے آثار کیا
ہیں؟ اور کیسے پہچانا جائے؟ تو سنئے! ایمان کی حقیقت ہے محبت اگر اللہ کی محبت کامل ہے
تو کہیں گے کہ اس کا ایمان کامل ہے اور نبی کریمؐ کی محبت دل میں رچ گئی ہے تو کہیں گے کہ
ایمان آگیا اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ جو لوگ
ایمان لائے ہیں ان میں اللہ کی محبت اور عشق سرایت کئے ہوئے ہے۔ اگر عشق و محبت نہ ہوتا
تو ایمان کبھی نہ آتا۔ اگر نبی کریمؐ پر ایمان لائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کے رگ وپے
میں حضورؐ کی محبت بس گئی ہے اور اللہ کی محبت جم گئی ہے۔ تو محبت درحقیقت ایمان کا دوسرا نام
ہے ایمان نہیں محبت نہیں محبت نہیں تو ایمان نہیں۔ اصل چیز اللہ و رسول کی محبت ہے یہی چیز
ایمان بناتی ہے۔ یہی اعتقاد قائم کرتی ہے۔ اسی کو فرمایا نبی کریمؐ نے کہ لایؤمن احدکم
حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین کوئی بھی تم میں مومن
نہیں بنے گا جب تک کہ قلب میں میری اتنی محبت نہ ہو کہ اس کو اتنی نہ اپنے ماں باپ کی اور
نہ اولاد سے محبت ہو اور نہ کسی اور سے اتنی محبت ہو۔ بغیر حب نبی کے ایمان کامل نہیں ہوتا۔

ایمان ومحبت کے آثار وعلامات

علامت اس کی یہ ہے کہ ایک طرف تو ہے اولاد کی محبت ایک طرف اللہ ورسول کی
محبت ہے جب ٹکرا جائیں تو اللہ ورسول کی محبت کو اختیار کرے اولاد کی محبت کو چھوڑ دے یہ
علامت ہوگی کہ واقعی محبت رسول موجود ہے اگر آدمی نے اولاد کی محبت کو اختیار کیا اور
رسول کی محبت کو چھوڑ دیا تو کہا جائے گا کہ رسول سے محبت نہیں بلکہ اولاد سے محبت ہے

تو ٹکراؤ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کون سی محبت غالب ہے مثلاً آپ لحاف میں آرام سے پڑے ہوئے ہیں بڑی خوشگوار نیند آرہی ہے اچانک مؤذن نے آواز دی حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح دوڑو نماز کی طرف تو دوڑو کامیابی کی طرف۔ آپ نے اس کو لبیک نہیں کہا تو کہیں گے کہ نفس کی محبت غالب ہے اور اگر آرام چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور وضو کیا اور مسجد میں گئے نماز پڑھی تو کہیں گے کہ محبت خدا اور رسول غالب ہے تو ٹکراؤ کے وقت آدمی جدھر مائل ہوتا ہے اسی طرف کی محبت کا حکم لگا دیا جاتا ہے تو حضور فرماتے ہیں کہ تم مومن نہیں بن سکتے جب تک میری محبت اولاد ماں باپ وغیرہ سب کی محبت سے غالب نہ ہو جائے کہ جب ماں باپ کی محبت میری محبت سے ٹکرائے تو مجھے اختیار کرو ماں باپ کو چھوڑ دو اور جب میری محبت اولاد کی محبت سے ٹکرا جائے تو مجھے اختیار کرو اولاد کی محبت کو چھوڑ دو یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام میں محبت نبوی اتنی غالب تھی کہ آپ ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو صحابہ نے بھی اس محبت کی وجہ سے وطن چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا۔ عزیز و اقارب چھوڑے جائیدادیں چھوڑیں اور اللہ کے رسول کیساتھ ہو لئے مکہ میں ساری تجارتیں ترک کیں اور مدینہ میں غربت کی زندگی اختیار کی ان کو کس چیز نے مجبور کیا؟ یہ اللہ و رسول کی محبت ہی تو تھی اس محبت کی وجہ سے عیش و آرام کا سب ساز و سامان ترک کیا مفلس و قلاش ہو کر رہنا گوارہ کیا مگر خدا و رسول کو چھوڑنا گوارہ نہیں کیا۔

ایک ایمان افروز واقعہ

حدیث میں ایک واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ غزوہ بدر میں تین سو تیرہ صحابی شریک تھے ان میں صدیق اکبرؓ بھی موجود تھے حضرت صدیقؓ کے چھوٹے بیٹے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے بعد میں ایمان لائے وہ اس غزوہ میں کفار کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے ایمان لانے کے بعد ایک روز صدیقؓ اکبر سے عرض کیا کہ ابا جان غزوہ بدر کے موقع پر کئی موقعے ایسے آئے کہ آپ بالکل میری زد پر تھے اگر میں وار کرتا تو آپ بچ نہیں سکتے تھے مگر میں نے سوچا میرے باپ ہیں کس طرح ان پر حملہ کروں تو میں ایک طرف کو ہو گیا یہ بات بیٹے نے باپ سے کہی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اچھا یہ موقعے آئے ہیں کہ میں اور تو

آمنے سامنے آگئے تھے۔ بیٹے نے کہا کہ ہاں فرمایا کہ مجھے خبر نہ ہوئی اگر تو میری زد پر آتا تو سب سے پہلے تجھے قتل کرتا اس واسطے کہ تو دشمن تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور رسول کی محبت کے مقابلے میں اولاد کی محبت کوئی چیز نہیں ہے اس لئے اگر تو میری زد پر آتا تو میں پہلے تجھے قتل کرتا وہ کفر کی بات تھی یہ ایمان کی بات ہے۔

محبت کے بدلے آدمی اپنے کو بیچ دیتا ہے

معلوم ہوا کہ ایمان جب کسی کے دل میں گھر کر جاتا ہے اور محبت غالب آ جاتی ہے تو اپنے کو اس کے بدلے فروخت کر دیتا ہے۔ پھر اس محبوب کی ہر ادا سے محبت ہو جاتی ہے اس کے مقابلے میں نہ اولاد سے محبت رہتی ہے اور نہ ماں باپ کی محبت کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ سب کم محبتیں ختم ہو جاتی ہیں ہیں اور ایک ہی محبت غالب آتی ہے۔ صحابہ کرام نے ہجرتیں کیں جائیدادیں چھوڑیں تجارتیں ترک کیں۔ یہ سب رسول کی محبت کا نتیجہ تھا۔ ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہ کی اس لئے کہ رسول کی محبت غالب تھی تو پہلا حق نبی کریم کا یہ ہے کہ محبت ہو۔ محبت نہیں تو ایمان نہیں' ایمان نہیں تو پھر اسلام بھی نہیں تو بنیادی چیز ی محبت ہے اسی واسطے محبت پر زور دیا گیا ہے۔ یہی صحابہؓ کا طریق تھا اور یہی بعد میں اہل اللہ کا طریق رہا ہے یہ قاعدے کی بات ہے کہ جس شخص کی محبت غالب ہوتی ہے اس کی ساری ادائیں محبوب بن جاتی ہیں اس کا چلنا پھرنا بھی محبوب بن جاتا ہے اور اس کا لباس بھی محبوب بن جاتا ہے اس کا ذکر اور چرچا بھی محبوب بن جاتا ہے۔ فقط محبوب سے ہی محبت نہیں ہوتی بلکہ اس کے نام سے جو چیز منسوب ہو جاتی ہے اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔

عشق کامل پر مجنوں کا واقعہ

کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ لیلیٰ کے مکان کی اینٹ اینٹ کو چومتا پھر رہا ہے کسی نے کہا احمق تو یہ کیا کر رہا ہے اینٹوں میں کیا رکھا ہوا ہے اور اینٹوں کو چومنے سے کیا فائدہ ہے اس نے دو شعر میں جواب دیا۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ   اقبل ذالجدار واذالجدار

کہ میں لیلیٰ کے مکان پر جب گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس اینٹ کو چومتا ہوں کبھی اس دروازے کو چومتا ہوں کبھی اس دہلیز کو چومتا ہوں اور کیوں چومتا ہوں۔

وما حب الديار شغفن قلبي ولكن حب من نزل الديارا

مجھے ان اینٹوں سے محبت نہیں ہے وہ جو ان اینٹوں میں بیٹھی ہوئی ہے اس سے محبت ہے اس کی وجہ سے ان اینٹوں سے محبت ہوگئی ہے۔ اس کے کتے سے بھی محبت ہوگئی ہے۔ اس کی بلائیں لینے کو بھی تیار ہوں تو جب محبت ہوتی ہے تو ایک محبوب ہی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ جو چیز اس کے نام سے لگ جاتی ہے وہ بھی محبوب بن جاتی ہے۔

مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر شے محبوب ہوتی ہے

چونکہ آپ کو محبت ہے نبی کریم سے تو گنبد خضرا بھی محبوب ہوگا۔ اس کی زیارت کو آپ عبادت سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ایک آنکھ گنبد پر پڑ جائے تو دنیا و آخرت کی سعادت مل جائے وہ کیوں؟ اس لئے کہ گنبد خضرا خود محبوب نہیں بلکہ اس میں جو آرام فرما ہیں اصل میں وہ محبوب ہیں۔ چونکہ اس گنبد پر نام لگ گیا ہے ان کا اس لئے وہ بھی محبوب ہوگیا گنبد تو پھر قریب ہے مدینے سے محبت ہے۔ شعراء کو دیکھو تو مدینہ کی تعریف کرتے ہیں اور نعتیہ کلام میں مدینے کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ مدینہ تو صرف ایک شہر ہے جیسے ہمارے یہاں شہر ہے۔ یہ شہر زیادہ خوب صورت ہے وہ شہر اتنا بھی خوبصورت نہیں مگر پھر بھی محبت ہے اصل میں محبت ہے اللہ و رسول سے اس وجہ سے گنبد خضرا بھی محبوب ہوا اس محبت کی وجہ سے مسجد نبوی بھی محبوب ہوئی اسی محبت کی وجہ سے مدینہ بھی محبوب ہوا تو سلسلہ بسلسلہ ہر چیز تک محبت پہنچ جاتی ہے۔ آپ بیت اللہ شریف کی اینٹ اینٹ کو چومتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ بیت اللہ کے مقام پر تجلی ربانی اتری ہوئی ہے۔ اصل محبت اللہ سے ہے چونکہ بیت اللہ کی اللہ تجلی گاہ ہے اس لئے اس سے بھی محبت ہوگئی ہے اور وہ اینٹیں اس سے منسلک ہیں۔ اس لئے اس کی اینٹ اینٹ سے محبت ہوگئی ہے اور جب خانہ کعبہ محبوب ہوا تو پوری مسجد حرام بھی محبوب ہوگئی

اور اس کی محبت ظاہر ہوئی اس طرح پر کہ آپ اس کی عظمت کرتے ہیں اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں جب مسجد حرام محبوب ہوئی تو مکہ محبوب بن گیا کہ وہ شہر پڑوس ہے اس مسجد حرام کی لہذا وہ شہر بھی محبوب بن گیا اور چونکہ حجاز میں واقع ہے تو ہم حجاز مقدس کہتے ہیں کیونکہ سارے حجاز سے محبت ہوگئی ہے اور جب حجاز سے محبت ہوگئی ہے تو حجاز کے جتنے باشندے ہیں ان سے محبت ہوگئی یہ پڑوسی ہے اس کا لہذا یہ بھی محبوب ہے تو جب آدمی کے دل میں محبت آتی ہے تو فقط ایک محبوب ہی محبوب نہیں رہتا ہے بلکہ محبوب کی ساری ادائیں محبوب بن جاتی ہیں۔ چال ڈھال بھی محبوب لباس بھی محبوب کھانے کا طرز بھی محبوب رہن سہن کا طرز بھی محبوب۔ وہ تمام چیزیں محبوب بن جاتی ہیں جو محبوب کی پسندیدہ اور محبوب ہیں۔

تمام چیزوں کا سرچشمہ محبت ہے

بنیادی چیز محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے جب دل میں اللہ و رسول کی محبت آ جائے گی تو ہاتھ پاؤں پر بھی اسکے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالح بھی صادر ہوں گے اور اگر دل میں محبت نہیں تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اسلام بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے مسلم نام تو ہوں گے کام مگر اسلام کے نہیں ہوں گے جب دل میں ایمان ہوگا جب ہی کام کا اسلام ہوگا اس لئے ہمیں نام کے مسلمان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کام کے مسلمان ہونا چاہئے دل میں محبت رچی ہو اور ہاتھ پیر پر عمل ہو یہی عمل شہادت دے گا کہ ایمان ایک چیز ہے جو اندر چھپی ہوئی ہے۔

ایمان دعویٰ ہے اعمال اس کی دلیل ہیں

جب قیامت کے دن آدمی اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کرے گا تو اس سے دلیل طلب کی جاوے گی کیونکہ کوئی دعویٰ بلا دلیل کے قابل سماعت نہیں ہوتا ہے اس بناء پر اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے ایمان کا ثبوت کیا ہے وہ کہے گا کہ میں نے نمازیں پڑھی ہیں روزے رکھے ہیں۔ زکوۃ دی ہے حج کئے ہیں یہ ثبوت ہوگا ایمان کا پھر اس کی نجات ہوگی اگر آپ نے اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کیا اور دلیل طلب کی گئی مگر وہاں نہ نماز ہے نہ روزہ ہے نہ زکوۃ ہے نہ حج تو یہ دعویٰ بلا دلیل کے رہ جائے گا وہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ اس کی گردن ناپی

جاوے گی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب کی جاوے گی کہ تم جھوٹ بولتے ہو تمہارے اندر ایمان کہاں ہے اگر ایمان ہوتا تو اس کے آثار ہاتھ پیر پر ظاہر ہوتے۔ حالانکہ کوئی اثر ظاہر نہیں اس لئے کہ اندر کچھ نہیں لہذا انتہائی ذلیل ہوگا اور کہا جائے گا کہ اپنے کئے کو بھگتو پھر وہاں کی سزائیں دی جائیں گی۔ مصیبتوں میں مبتلا کیا جاوے گا اس لئے جب دعویٰ ہو تو اس کی دلیل بھی مہیا ہونی چاہیے۔ طاعت' عبادت' اتباع سنت' حضور کی پیروی ہونی چاہیے آگے قبول کرنا نہ کرنا مالک کا کام ہے۔ مگر ہمیں ثبوت مہیا کر دینا چاہیے اور اس ثبوت پر ناز نہ ہو کہ میں نے اتنی عبادت کی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ میں نے کچھ نہیں کیا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

یحییٰ بن اکثم کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی

یحییٰ بن اکثم بہت بڑے عالم گزرے ہیں امام کے درجے کے عالم ہیں جب ان کی وفات ہوئی تو بعض اہل اللہ نے انہیں خواب میں دیکھا اور خواب بھی کشف جیسا تھا۔ یہ دیکھا کہ ان کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے یحییٰ کیا چیز لیکر آئے ہو ہمارے لئے۔ جواب دیا کہ اے اللہ تعالیٰ میں نے بچپن حج کئے ہیں۔ فرمایا ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے باری تعالیٰ میں نے ایک سو باون قرآن ختم کئے ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یا اللہ میں نے اتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ پوری زندگی کے اعمال ذکر کئے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ایک بھی قبول نہیں کیا اور بتاؤ کیا لے کر آئے ہو۔ آپ عاجز ہو گئے۔ آخر میں کہا کہ اے اللہ بس تیری رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ لے کر نہیں آیا۔ فرمایا کہ اب بات تو نے ٹھیک کہی ہے۔

وجبت لک رحمتی میری رحمت تیرے لئے واجب ہوگئی ہے۔ جا تیرے لئے جنت اور مغفرت ہے تو عمل کے ساتھ ساتھ رضا خداوندی اور رحمت خداوندی کی توقع اور امید بھی ہونی چاہئے۔ اعمال پر گھمنڈ اور ناز نہیں ہونا چاہئے۔ جس عمل میں محبت کی آمیزش اور رحمت کی امید نہ ہو وہ عمل قابل قبول نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اصل چیز

محبت ہے پھر اس کے بعد عمل کا مرتبہ ہے اور اس محبت سے ہی عمل پیدا ہوتا ہے۔ عمل ہی محبت کی علامت ہے اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دل میں محبت ہے یا نہیں۔

مومن کو جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہوگی

آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے من احبنی فقد اطاعنی ومن اطاعنی کان معی فی الجنۃ جو مجھ سے محبت کرے گا وہ میری اطاعت بھی کرے گا اور میری سنتوں کی پیروی بھی کرے گا اور جو میری سنتوں پر چلے گا وہ میرے ساتھ بھی ہوگا جنت میں وہ میرے سے الگ نہیں رہے گا۔ آپؐ نے بنیاد قرار دیا ہے محبت کو کہ مجھ سے محبت کرنا علامت ہے اس بات کی کہ وہ میری اطاعت کر رہا ہے اور میری اطاعت کرنا علامت ہے اس بات کی کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے مگر محبت پہچاننے کی علامت اطاعت ہے اور اتباعِ سنت ہے جب یہ ہوگی تو معلوم ہوگا کہ محبت میں سچا ہے اس لئے فرمایا آپؐ نے لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن کامل نہیں بن سکتا جب تک کہ میری اس آدمی کو اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی اس کو نہ اپنے ماں باپ سے ہو نہ اپنی اولاد سے ہو نہ اپنے سامان سے ہو نہ اتنی محبت اس کو اپنے عزیز و اقرباء سے ہو جب دو محبتوں کا ٹکراؤ ہو تو ترجیح دے میری محبت کو تو کہا جائے گا کہ یہ مومن کامل ہے تو معلوم ہوا کہ اصل شے محبت ہی ہے۔ (خطبات طیب)

ایمان کی نشانیاں اور مومن کی صفات

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں۔ (مستدرک)

تشریح:۔عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھا اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ پر چلنا مشکل تھا اس لئے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لئے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدانخواستہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان و اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفنن نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجاز و شاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حقیقتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے پس نماز اور حیاء میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیاء ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرۂ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔

مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو مینار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے جس کی بناء پر وہ اس کے صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان و شعب اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا اور اک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہوگا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل اور پھر سمجھانے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لئے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور و خوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانہ دل میں جمع کرتا رہے۔

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمال ظاہرہ میں کیا گیا ہے اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہو گئی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہر صورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لئے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگرچہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ پس زیر عنوان احادیث کا منشاء یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان و اسلام کا وجود کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مومن کیلئے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان و اسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان و اسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ

ان علامات کو اپنے قلب و قالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر و باطن ایمان و اسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہو جاتا ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین

عبداللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سوا معبود اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ سال ادا کی اس کے بعد انہوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا فرمایئے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو۔ (طبرانی)

ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ علماء کو قول فی النفس اور قراءت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لئے اس

حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے بعض لوگ اس کے معنی صرف عقلی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔ یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گذر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت وشہادت کا فرق باقی نہ رہے۔ اس کا تصور اس درجہ غالب آ جائے کہ ہر وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آ رہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ ومبرا ہے اسی طرح اتنا مجرد بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمع وبصر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو۔ یہاں واقعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمیع وبصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیر نظر رہنی چاہیے۔ تمہاری یہ چیخ وپکار پتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لیے تم اس ادب ومتانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمیع وبصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تمہاری لسانی حرکت کا منشاء صرف اس مضغہ لحمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔ جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ مومن کامل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آ جاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیر وزبر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس مومن کی شان یہ ہو جاتی ہے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ" یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لیے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی وہ

پورے مطمئن نظر آئیں گے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر پر کھڑا تھا اس خطرناک موقعہ پر آپ کے لئے موجب اطمینان جو تسلی بخش تصور تھا لا تحزن ان اللہ معنا۔ یعنی اے رفیق غار تم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کر رہے تھے۔ ان معی ربی سیھدین۔

مشتبہ امور کو ترک کر دینا

نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو ان میں مبتلا ہو گیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے اردگرد چرا تا رہے۔ قریب ہے کہ اس کے جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں۔ خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل رزرو اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رزرو کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔ خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگرچہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے۔ جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا اس نے دیندار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت و محبت کا معاملہ مشتبہ کر دیا اور ایک حد تک انہیں نکتہ چینی کرنے کا حق دے دیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھلائی اس نے اپنی دینی شخصیت

صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔
تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لئے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے...... کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لئے اتقاء من الشبہات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ تورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لاشریک لہ کی محبت کے سواء کسی غیر کی محبت کی سمائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضامندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لئے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیات شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق وشوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشات نفسانی کا گرفتار رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح وفساد کا مدار بادشاہ کے صلاح وفساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح وفساد کا مدار قلب کی صلاح وفساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لئے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں "لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبه" کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اللھم انی اسالک قلبا سلیما اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو۔ آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب و مجاہدہ کے بغیر ہنگامہ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ شرک و کفر کی خوفناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک و صاف گذر جاتے کہ ان کے دامنِ اعتقاد میں شک و شبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چبھتا۔
عالم کے موحد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل سے انہوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کر دیا "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ
خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔ اگر قلب ماسواء اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انجا درجہ کا رہ ہو جائیگا، جوارح انسانی ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس و حرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں۔
(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے۔ حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں۔
(۲) قرآن و حدیث نے اگرچہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیان و توضیح کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال و حرام تو ایسے ہیں جو خواص و عوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہو سکتا ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے

اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں ایسا شبہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جا سکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہئے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہئے اس قسم کے مقامات پر حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۳) ہر چند کہ میدان شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محل شبہ ترک کر دے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔

ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائیں واپسی میں ان کے رخصت کرنے کے لئے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ ادھر سے گذرے تو آپ نے ان کو ٹھہرا لیا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہؓ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کے بناء پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کر دیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال

ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقامات تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گذر جائے تو اس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں رہتی اس لئے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گذرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلوم ص ۱۵۱) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگرچہ دراصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا بھی مستحسن امر ہے۔

نیکی پر اطمینان اور گناہ پر خلش ہونا

نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

وابصہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو جس بات پر دل ٹک جائے وہ تو نیکی کی بات سمجھو اور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھو اگرچہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد و دارمی)

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و

ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواس خمسہ میں اشیاء ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسہ فطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور برے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا حاسہ فطرت بھی اوامر الٰہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیات شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بناء پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا

سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیات الٰہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں۔

(۲) اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے۔

لیکن جب فطرت انسانی کچھ خارجی اسباب کی بناء پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور شدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یہ انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ وسفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے، حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے۔ یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے۔ یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لئے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۳۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ "وکرهت ان يطلع عليه الناس" اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو، کسی امر کے گناہ ہونے کی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں۔ پس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو، اب اگر کسی حیلے سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہوگی۔ اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو۔ اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوم نمبر کی علامت یہ ہے کہ مفتی اگرچہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے۔ (جامع العلوم ص ۱۸۲)

خلاصہ یہ ہے کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث کے تصریح کردہ احکام میں بھی اسی معیار کو بدرجہ اولیٰ سمجھنا چاہئے۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ.

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے

ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلا شبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتووں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار لیکن اگر مفتی کے پاس دلیل شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف چند یا اجماع کی بناء پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آ جائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں۔ اس مفتی کا فتویٰ اور فطری نور اسی جگہ کارآمد ہوتا ہے جہاں حدیث و قرآن کا نور موجود نظر نہ آئے۔ جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

پانی جب نظر آ جائے تو تیمم باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "فتوحات مدینہ ما را از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ" (فتوحات مدینہ مکیہ سے بے نیاز کر دیتی ہیں) سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے۔

مشکوک بات کو چھوڑنا

حضرت حسنؓ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کرو جس میں تمہیں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ (ترمذی ونسائی)

احتیاط کا مقام

عبداللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تاکہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔

سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے ہم ان کی اصل عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کے لئے مناسب ہے جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع وتقویٰ کا معیار بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرمات کا ارتکاب کرے اس کے بعد باریکیاں نکال نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو اس کیلئے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر حالت احرام میں مچھر ماردے تو اس کی کیا جزاء دینی چاہئے۔ آپ نے فرمایا حضرت حسینؓ کو تو شہید کر ڈالا اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔ اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کی والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دیدے اب اسے کیا کرنا چاہئے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق ادا کر چکا ہے اور اس کی فرمانبرداری میں اس معاملہ کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دیدینی چاہئے اور اگر ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دینی چاہئے۔ (جامع العلوم)

نیکی سے خوش اور بدی سے غمگین ہونا

ابو امامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بُری معلوم ہو بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مومن ہے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ یہ حدیث بھی انسان کے حاسہ فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسہ فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسنہ اور سیئہ کا صحیح صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے سامنے بھلے بنا دیئے گئے ہوں اور اس لئے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسہ فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسہ فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزئین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ پس اب مابہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہئے کہ سیئہ اور حسنہ کے بیان کی جو اصل قرار داد دین ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہئے اور اگر اس کے خلاف ہے تو وہ یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہئے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مومن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم مادیت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اسکی روحانیہ کے ہے پس

جب بالواسطہ کیفیات کا احساس یہ ہو تو جو کیفیات بلا واسطہ اس کی روحانیت پروار د ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہئے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ بُرا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں کی زبان سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے بُرا کام کیا ہے تو (جان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام بُرا ہی کیا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ طبرانی)

تشریح:۔ اس حدیث میں صرف حسن جوار (ہاندی) کی تعلیم دینا مقصود ہے انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لئے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقع کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور کا مدار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر حسن جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ حدیثوں کا طرز خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے۔ لوگ اس طرز خطاب کو بھی اپنے دور فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقام جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لئے کھڑا ہوا ہوں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائیگا اور نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لئے آمادہ ہو گا۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اُسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہئے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں

دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا، تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہئے کیونکہ شیطان (آ کر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مومن ہے۔ (مشکل الآثار)

ابو رزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ کیسے سمجھوں کہ اب میں مومن ہو گیا، آپ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مومن ہے۔ (احمد۔ طبرانی)

تشریح:۔ اس حدیث میں احساس حسنہ اور احساس سیئہ کے ساتھ ایمان وایقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگا دینا کتنا مناسب ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کر لے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں۔ (ابن ماجہ۔ دعوات کبیر)

تشریح:۔ دراصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہے اور ان کی امت کے لئے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کر کے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لئے دست بدعا ہوتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سیئہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے۔

نمازوں کیلئے مسجد کی پابندی

ابو سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو

دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لئے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ الخ مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا اطلاق ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لئے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت واستطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کرے۔

یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت المقدس کی طرف پڑھیں۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ لوگوں کے ذمہ خدائے تعالیٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے۔ اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہاں سے بے نیاز ہے۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا، وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لیکر گیا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خاص علامت سمجھی جاتی تھی

اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آ گئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ ادا کی اس نے اس کا ثبوت دیدیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دیکھتا ہوا نکلتا ہے۔

نقاب چہرے سے خورشید جب اٹھاتا ہے — کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے — تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے
علی الصباح جو مردم بکار و بار روند — بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

طہارت کی نگہداشت

ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ (مالک۔ احمد)

تشریح:۔ نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے بچی پہچان اسی لئے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں مومن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ اور نماز کی استقامت میں جتنی وضو کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لئے یہ کام تو کسی کامل ہی مومن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی باوضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضو وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بناء پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ مسلمان کے لئے سب سے بہتر مال چند بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

مقداد بن اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین ناسمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دیندار ہیں وہ ان میں شرکت کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لاپرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کرکے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا، جب بھی ان کے دور میں فتنوں نے منہ نکالا اگر وہ ان کو کچل نہیں سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر بے دین اس میں مبتلا ہو بھی جاتے تو کم از کم دینداروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دینداروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا دین بھی کھو بیٹھے۔ واللہ المستعان. امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لئے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مومن کے ایمان پر اثر انداز ہوگی۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاد باللسان اور بالسنان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جبکہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے حق و باطل کی تمیز باقی نہ

رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا الٹا فساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحابہ کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کیلئے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ قاتلوهم حتى لا تكون فتنة. کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لئے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ اپنی مادی اور روحانی طاقت کا اندازہ کئے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لئے پہلے سامان مہیا کر لینا عقل اور شریعت کا حکم ہے۔ جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے۔

ایمان کی چند دیگر علامات

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول کی امان ہے سو تم اللہ کے عہد نہ توڑو اس کی امان کے بارے میں۔" (بخاری)

تشریح:۔۔۔۔۔۔ اس حدیث کا مقصد سمجھنے کے لیے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انہوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے اور آپ کا مقصد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ جتلانا ہے کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی

علامتیں دیکھو کہ وہ اسلامی طریقے پر نماز پڑھتا ہے اور نماز میں قبلۂ مسلمین کی طرف ہی رُخ کرتا ہے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھو اور اس کے جان و مال کو اللہ اور اس کے رسول کی امان میں سمجھو یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بدگمانی کی بناء پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے بلکہ اس نے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے' اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو' بہرحال اس حدیث کا مقصد اسی بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصد حدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا' قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلاف اسلام عقائد وخیالات رکھے اور خواہ کیسے ہی کافرانہ ومشرکانہ اعمال کرے' بہرحال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

دراصل اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے اور ایمان واعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

ایمان کی جانچ

ابتداء سے لے کر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف دو ہی چیزوں کی جانچ ہے وہ یہ کہ ہر عمل میں ایمان کا دخل ہو اور ہر عمل میں اتباع کا دخل ہو۔ ایمان میں کمی آئی شرک پیدا ہوا۔ اتباع میں کمی آئی بدعت پیدا ہوئی اور یہ دونوں چیزیں دین کے فساد کی ہیں۔ (جواہر حکمت)

ایمان کے تقاضے اور لوازم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کمال) ایمان (ویقین) کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سے افضل شعبہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ہلکا شعبہ یہ ہے کہ تکلیف دہ چیز کو (چلنے کے) راستے سے ہٹا دیا جائے اور حیاء بھی ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے (اور حیاء سے مراد ایمان کی وجہ سے آدمی میں پیدا ہونے والا وہ وصف ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم دلاتا ہے اور روکتا ہے اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی کو صفت احسان حاصل ہو جائے کیونکہ اس بات کے استحضار سے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں یا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم کرے گا۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: مذکورہ بالا حدیث میں ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبوں کا ذکر کیا جن میں صرف عقائد ہی نہیں بلکہ اکثر اعمال واقعال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب ایمانیات کے تقاضے اور لوازم ہیں اور ان کو کرنے سے خود ایمان کو رونق اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نقایہ میں وہ تمام باتیں جمع کی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں ایمان کہا گیا ہے۔

(۱) اللہ کی ذات وصفات پر ایمان اور عالم کے حادث ہونے پر ایمان (۲) اللہ کے فرشتوں پر ایمان (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے رسولوں پر ایمان (۵) تقدیر پر ایمان (۶) قیامت کے دن پر ایمان (۷) اللہ کے ساتھ محبت (۸) اللہ کے لیے کسی سے محبت (۹) اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھنا (۱۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت (۱۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا اعتقاد رکھنا۔ اس میں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور آپ کی سنت کا اتباع کرنا شامل ہے (۱۲) اخلاص (اس میں نفاق اور ریاء سے بچنا بھی آ گیا) (۱۳) توبہ کرنا (۱۴) اللہ کی پکڑ سے خوفزدہ ہونا (۱۵) اللہ کی رحمت کی اُمید رکھنا (۱۶) اللہ کا شکر ادا کرنا (۱۷) وعدہ پورا کرنا (۱۸) مصائب پر صبر کرنا (۱۹) اللہ کی قضا پر راضی رہنا (۲۰) حیاء (۲۱) توکل (۲۲) دوسروں پر رحم کرنا (۲۳) تواضع وعاجزی اختیار کرنا (۲۴) تکبر سے بچنا (۲۵) عجب سے بچنا (۲۶) حسد اور کینے سے بچنا (۲۷) ناحق غضب سے بچنا (۲۸) توحید الٰہی کا اقرار کرنا (۲۹) تلاوت قرآن (۳۰) دین کا علم سیکھنا (۳۱) دین کا علم سکھانا (۳۲) دعا کرنا (۳۳) ذکر و استغفار کرنا (۳۴) لغو باتوں سے بچنا (۳۵) ظاہری اور حکمی نجاست سے پاکی حاصل کرنا (۳۶) ستر عورت (۳۷) فرضی و نفلی نمازیں پڑھنا (۳۸) زکوٰۃ اور صدقات دینا (۳۹) غلام آزاد کرنا (۴۰) سخاوت کرنا (۴۱) فرضی و نفلی روزے رکھنا (۴۲) اعتکاف کرنا (۴۳) لیلۃ القدر کی جستجو کرنا (۴۴) حج کرنا (۴۵) عمرہ کرنا (۴۶) طواف کرنا (۴۷) دین کی حفاظت کے لیے نقل مکانی کرنا (۴۸) نذر پوری کرنا (۴۹) کفارہ ادا کرنا (۵۰) نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کرنا (۵۱) عیالداری کے حقوق ادا کرنا (۵۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک (۵۳) اولاد کی تربیت (۵۴) صلہ رحمی (۵۵) بزرگوں کی اطاعت کرنا (۵۶) غلاموں پر نرمی کرنا (۵۷) حکومت عدل و انصاف کے ساتھ کرنا (۵۸) مسلمانوں کی اجتماعیت کی پیروی کرنا (۵۹) حاکموں کی اطاعت کرنا (۶۰) لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا (۶۱) نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا (۶۲) حدود کو قائم کرنا (۶۳) جہاد کرنا (۶۴) امانت ادا کرنا (۶۵) قرض دینا اور واپس کرنا (۶۶) پڑوسی کا اکرام کرنا (۶۷) معاملات جائز طریقے سے کرنا (۶۸) حق جگہ پر مال خرچ کرنا (۶۹) سلام کا جواب دینا۔ (۷۰) چھینکنے والے کو الحمد للہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا (۷۱) لوگوں سے تکلیف ونقصان کو دور کرنا (۷۲) لہو سے اجتناب کرنا (۷۳) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا (۷۴) جو حکومت حق ہو اس کے خلاف بغاوت یعنی ناحق خروج کرنے والوں سے لڑنا۔

احتیاط اور ہوشیاری

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا نہیں جاتا۔ (احمد۔ بخاری و مسلم وغیرہما)

تشریح:۔ امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابو غرہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لئے بغیر اس کو رہا فرما دیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا۔ تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آ گیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے۔ مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لئے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقعہ میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے ونقل ابن وھب عن تفسیرہ فقال الرجل تقع فی الشئ یکرھہ فلا یعود فیہ المعتصر ص ۲۰۵۔

سادگی و شرافت

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایماندار آدمی بھولا، سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مستدرک)

دانائی اور مردم شناسی

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کی فراست اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی ذالک الخ اس میں بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کے لئے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مومن میں نبی کی قوت عاقلہ کا ایک فیض ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

اما تشبہ کہ در جزء علمی نفس ناطقہ دہند بایں وجہ تواند بود کہ کسے را از امت محدث و ملہم کنند وایں معنی بدو طریق تواند بود ـــــ دوم آنکہ فراست صادق او را نصیب کنند و عقل او را از حظیرۃ القدس تائیدے دہند کہ غالباً اصابہ کند در مجتہدات خود واز لوازم ایں معنی است کہ وحی بر حسب رائے او نازل شود۔

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث و ملہم کا منصب عنایت فرمادیں اس کے دو طریقے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرمادیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۳۳)

شاہ صاحب کی اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مومن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمرؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اگر آپ کی قوت عاقلہ اتنی بلند نہ ہوتی تو آپ کے ہم جلیسوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے فراست کی یہ تشریح فرمائی ہے۔ یعنی فراست ایسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالیہ اور مقالیہ قرائن کی مدد سے سچے اور منافق میں تمیز کر لیتا ہے اور بدخواہ لالچی اور مخلص و خائن اور پست ہمت و بلند ہمت کا امتیاز کر لیتا ہے اور اپنی اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل و فہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔

غرض اس سے مومن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہیم ہونے کی حقیقت واضح ہوگئی لہٰذا کسی صالح مومن کو اس کی سادہ لوحی کی بناء پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کاسد کو آخرت کی بے بہا دولت پر قربان کر دیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی یہی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیار فہم کیا بنایا جائے۔ البتہ جو لوگ

اس سطحی ذہنیت سے نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیار فہم بنایا جا سکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیار فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانشمند اور مسلمانوں کو سفیہ کا لقب دیدیا تھا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔ سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنہوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانشمندوں کو بیوقوف سمجھا۔ منافقین کی فہم یہ تھی کہ وہ اپنی دورخی پالیسی سے دوطرفہ نفع حاصل کرنے کی طمع میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاش حق کے لئے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آ جاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا و رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔ قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانشمندوں کو سفہاء قرار دیا ہے وہاں احکام اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا۔

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے ان کے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب کچھ ابتداء ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آ رہا ہے اور تعجب کیا ہے جبکہ رسولوں کے حصہ میں مجنون اور ساحر کا لقب رہا ہو، مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے

ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بناء پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔ خدارا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنئے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے وہ بولا اس ذات کی قسم جس کے سوا معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اچھا بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آ جانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آ سکتا کہ وہ اس کا واسطہ دیکر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے وہ متحیر ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو، بہر حال خدائے تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آ جائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ نقشۂ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہئے۔ ایک وقت یہ اغماض قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مناطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاق فاضلہ کا ایک اثر ہے دراصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت

میں ان کی اتباع کے ثمرہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے۔ ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازہ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جھلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

مومن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ آ کر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا ابوہریرہ کہاں گئے تھے میں نے اصل ماجرا عرض کر دیا آپ نے ازراہ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مومن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ ابوہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات سمجھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی، قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مومن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لئے آپ نے مومن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مومن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں۔ نجاست سے جتنا دور رہنا ممکن ہو بہتر ہے مومن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک و صاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ (دارقطنی)

تشریح:۔ اس حدیث میں بھی مرد مومن کی اسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دیدیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لئے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

نرم مزاجی اور ہر دلعزیزی

مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا اونٹ جدھر اس کو گھسیٹا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھادیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ امام احمدؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا۔ اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ اس کی اسناد میں ایک راوی ابوخلف ہے اس کو متروک کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کرکے الگ ہو جائیں۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکر محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد۔ حاکم۔ بیہقی)

حارثہ بن وہبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو، کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔
اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شدت طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا کو وہ شدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسر منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دیدیتے۔ بہرحال مومن کا وجود صفحہ عالم پر قدرت کی صناعی کا وہ عجیب تر مجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت شدت ولین، سادگی وفہم، زہانت و بذاقت اور فصاحت وکم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گذشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی دون ہمتی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دیدیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا کم ہمت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہر وقت (خدمت دین کے لئے) تیار ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو پچھلے حصہ میں ڈال دیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی بخوشی اپنی ڈیوٹی کو پورا کرے (غرض نہایت مطیع مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمح نظر ہو) (بخاری شریف)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔ (مسلم)

تشریح:۔ علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولین تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر کو نسبۃً جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔ چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر عمر گذار دیتے ہیں، روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاش رزق میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آ گئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مومن کے قلب کا نام ہے (انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے) (مسلم)

تشریح:۔ نہایہ میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت وکرم کی محرک ہوتی ہے اس لئے وہ انگور کو کرم کہہ دیتے تھے۔ آپ نے اس غلط اشتقاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہہ دیا گیا ہے جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہہ دیا جائے۔ زمخشری اس کی شرح میں یوں رقمطراز ہیں کہ یہاں دراصل انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ.

تو اس کا حق ہونا چاہئے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سواہ کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تاکہ ذہنوں میں یہ بات نقش کالحجر ہو جائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہیں اور کرم کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمانداروں کو باہم رحمدلی، باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب۔ ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کے لئے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہئے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لئے فرمایا کہ اس طرح)۔ (متفق علیہ)

سہل بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی جماعت میں ایماندار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہئے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسا درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایماندار آدمی کو بھی اور مومنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا مومن ہے جو اپنا تو پیٹ بھر لے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ بے حسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے برا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہئے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لئے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بنانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت و اجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب وتشتت کی۔ اسی لئے قرآن کریم نے جب صحابہ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت و تحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی ایسی وحدت و اخوت کہ اگر یہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف

کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کو پیر کے کانٹے کی چبھن مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتہ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔

یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد و اتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرما دی۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى.

آپ تو ان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔

اس کے بعد اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہی اخوت ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق و تشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللھم الف بین قلوبنا و اصلح ذات بیننا.

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائیگی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتہ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں تعجب ہے کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نعمت اخوت صرف عطاء ربانی ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔

اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں

میں ایسی الفت ومحبت پیدا نہ کر سکتے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈال دی ہے۔

گناہوں سے ڈرنا

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مومن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس سے گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑا دی۔ (بخاری شریف)

اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرنا

حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کر سکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھالینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

تشریح:۔ صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آسکی وہ فطرۃً ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے آکر ان کو احساس کمتری سے اور بھی دور کر دیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں پھنسنا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مومن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق یہود کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے سمجھ رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور غرور سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندہ سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

تشریح:۔ جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہئے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کے فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ و استغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں کیوں نہ پیارا ہو یہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ و استغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادم و شرمسار رہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت سے تخم جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

احکام اسلامی کی پابندی کرنا

ابوسعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو اور ادھر اُدھر پھر پھرا کر آخر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آ جاتا ہے اسی طرح مومن سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے آخرکار وہ پھر کر ادھر ہی آ جاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔ (احمد)

تشریح:۔ یعنی مومن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسے گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جا سکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں علیحدہ ہو سکتا ہے۔ سہو و نسیان کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا ادھر ہی پڑتا ہے۔ حریت کیسی اور آزادی کہاں۔

ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گذار رہنا

سعد بن ابی وقاصؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا حال بھی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آ جاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔فراخی وتنگی اور صحت ومرض کے ہر حال میں اسی فراخ سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد ومحمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہئے۔ وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نہ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور نہ مصیبت میں حمد وشکر بجالائیں۔

صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے، یہ مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آ جائے تو وہ شکر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

نرم دلی

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو اہل یمن آ گئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں، ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوایئے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آ نکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنو تمیم نے تو بشارت قبول نہ کی لو تم اسے قبول کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بسر و چشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا "جئنا لنتفقہ فی الدین" ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں۔ الخ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انہیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انہوں نے قبول کر لی اور اپنے آنے کا جو زریں مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک تفقہ فی الدین یعنی دین کی

طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے تکان وجہ ابشارت نبویہ کو لپک لیجانے سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور علو استعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقت قلب سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بالمقابل قلبی قساوۃ ہے وہ یہ کہ نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوۃ اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ دیکر سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے، دین کی فہم کے لئے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور خشیۃ الٰہی سے وہ یکسر خالی ہو جائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب قاسیہ ہیں جو سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ تاثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رقت ولین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اعضاء و جوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو، نرم مزاج، شیریں طبیعت، صاحب محبت و مروت اور ہر کس و ناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتی کہ مسلمانوں کے لئے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رقت ولین کے اثرات کا ذکر ہے۔

پاکیزہ زبان ہونا

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے شایان یہ مناسب ہے کہ وہ ہر وقت لعن طعن کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی۔ بیہقی)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایان شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرما رہے تھے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر وقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم)

تشریح:۔ لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہو سکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانون شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہو سکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدائے تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء و صالحین کی شفاعت کا صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لئے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لئے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لئے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں

آپ کو باہم اسباب افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مضرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مضرتوں کو۔ اس لئے شریعت اپنی نظر حقیقت میں کے مطابق ان اسباب و اثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بین ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوت اتحاد اور باہمی اسباب منافرت کا ترک کرنا ہے۔ اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہے۔ ان کو سمجھنے سمجھانے کے لئے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراک عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پاجانے کے بعد تمہارا اپنایا ہوا فلسفہ۔ بلا تعب و مشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

صفوان بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا، کیا بخیل ہو سکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہو سکتا ہے۔ فرمایا جی نہیں۔ (مالک۔ شعب الایمان)

تشریح:۔ حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اس لئے بزدلی اور بخل اگرچہ مذموم صفات ہی مگر ہے غیر اختیاری۔ اس لئے اگر ایک مومن میں بہادری نہ ہو یا حقوق اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہو سکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لئے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دروغگوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رخی کا طالب ہے اس لئے دورخا پن اسلام و ایمان کے ساتھ نبھ نہیں سکتا۔ اس لئے مومن نہ خیانت کا عادی ہو سکتا ہے نہ دروغ گوئی کا۔

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

عبداللہ بن جواد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت یہ ہو کہ جب بات کہے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لئے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمایئے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا انہوں نے جواب دیا۔ راست گوئی، اداء امانت اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطاء)

عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلمبند کر لیتے ہو حالانکہ آپ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیار اعتدال سے اتری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف وخطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے توانا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق بھی ہوتا ہے سبحان اللہ! وہ دہن مبارک بھی کتنا مقدس دہن ہوگا جس میں مذاق اور غصہ کے بشری حالات میں بھی ملکی خلق کی صفات موجود رہتی تھیں جب تک خدائے برحق کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ رکھے اس وقت تک کسی بشر کے لئے مقام صدق وصفا کی منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ متکلم کی نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یارسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایماندار ہو جاتا ہے اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے فرمایا جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدود شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلہ شر کے آخر میں دوزخ۔ پس کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہئے نہ کسی شر کو معمولی ترمذی میں سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آ جائے یا کما

الذین امنوا کونوا مع الصادقین اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور یہ اس لئے کہ صدق و کذب کی طرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمہ خیر زبان سے کہدے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچادے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں، لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لئے، اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضامندی کے لئے۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لئے ایسی ذو معنیین بات کہدینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ سچ ہو اس کا نام توریہ ہے۔ پس توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں مما یقول الناس انہ کذب" کے لفظ میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں بھی صرف تین مقامات کا استثناء کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف کوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لئے مشہور ہے:۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نوویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لئے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہوگا اس لئے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو یہ جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس

ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا جائے یہ اس وقت ہے جبکہ توریہ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کر لے۔ (مختصر کتاب الاذکار ۱۶۲)

سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی ذو معنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ توریہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنے مراد لے لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لئے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر توریہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تو یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے حاجت بات ہے اس لئے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لئے ہو تو مباح ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مبالغہ اگرچہ فی نفسہ کذب میں شمار نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آ سکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا۔ مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگرچہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقعہ پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا، زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے آیہ یعلم خائنۃ الاعین میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں امانت سما جاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مومن کی رگ و پے میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مومن نہیں کہلاتا اسی لئے حدیث میں ہے۔ لا ایمان لہ لمن لا امانۃ لہٗ۔

اچانک قتل کرنے سے بچنا

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں مومن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ مومن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ قتل کرنا کوئی کار ثواب نہیں اور اچانک قتل کر ڈالنا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر کی کوئی تمیز نہ ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے۔ مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا۔ بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اڑادے اگرچہ وہ ایک ہزار بار بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آ کر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے۔ وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا۔ جب حالت جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بیباک ہو سکتی ہے صحابہ کرام کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہادوں میں جو تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں کہتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوئی تو وہی تلواریں نکالے سے بھی باہر نہ نکلتی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو بغور پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جوابدہی کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

مومن مرد کا مومنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔ (مسلم)

تشریح:۔ حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دیدیا ہے گویا اس سے تغافل برتنا مومن کی شان ہی

نہیں ہوسکتی اور اس کی تسلی کے لئے یہ موثر اور مختصر اصول بتادیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لئے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہئے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مومنہ کا مصداق رہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

ایمان کی تکمیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔ (بخاری)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم کو اپنے اچھے عمل سے خوشی ہو اور بُرے کام سے رنج اور قلق ہو تو تم مومن ہو۔

مؤمن کون ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں۔

میں نے کہا یا رسول اللہ کون مومن نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے خوف زدہ رہتے ہوں۔ (بخاری)

کمال ایمان کی علامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہوسکتے۔ جب تک کہ تم میں باہمی محبت نہ ہو۔ کیا میں

تم کو ایک ایسی بات نہ بتلادوں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں بھی باہمی محبت پیدا ہو جائے اور وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔ (مسلم)

ایمان اور اسلام کا خلاصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین نام ہے "خلوص اور وفاداری کا"۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کیساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب کیساتھ اللہ تعالیٰ کے رسول کیساتھ مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

ایمان کا آخری درجہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور اور قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی کوشش کرے) اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان ہی سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی میں برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

ایمان کی لذت

جب کسی چیز کی لذت انسان کے دل میں اتر جاتی ہے تو اس کے مقابلہ میں وہ ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں آئے دن اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ کسی کو کرسی کی "چسک" لگتی ہے تو وہ لاکھوں روپے الیکشنوں میں پھونک دیتا ہے۔ کسی کو دولت کی "لت" لگتی ہے تو وہ ہر آرام اور راحت کو خیر آباد کہہ کر صرف اور صرف "روپیہ" کے حصول میں سرگرداں نظر آتا ہے اور راستہ کی ہر تکلیف کو ہنسی خوشی گوارا کر لیتا ہے اور کتنی ہی اسے مشقت اٹھانی پڑے مگر وہ اپنے راستہ سے ہٹنا گوارا نہیں کرتا۔ کچھ اسی طرح بلکہ اور آگے کا معاملہ ایمان کی لذت کا بھی ہے کہ جب ایمان کی چاشنی اور حلاوت کسی کو نصیب

ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس حلاوت اور لذت کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنے سے جدا کرنا برداشت نہیں کرتا اور اس کی نظر میں یہی چیز تمام دنیا اور اس کی دولت سے زیادہ قیمتی بن جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ روم کی طرف سفر جہاد میں تشریف لے گئے۔ اتفاق سے رومیوں نے آپ کو لشکر سمیت گرفتار کرلیا اور آپ کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہے۔ نصرانی بادشاہ نے نصرانیت قبول کرنے کی پیشکش کی کہ اگر آپ اسے مان لیں تو میں اپنی حکومت میں آپ کو شریک کرلوں گا۔ بادشاہ کی پیشکش پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بے نیازی اور جرأت سے جواب دیا کہ:

"اگر آپ ساری دولت اور عرب کے تمام خزانے مجھے دیکر یہ چاہیں کہ میں پلک جھپکنے کے بقدر بھی اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے پھر جاؤں تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا"۔

بادشاہ نے کہا پھر میں آپ کو جان سے مار ڈالوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "آپ جانیں" چنانچہ بادشاہ نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا اور تیر اندازوں کو ہدایت دی کہ وہ آپکے ہاتھ پیر کے قریب قریب تیر چلاتے رہیں (تاکہ آپ کو دہشت زدہ کردیں) اس درمیان آپ پر نصرانیت قبول کرنے کا زور ڈالا جاتا رہا۔ مگر آپ برابر انکار کرتے رہے اور سولی اور تیر اندازی سے قطعاً مرعوب نہ ہوئے۔ پھر آپ کو سولی پر سے اتار دیا گیا اور بادشاہ نے ایک دیگچے میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ جب پانی خوب گرم ہوگیا تو بادشاہ نے ایک مسلمان قیدی کو بلوا کر دیگچے میں ڈلوادیا منٹوں میں وہ جل بھن کر سیاہ ہوگیا۔ پھر حضرت عبداللہ سے نصرانیت اختیار کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نے انکار کیا تو بادشاہ نے آپ کو بھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ کو دیگچے کی طرف لے جایا جانے لگا تو آپ رونے لگے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ شاید اب موت سے ڈر کر آپ اسلام چھوڑ دیں گے۔ اس لئے آپ کو واپس بلایا اور نصرانیت کی دعوت دی۔ مگر حضرت نے صاف انکار کردیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ "پھر آپ کیوں رو رہے تھے" اس پر

حضرت عبداللہ نے جو جواب دیا وہ اسلام کی روشن تاریخ میں آب زر سے نقش ہوگیا۔ ملاحظہ کیجئے۔ اور ایک صحابی رسول کی ایمانی قوت پر سر دھنئے۔ آپ نے برملا فرمایا:

"مجھے اس پر رونا آرہا ہے کہ آج میرے پاس ایک ہی جان ہے جو اللہ کی راہ میں جلائے جانے کو تیار ہے۔ کاش کہ میرے بدن کے ہر ہر بال میں ایک ایک جان ہوتی اور ان سب کو اللہ کی راہ میں اسی طرح جلایا جاتا"۔

اس مضبوط ایمان کو دیکھ کر نصرانی بادشاہ کا دل نرم ہوگیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری پیشانی چوم لیں تو میں آپ کو رہا کر سکتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ سارے مسلمان قیدیوں کی رہائی کے عوض میں آپ کی شرط مان سکتا ہوں اور جب بادشاہ نے سب مسلمان قیدیوں کی رہائی کا یقین دلایا تو حضرت عبداللہ نے بادشاہ کی پیشانی کا بوسہ لے کر پورے لشکر کو چھڑا لیا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ کو اتنی مسرت ہوئی کہ فرمایا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حضرت عبداللہ کی پیشانی چومے۔ پھر خود آگے بڑھ کر اپنے مبارک ہونٹ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کی پیشانی پر رکھ دیا۔ (شعب الایمان)

اس واقعہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ قوت اسی لئے تھی کہ وہ ایمان کی لذت وحلاوت سے پوری طرح آشنا ہو چکے تھے۔ آج ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اس لذت وحلاوت سے آشنا ہو۔ یہ ہماری بنیادی ضرورت ہے جس کے حصول کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کو ایمانی حلاوت کے حصول کی علامت قرار دیا ہے۔

(۱) انسان کی نظر میں اللہ اور اس کے رسول کی ذات کائنات کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو جائے۔ (جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کوئی کام اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف نہ کرے)

(۲) وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے خدا واسطے کا بے لوث تعلق رکھے۔

(۳) اور وہ اپنے لئے کفر کو اسی طرح ناپسند کرے جیسے آگ میں جلنے کو ناپسند سمجھتا ہے۔ (مسلم شریف)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ تینوں علامتیں کامل طریقے پر موجود تھیں اور آج کے معاشرہ میں ان تینوں باتوں سے لاپروائی برتی جارہی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جائزہ لے کہ وہ ان علامتوں پر کہاں تک پورا اترتا ہے اور کہاں تک کوتاہی کررہا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں خود احتسابی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (ندائے شاہی)

تین باتوں پر ایمان کی مٹھاس

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ الخ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ تین باتیں پائی جائیں گی تو اس شخص کو ایمان کی مٹھاس محسوس ہونے لگے گی۔ (۱) اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان دونوں کے ماسوا سے زیادہ ہو۔ (۲) وہ شخص جس مسلمان سے بھی محبت کرے وہ محبت پورے خلوص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو (۳) مسلمان ہوجانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹنا اسے ایسا ہی ناگوار اور برا لگے جیسے اسے یہ بات ناگوار ہوتی ہے کہ اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ان احادیث میں شامل ہے جن حدیثوں میں آپ نے نہایت جامع اور مختصر انداز میں پوری تعلیمات دین کو سمو دیا ہے۔ گویا دریا کو کوزہ میں بند فرما دیا ہے۔ ایسی ہی احادیث کے لئے آپ نے فرمایا ہے اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ یعنی اللہ کی جانب سے مجھے "جامع کلمات" عطا فرمائے گئے ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین باتوں کی تعلیم دی ہے اور ان کی تعلیم کے لئے عجیب وغریب انداز اختیار فرمایا ہے کہ یہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں گی اسے ایمان کی مٹھاس کا ذائقہ مل جائے گا۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔

۱۔ یہ کہ اللہ ورسول اسے ان دونوں کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، اسے سب سے زیادہ محبت اللہ ورسول سے ہو۔

۲- یہ کہ وہ شخص جس مسلمان سے بھی محبت رکھے وہ محبت صرف اللہ واسطے کی ہونی چاہئے اور کوئی غرض نہ ہو۔

۳- یہ کہ ایمان واسلام کے بعد حالت کفر کی طرف لوٹنا اسے ایسا ہی ناگوار ہو جیسے یہ بات اسے ناگوار ہے کہ اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔

ویسے حقیقت میں تو تینوں باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے فضل وعطا سے ملتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہی کا یہ فضل وعطا بھی ان اسباب سے وابستہ ہے (۱) ہر مسلمان کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اس کے احکام کیا کیا ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اس کی ناپسند اور ممنوع وحرام چیزیں کیا ہیں جن سے پرہیز کرے۔ (۲) ہر مسلمان اپنے ایمان میں قوت پیدا کرنے اور اعمال صالح کی کثرت کا اہتمام کرے۔ (۳) کفر کے جو آثار اور اس کی جو نحوستیں ہیں ان کی پہچان ہونا چاہئے کہ ان کی وجہ سے ظلم وشر اور فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ آخرت کا نقصان ہے۔

صاحب ایمان کے اخلاق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایماندار آدمی کے اخلاق یہ ہیں،

دینداری کی باتوں میں سخت ہوتا ہے۔

جب لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نرمی کا برتاؤ کرتا ہے تو نرمی کے ساتھ ہوشیار بھی رہتا ہے۔

خدا کی وحدانیت پر ایمان لاتا اور اس پر یقین رکھتا ہے علم کے حاصل کرنے میں حریص ہوتا ہے۔

اگر وہ کسی کے ساتھ دشمنی کرے تو مہربان دشمن ہوتا ہے۔

اگر اس کو علم ہو تو علم کے ساتھ اس میں حلم بھی ہوتا ہے۔

اگر وہ دولت مند ہو تو خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتا ہے۔

اگر وہ فاقہ سے ہو تو صبر کرتا ہے۔

لالچ سے دور رہتا ہے۔

حلال روزی کی تلاش کرتا ہے۔

نیکی کا کام استقلال کے ساتھ کرتا ہے۔

ہدایت کی باتیں حاصل کرنے میں چوکنا اور پھرتیلا ہوتا ہے نفسانی جذبات سے بھی مغلوب نہیں ہوتا۔

مصیبت زدوں پر مہربان ہوتا ہے۔

اگر کوئی آدمی اس سے کینہ رکھتا ہو تو اس پر ظلم نہیں کرتا۔

اگر وہ کسی کے ساتھ دوستی رکھتا ہو تو اس دوست کی خاطر گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔

اگر کوئی آدمی اس کے پاس امانت رکھوائے تو وہ امانت میں خیانت نہیں کرتا۔

نہ وہ حسد کرتا ہے نہ کسی پر طعن کرتا ہے نہ لعنت کرتا ہے۔

وہ حق بات کا فوراً اقرار کرتا ہے اگرچہ کوئی آدمی اس پر گواہی نہ دے۔

وہ لوگوں کے بُرے نام رکھ کر ان کو نہیں پکارتا۔

نماز عجز و نیاز کے ساتھ پڑھتا ہے۔

جب مصیبتیں پیش آئیں تو ان سے نجات پانے میں جلدی کرتا ہے۔

جب آسودگی اور فراغت کا زمانہ ہو تو وہ سنجیدہ اور متین رہتا ہے جو کچھ خدا اس کو دیتا ہے اس پر قانع اور شکر گزار ہوتا ہے۔

جو چیز اس کی نہیں ہے اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔

غصہ میں اپنے آپے سے باہر نہیں ہوتا۔

نیکی کے کاموں میں فیاضی سے کام لیتا ہے اور بخل بھی نہیں کرتا۔

لوگوں سے اس لئے ملتا ہے کہ جو بات وہ نہیں جانتا اس کو جان جائے۔

لوگوں سے گفتگو اس لئے کرتا ہے کہ جو بات حق ہو اس کی سمجھ میں آ جائے۔

اگر کوئی اس کو ستاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ خدا اس کی مدد کرے۔ (رواہ الحکیم)

خالص ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خالص ایمان اس شخص میں ہے جو خدا ہی کے لئے دوستی کرتا اور خدا ہی کیلئے دشمنی کرتا

ہے اور جب کوئی آدمی ایسا کرتا ہے تو وہ خدا کی دوستی کا حق دار ہو جاتا ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں سے وہ لوگ میرے دوست ہیں جن کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کے ذکر کے ساتھ میرا ذکر ہوتا ہے۔ (رواہ الامام احمد فی المسند ۔ بحوالہ "ایک ہزار احادیث")

ایمان کی قدر اور حقوق العباد

فیصلہ کا دن

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دہرائے جائیں گے۔ آپ ؐ نے فرمایا ہاں وہ ضرور دہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا پورا پورا بدلہ دلوایا جائے گا ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس کے جھگڑے پیش ہوں گے اور ایک حدیث میں ہے کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسرے کو سینگ مارے ہوں گے ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ! مجھے کیا خبر۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان دونوں میں انصاف کریگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر سچا جھوٹے سے ہر مظلوم ظالم سے ہر ہدایت یافتہ گمراہی میں مبتلا ہونے والے سے ہر کمزور زور آور سے اس روز جھگڑے گا۔

اور فرمایا کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا کہ ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔ ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا وہ کہے گا سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج بالکل لولا لنگڑا چلنے پھرنے سے

معذور دوسرا ایک آدمی اندھا ہے لیکن پیر اس کے سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے یہ دونوں ایک باغ میں ہیں۔ لنگڑا اندھے سے کہتا ہے بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں ہیں جو میں چل کر یہ پھل توڑلوں اندھا جواب دیتا ہے آؤ میرے پاؤں ہیں میں تجھے اپنی چڈی پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور خوب مرضی کے مطابق باغ سے پھل توڑے۔ بتلاؤ کہ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم روح دونوں جواب دیں گے کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہے گا کہ بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے کیونکہ آخرت میں درہم اور دینار تو ہوں گے نہیں اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بقدر ظلم یہ اعمال صالحہ اس سے لے کر مظلوم کو دے دیئے جاویں گے اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی برائیاں اور گناہوں کو اس سے لے کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

ایمان بڑی دولت ہے

قیامت میں سارے نیک اعمال مظالم اور حقوق العباد کے بدلے میں مظلوموں کو دے دیئے جائیں گے مگر ایمان نہیں دیا جائے گا جب ظالم کے تمام اعمال صالحہ علاوہ ایمان کے سب مظلوموں کو دے کر ختم ہو جائیں گے اور صرف ایمان رہ جائے گا تو ایمان اس سے سلب نہیں کیا جاوے گا بلکہ مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال کر حقوق کی ادائیگی کی جائے گی جس کے نتیجہ میں یہ گناہوں کا عذاب بھگتنے کے بعد بالآخر کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جائے گا اور پھر یہ حال اس کا دائمی ہوگا۔ اللہ اکبر! یہ ہے ایمان کی قدر و قیمت مگر افسوس کہ آج اس بے دینی کے زمانہ میں ہر چیز قابل وقعت اور قابل قدر ہے۔ اگر نہیں ہے تو ایمان صادق کی کچھ وقعت اور پروا نہیں۔ الا ماشاء اللہ اور ابھی کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ وقت نہ دکھلائیں جب کہ کفر اتنا سستا ہو جائے گا کہ صبح کو آدمی مسلمان ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو

مسلمان ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا۔ معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کردے گا جیسا کہ مشکوۃ شریف کی ایک حدیث میں بروایت مسلم بتلا دیا گیا ہے۔ (العیاذ باللہ) مشکوۃ شریف ہی کی ایک دوسری حدیث بروایت ابی داؤد میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسے سخت فتنے برپا ہوں گے جیسا اندھیری رات کے ٹکڑے صبح کو آدمی ان میں مسلمان ہوگا شام کو کافر شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر۔ ان میں بیٹھنے والا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس وقت اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جانا۔ یعنی ٹاٹ کی طرح گھر کے ایک کونے میں پڑے رہنا (الاعتدال فی مراتب الرجال)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ پاک ایسے وقت سے ہمیں بچائیں اور اسلام پر قائم رکھیں اور ایمان پر موت نصیب فرمائیں۔

ایمان کی تازگی پر مرنے والا

طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اس آدمی کے لئے خوشخبری ہے جو "الناتات" میں فوت ہوا" عرض کیا گیا الناتات کیا ہے؟ فرمایا ایمان کی تازگی۔ (اصول موتی ج ۲)

تقدیر پر ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، اس کی بھلائی پر بھی اور اس کی برائی پر بھی یہاں تک کہ یہ یقین کر لے کہ جو بات واقع ہونے والی تھی وہ اس سے ٹلنے والی نہ تھی اور جو بات اس سے ٹلنے والی تھی وہ اس پر واقع ہونے والی نہ تھی۔ (ترمذی)

ایمان کا ذائقہ چکھنے والا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو کرے گا

ایمان کا ذائقہ چکھے گا۔ صرف اللہ کی عبادت کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہر سال اس طرح دے کہ اس کا نفس اس پر خوش ہو اور اس آمادہ کرتا ہو۔ (یعنی اس کو روکتا نہ ہو) (حیات المسلمین)

کمال ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب کہ میں اس کی نظر میں اپنے والد سے اپنی اولاد سے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔" (بخاری و مسلم)

ایمان کی تکمیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اللہ ہی کے لئے (کسی دوسرے سے) محبت کرے، اللہ ہی کے لئے (اس کے دشمنوں سے) بغض رکھے، اللہ ہی کے لئے خرچ کرے اور اللہ کے لئے خرچ کو روکے تو اس کا ایمان مکمل ہے۔" (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

ایمان کی حلاوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا۔ ا۔ ایک یہ کہ اس شخص کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔ ۲۔ دوسری یہ کہ وہ کسی (اللہ کے) بندے سے محبت کرے اور محبت صرف اللہ کے لئے ہو۔ ۳۔ تیسرے یہ کہ اسے کفر سے نجات حاصل کرنے کے بعد دوبارہ اس کی طرف لوٹنا ایسا بُرا لگتا ہو جیسے وہ آگ میں جھونکے جانے کو بُرا سمجھتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

ایمان کا مزہ پانے والا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ شخص ایمان کا مزہ چکھ لے گا جو اللہ کو پروردگار سمجھ کر، اسلام کو (اپنا) دین قرار دے کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول یقین کرکے راضی ہو گیا ہو۔" (مسلم)

کمال ایمان کی علامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ تم میں باہمی محبت نہ ہو۔ کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلا دوں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں بھی باہمی محبت پیدا ہو جائے اور وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔ (مسلم)

ایمان وحیاء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک نعمت جائے تو دوسری نعمت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

ایماندار اور دولت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا یعنی دنیا کی دولت کو بُرا مت کہو۔ کیونکہ ایماندار آدمی اسی کے ذریعہ سے بھلائی حاصل کرتا اور بُرائی سے بچتا ہے۔ (رواہ الدیلمی وابن النجار)

ایمان کامل ہونے کی شرائط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی انسان کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں اور جب تک کہ وہ اپنے غصہ کو دباتا نہ ہو اور جب تک کہ لوگوں کے واسطے وہی بات نہ چاہتا ہو، جو اپنے لئے چاہتا ہے، کیونکہ اکثر آدمی بہشت میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کا کوئی نیک عمل اس کے سوا نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں کی بھلائی دل سے چاہتے تھے۔ (ابن عدی وابن شاہین والدیلمی)

کمال ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان وہ لوگ رکھتے ہیں جن کے اخلاق پاکیزہ ہوں اور فروتنی اور تواضع سے جھکے رہتے ہیں اور وہ

لوگوں سے ملتے ہیں اور لوگ ان سے ملتے ہیں۔ جو لوگوں سے نہیں ملتے اور لوگ ان سے نہیں ملتے ان میں کوئی بھلائی نہیں۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ایمان کی حفاظت کی دعا

امام احمد مزید فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز فجر اور صبح کے درمیان ۴۰ مرتبہ "یا حی یاقیوم یا بدیع السموات والارض یاذالجلال والاکرام یااللہ لاالہ الا انت اسالک ان تحی قلبی بنور معرفتک یا ارحم الراحمین" پڑھ لیا کرے تو اللہ پاک اس دن جس دن کے تمام لوگوں کے قلوب مردہ پژمردہ ہو جائیں گے زندہ رکھیں گے۔ (سرالاسرار)

ایمان کی حفاظت کیلئے ایک وظیفہ

"ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے ایمان کی حفاظت فرماتے رہیں تو وہ اپنا معمول یہ بنالے کہ روزانہ کسی سے گفتگو سے پہلے مغرب کی سنتوں کے بعد دو رکعت اس طریقے سے پڑھے کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور پھر دو رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک اس کے ایمان کی حفاظت فرماتے رہیں گے۔ راوی کہتے ہیں یہ بہت بڑا فائدہ ہے"۔ (کتاب الجنان)

امام نفسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو سند طویل کے ساتھ نقل فرما کر یہ اضافہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان تمام سورتوں کے ساتھ سورہ اخلاص سے قبل انا انزلناہ فی لیلۃ القدر بھی پڑھ لے۔ نیز سلام پھیرنے کے بعد ۱۵ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر ذیل کی دعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ایمان کے چھن جانے سے محفوظ رکھیں گے اور یہ سب سے بہترین فائدہ ہے۔

"اللھم انت العالم ما اردت بھاتین الرکعتین اللھم اجعلھما لی ذخرا یوم لقائک اللھم احفظ بھما دینی فی حیاتی وعند مماتی وبعد وفاتی"

اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کو خطاب

خطیب الامت حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے خطاب میں فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ جب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب قرآن کریم پڑھنے والا پڑھے اور سننے والا سنے تو سنبھل کر بیٹھ جائے کہ احکم الحاکمین اس سے خطاب فرمارہے ہیں وہ کوئی معمولی ذات نہیں ہے۔

یہود کو خطاب ایہا المساکین سے

یہود کو توراۃ میں ایہا المساکین سے خطاب کیا گیا اور اس امت کو مومنین سے خطاب کیا گیا' انہیں مساکین سے خطاب کرنے کا اثر یہ مرتب ہوا کہ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ کہ ان پر ذلت و مسکنت ماردی گئی لوگوں کے قلوب میں ان کا احترام نہیں ہے دولتیں چاہے وہ جتنی ہی اکٹھی کرلیں' دنیوی حیثیتیں جتنی وہ اپنی قائم کرلیں مگر لوگوں کے قلوب میں ان کی کوئی وقعت موجود نہیں ہے بلکہ قلوب اس سے عاری اور منکر ہیں اور ایک قسم کی نفرت اہل اسلام کے اذہان میں بھی اور غیروں کے ذہنوں میں بھی جمی ہوئی ہے تو اس کا اثر یہ ہوا اور مومنین سے خطاب ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ۔

حق تعالیٰ نے جس طرح سے اپنے فضل و کرم سے اس عالم میں شرف ایمان نصیب فرمایا ان شاء اللہ میدان حشر میں بھی ایمان ہی کے ساتھ خطاب فرمائیں گے اس کی ہمیں اس ذات عالی سے امید رکھنا چاہئے۔

اعظم گڑھ میں ایک مرتبہ شبلی جوبلی منائی گئی اس میں ہندوستان کے مشاہیر و اکابر کو دعوت دی گئی تھی ہمارے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کو بھی اس

میں بلایا گیا تھا اور ہر ایک کو عنوان دیا گیا تھا کہ فلاں فلاں عنوان پر بات کرنی ہے۔
حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کو عنوان دیا گیا "اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دیا۔ حضرت نے بیٹھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ امن کا لفظ خود ایمان کے اندر موجود ہے اور سلامتی اسلام کے اندر موجود ہے تو امن وسلامتی خود ایمان و اسلام کے نام سے نمایاں واضح اور روشن ہے پھر فرمایا کہ تقریر کیلئے جو عنوان دیا گیا ہے وہ ناتمام ہے اس لئے اسلام نے دنیا کو صرف امن وسلامتی کا پیغام ہی نہیں دیا بلکہ مکمل پروگرام بھی دیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ صرف پیغام دیا جائے پروگرام نہ دیا جائے تو پریشانی ہوگی مثلاً ہم آپ کو دعوت دیں کہ آپ کسی وقت تر کیسر تشریف لائیں مگر پروگرام نہ بتائیں تو آپ کو تشویش ہوگی کہ کس مہینے میں کس ہفتہ میں کس دن جانا ہے تو فطری طور پر انسان پیغام بھی چاہتا ہے اور پروگرام بھی چاہتا ہے تو اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام ہی نہیں دیا بلکہ مکمل پروگرام بھی دیا اور بتایا کہ اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی ایمان واسلام کے ساتھ امن وسلامتی وابستہ ہے۔ بہرحال بنیادی چیز ایمان ہے۔

ایمان اساس ہے

ایمان بہت بڑی چیز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی ایمان کی حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کی بالکل ایسی مثال ہے جو میں اکثر دیا کرتا ہوں کہ کسی آدمی کے گھر کے سامنے درخت ہو جو بالکل سوکھ گیا ہو پتیوں میں جان نہیں تنے میں تناؤ نہیں اس کی شاخوں میں بناؤ سنگھار نہیں بالکل مردہ ہو چکا ہو۔ اس درخت میں جان پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بجائے ہر پتی پر پانی ڈالنے کے جڑ میں پانی ڈالا جائے جب جڑوں میں پانی ڈالیں گے تو جڑ سے وہ پانی تنہ میں پہنچے گا اور تنے کے تنخے کے بعد شاخیں بنیں گی پھر پتیاں پھوٹیں گی ٹھیک اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے بعد انسانیت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ یہ سوکھا ہوا درخت ہے' اعمال واخلاق بھی چوپٹ اور افعال و اقوال بھی چوپٹ سب نظام مختل ہے اور ایسی بگڑی انسانیت کو سدھارنے کی ضرورت ہے۔
ایمان اساسی اور فطری چیز ہے' دیکھئے! ایمان چوبیس گھنٹے آپ کے ساتھ ہے آدمی جاگتا

ہے تب بھی مومن اور سوتا ہے تب بھی مومن ایسا تو نہیں کہ سونے کے بعد کافر ہو جاتا ہو اگر سونے کے بعد کافر ہو جائے تو اس کی بیوی رخصت ہو جائے گی اس کو مفتیوں کے پاس دوڑنا پڑے گا وہ جاگتا تھا تب بھی شوہر تھا اور سونے کے بعد اٹھا ہے تب بھی شوہر ہے چاہے حسیان وگمان بھی نہ ہو تو ایمان اور توحید ہر وقت ساتھ ہے اور میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ دیکھئے! مثلاً آپ جب شام کے وقت اپنی دکان بند کرتے ہیں تو مختلف سامانوں کو سمیٹتے ہیں اور چھوٹی صندوقوں کو بڑی میں اور پھیلی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ کرتے ہیں اس طرح سارا انتظام مرتب کرنے کے بعد دروازہ پر تالا لگا دیتے ہیں اور چابی اپنی جیب میں رکھ لیتے ہیں تو جتنے اعمال واخلاق کے صندوق اور ڈبے ہیں ان تمام کی کنجی توحید و ایمان ہے جو چوبیس گھنٹے آدمی کے پاس موجود ہے اور کنجی کا قبضہ میں ہونا درحقیقت ساری دکان کا قبضہ میں ہونا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ساری زندگی کا کافر یا یہودی یا مجوسی ہوش وحواس سالم ہونے کی حالت میں مرنے سے ذرا سی دیر پہلے بھی ایمان لے آئے تو چاہے ایک نماز نہ پڑھی ہو ایک روزہ نہ رکھا ہو حج نہ کیا ہو قرآن کریم کی ایک آیت کی تلاوت نہ کی ہو مگر وہ داخل جنت ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے پاس جنت کی کنجی آگئی ہے گو اسے عمل کا موقع نہ مل سکا۔ یحییٰ ابن معاذ رازیؒ حق تعالیٰ سے اپنی مناجات میں یہ عرض کرتے تھے کہ رب العالمین! ستر سال کا کافر اگر اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے تو آپ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں تو جو ستر سال تک لا الٰہ الا اللہ پڑھتا رہے بھلا اسے آپ محروم فرما دیں گے؟ ہرگز نہیں! بلکہ آپ کی ذات سے توقع ہے کہ اس کا بیڑہ ضرور پار ہوگا۔

ایمان اور نماز

ایمان ایک اندرونی کیفیت ہے اور نماز اس کیفیت کی ترجمان ہے اور دیکھئے! نماز ایسی اہم عبادت ہے کہ قرآن کریم نے اس کو ایمان سے تعبیر فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔ مراد یہاں ایمان سے نماز ہے اور حدیث پاک میں نماز کے ترک کو کفر سے تعبیر فرمایا من ترک الصلاۃ متعمداً فقد کفر تو نماز کا چھوڑنا یہ کفر ہے اور نماز کا اختیار کرنا یہ ایمان ہے معلوم ہوا کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز حد فاصل ہے۔

ایمان فلاح اور کامیابی کیلئے بنیادی چیز ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ آدمی کو کسی بات پر یقین اور اعتماد نہیں ہوتا تو وہ تذبذب' تردد اور شک کی وجہ سے پریشانی کا شکار رہتا ہے' یقین آجانے کے بعد اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔

ہم نے خود اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا کہ بعض لوگ ٹرین کی پٹڑی پر چلتے ہیں اور جب گرنے لگتے ہیں تو ہاتھ ادھر ادھر کر کے کسی طرح توازن برقرار کر لیتے ہیں ان کو چلنے میں مشقت تو پیش آتی ہے مگر پھر بھی چل لیتے ہیں اس لئے کہ گرنے پر بھی کوئی بڑا خطرہ درپیش نہیں ہوتا' لیکن جب وہی پٹڑی پل پر پہنچتی ہے جس کے نیچے پانی ہوتا ہے اور گرنے کا اندیشہ اور خطرہ ہوتا ہے تو قوت واہمہ غالب آجاتی ہے اور وہ طمانیت موجود نہیں رہتی جس کی وجہ سے اس پر آدمی کا چلنا دشوار ہوتا ہے اس پر چلنے کی کوئی ہمت نہیں کرتا۔

تو یہ مشاہدہ ہے کہ جب یقین اور اطمینان کا غلبہ ہوتا ہے تو راستہ طے کرنا سہل ہوتا ہے اور جہاں شک' تذبذب اور تردد پیدا ہوتا ہے وہاں راستہ طے کرنا دشوار ہوتا ہے' اب اس کے بعد سمجھئے کہ حق تعالیٰ جہنم پر ایک پل قائم کریں گے۔ حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی مسافت پندرہ سو سال ہوگی اور اس پر سے لوگوں کو گزرنا ہوگا۔

پل صراط کی کیفیت

صحیح مسلم کی حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان پر کلالیب یعنی لوہے کے سینکڑوں آنکڑے ہوں گے جو گزرنے والوں کو پکڑیں گے نوچیں گے جس کی وجہ سے بعض زخمی ہوں گے بعض جہنم میں گر جائیں گے اور بعض ان سے محفوظ رہیں گے۔

اگر انسان کا ایمان و یقین مضبوط ہے اور یقین کی دولت اندر موجود ہے تو بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز راستہ پر چلنا اس کیلئے انتہائی سہل اور آسان ہوگا اور دنیا میں جس شان کے ساتھ وہ شریعت پر چلا ہوگا اسی اعتبار سے وہ پل صراط سے گزر جائے گا معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جو اطمینان اور یقین حاصل ہوا وہی پل صراط طے کرائے گا اور جنت میں پہنچائے گا اور یہ وہی یقین ہے جس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

یقین کی تین قسمیں

یقین کے باب میں علماء لکھتے ہیں کہ اس کی تین قسمیں ہیں ایک علم الیقین دوسرا عین الیقین تیسرا حق الیقین' مثلاً آدمی یہ جانتا ہے کہ پانی ڈبوتا ہے اور آگ جلاتی ہے اور ان میں قدرت نے یہ خاصیت رکھی ہے تو پانی کے باب میں یہ علم اور یقین کہ وہ ڈبوتا ہے اور یہ کہ آگ جلاتی ہے یہ علم الیقین کا درجہ ہے اور کسی شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ وہ پانی میں ڈوب رہا ہے اور آگ میں جل رہا ہے اس میں پہلے سے بڑھ کر یقین ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اگر آدمی خود ڈوبنے لگے یا آگ میں جلنے لگے تو یہ حق الیقین کا مرتبہ ہے۔ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں' خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ علیہ جو حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں ہیں ان کا ایک شعر یاد آیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمارہے ہیں کہ

تیرے متوالوں پہ سب کھل گئے اسرار دیں ساقی ہوا علم الیقیں' عین الیقیں' حق الیقیں' ساقی

یعنی اے خم خانہ محبت اور خم خانہ معرفت کے جام لٹانے والے ساقی! آپ کے خانہ محبت اور معرفت میں جو مے نوشی کرتا ہے اس پر سارے اسرار دین کھل جاتے ہیں۔

ہوا علم الیقیں عین الیقیں حق الیقیں ساقی

کہ حق تعالیٰ نے یقین کے سارے مراتب طے کرادیئے۔

ایمان اور احکام شریعت کی مثال

تو ایمان کے اندر بنیادی چیز یقین ہے اور وہ پل صراط جس سے آدمی گزرے گا وہ شریعت اسلام کی صورت مثالی ہے جس طرح یہاں شریعت پر چلے گا اسی طرح وہ پل صراط سے گزرے گا اگر یہاں قوت سے چلتا تھا تو وہاں قوت سے چلے گا۔ یہاں ڈھیلے پن سے چلتا تھا تو وہاں ڈھیلے پن سے چلے گا۔ چنانچہ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو چلیں گے پھر گرنے لگیں گے اور سنبھلنے کے بعد پھر چلنا شروع کریں گے اور یہ وہ ہوں گے جو دنیا میں شریعت اسلام پر چلتے تھے پھر گر پڑتے تھے پھر توبہ کرکے چلنا شروع کرتے تھے ان کو وہاں بھی یہی شکل پیش آئے گی۔

اور اس کے کنارے پر جو لوہے کے آنکڑے لگے ہوئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے

فہم اور شعور پیدا فرمایا ہے وہ دنیا کے تعلقات کی صورت مثالی ہیں آدمی شریعت پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے تو بیٹے کی محبت بیوی کی محبت اور مال وغیرہ کی محبت شریعت اسلام پر چلنے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ آنکڑے ان رکاوٹوں کی صورت مثالی ہیں کہ یہاں دنیا کی چیزوں کی محبت سے شریعت پر چلنا چھوڑا تو وہاں وہ آنکڑے جنت کی طرف بڑھنے میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

حق تعالیٰ شانہ کے یہاں نجات کا دارومدار ایمان ہی پر ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مومن ایمان کی بنیاد پر جنت میں جائے گا اور اعمال کی بنیاد پر درجات نصیب ہوں گے اور اس کی نیت کی بنیاد پر جنت میں ہمیشگی اور خلود نصیب ہوگا۔

داخلہ جنت کا سبب ایمان یا رحمت؟

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ داخلہ جنت کی بنیاد رحمت ہے اور ادھر علماء کرام کی تصریح ہے کہ داخلہ جنت کی بنیاد ایمان ہے تو دونوں میں کوئی تصادم اور تضاد نہیں ہے داخلہ جنت کا حقیقی سبب تو رحمت ہی ہے جس پر رحمت ہوتی ہے اسے توفیق ایمان ہو جاتی ہے تو ظاہر کے لحاظ سے ایمان داخلہ جنت کی بنیاد ہے اور ایمان کا سبب حق تعالیٰ کی رحمت ہے۔

حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کی اپنی تحقیق

حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الاسلام کے والد ماجد اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں یہ وہ مومنین ہیں جن کو کلمہ تک صحیح یاد نہیں ہے وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں صحیح الفاظ بھی معلوم نہیں عقیدہ کی تفصیل بھی معلوم نہیں گویا بہت معمولی درجہ کا ایمان ان کو حاصل تھا ایسے لوگوں کو بھی حق تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرما دیں گے اس لئے کہ ایمان تو بہرحال ان کے پاس موجود ہے۔

دعوت کا عجیب اسلوب

اسلئے ضرورت ہے اس بات کی کہ کم از کم ایسے لوگوں کے نفس ایمان ہی کی حفاظت کی فکر کی جائے جیسے ایک جگہ کچھ مسلمان مرتد ہو گئے ان میں جہالت تھی ان کو سمجھانا مشکل تھا ایک عالم وہاں پہنچے انہوں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ آپ حضرات کی ختنہ ہوئی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا جی

ہاں ہماری ختنہ ہوئی ہے تو عالم صاحب نے کہا کہ پھر تو اسلام تمہارے ساتھ چمٹ گیا ہے اب تو تم کافر ہو ہی نہیں سکتے اگر مرتد ہو گئے ہو تو نہ ادھر کے رہو گے اور نہ ادھر کے اس لئے پکا مسلمان ہی رہو غرض یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی جس سے وہ اسلام پر جم گئے اس طرح ان کو ارتداد سے بچا لیا۔

اسی طرح میوات کے بعض مسلمانوں نے بہکایا کہ تم لوگ اسلام چھوڑ دو اس لئے کہ تمہارے آباؤ اجداد کو مسلمانوں نے مار مار کر زبردستی مسلمان بنایا ہے یہ بات کچھ ان کی سمجھ میں آ گئی جس سے کچھ ارتداد و خلل پیدا ہو گئی تو غالباً حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور وہاں ان کے سامنے بیان کیا اور بیان میں ان کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ ہم آپ لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ لوگ بہادر ہیں یا بزدل؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو بہادر ہیں پھر حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے اگلے بڑے سب بہادر تھے یا بزدل؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ سب بھی جرأت اور بہادر تھے شجاعت اور بہادری کے مالک تھے کسی سے ڈرتے نہیں تھے تو حضرت نے فرمایا کہ جب وہ سب حضرات نڈر تھے تو کس کی مجال اور ہمت ہو سکتی تھی کہ ان پر دباؤ ڈال کر اور مار کر انہیں مسلمان بناتا؟ وہ تو خود شوق سے مسلمان ہوئے تھے تم تو اس بات کو تسلیم کر رہے ہو اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لوگ زبردستی اسلام لائے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے آباؤ اجداد اور بڑوں کو بزدل ثابت کرنا چاہتے ہو اور انہیں ڈرپوک سمجھتے ہو حالانکہ جیسے تم بہادر ہو ویسے ہی تمہارے باپ دادا بھی بہادر تھے بلکہ تم سے زیادہ بہادر تھے کس کی ہمت تھی کہ ان کے ساتھ زبردستی کرے؟ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آ گئی کہ ہمارے بڑوں نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا اس لئے ہم بھی اسلام ہی پر قائم رہیں گے۔

دولت ایمان کے حق میں تین چیزیں ڈاکہ زنی کا کام انجام دیتی ہیں ایک تو سب سے بڑا ڈاکو اس کا نفس ہے اور دوسرا ڈاکو شیطان ہے اور تیسرا ڈاکو غلط ماحول ہے یہ تین چیزیں ایمان کی دولت ختم کرنے کے درپے ہیں یا کم از کم خراب کرنے کے درپے ہیں اب جو اپنے ایمان کی حفاظت کرتا رہا اور دنیا سے اس کو سلامت لے گیا تو پھر کوئی چیز اس کے ایمان پر اثر انداز نہیں ہو گی اور قیامت کے دن اسی نور ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گا۔

آفتاب نبوت سے اقتباس نور کی دل نشیں حسی مثال

ایک عجیب سی بات آپ سے عرض کریں حکماء ہیرے اور سونے کے باب میں لکھتے ہیں کہ یہ چیزیں سورج کی شعاعوں کو اپنے اندر جذب کرتی ہیں اسی کی برکت سے ان میں چمک کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' زبرجد' یاقوت' ہیرے جواہرات' سونا' چاندی وغیرہ معدنیات میں سورج کی شعاعوں کو دخل ہے یہ ساری چیزیں سورج کی شعاعوں کو جذب کرتی رہتی ہیں۔ سالہا سال گزرنے کے بعد ان چیزوں میں ایک خاص صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے پھر اگر آپ کسی قیمتی ہیرے کو یا سونے کے ڈلے کو زمین میں دفن کر دیں اور ایک ہزار سال گزرنے کے بعد اسے نکالیں تب بھی وہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے گا۔ تو بعض عارفین نے لکھا ہے کہ ایمان کی روشنی آفتاب نبوت نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شعاعوں کی برکت سے مومن کے قلب میں پہنچتی ہے گویا مومن کے قلب میں معنوی آفتاب کے انوار آ جاتے ہیں جب مادی آفتاب کی کیفیت یہ ہے کہ اگر اس کی شعاعوں کو جذب کرنے والی اشیاء کو زمین میں ڈال دیں اور عرصہ دراز کے بعد نکالیں تو اسی شان کے ساتھ نکلتی ہیں ٹھیک اسی طرح سے جنہوں نے آفتاب نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار کو اپنے قلوب میں بسا لیا ہے ان نفوس قدسیہ کو انتقال کے بعد گو زمین میں دفن کر دیا جائے گا پھر بھی جب قیامت میں نکالے جائیں گے تو وہ خود بھی منور ہوں گے اور ان کی روشنی سے دوسروں کیلئے انتفاع کی شکلیں سامنے آئیں گی۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ.

ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا تعلق انسانی بدن اور جوارح سے ہے مسند احمد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الاسلام علانية والايمان فی القلب کہ ایمان باطنی چیز ہے اور اسلام ظاہری چیز ہے تو گویا ایمان اور اسلام میں انسان کے ظاہر اور باطن دونوں کو گھیر رکھا ہے اور انسان کو دونوں سے متعلق احکام دے رکھے ہیں۔

پھر دیکھئے ایمان میں جو امن کا مفہوم ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے موہبت اور عنایت ہے کہ حق تعالیٰ نے دوامی عذاب سے مامون اور محفوظ کرنے کی ایک صورت مومن کو عطا فرما دی اگر مومن ایمان کے تقاضے پر چل کر تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وقتی اور ہنگامی

عذاب سے بھی نجات کی شکل ہوگی تو گویا حق تعالیٰ نے تھوڑے عذاب اور دائمی عذاب دونوں سے بچاؤ کی صورت اللہ پاک نے قرآن پاک میں ذکر فرمائی تو ایمان انسان کے حق میں غضب خداوندی سے نجات دہندہ ہے۔

درخت کی شاخوں کو جڑ کی وجہ سے وجود ملتا ہے اور خود جڑوں کو ان شاخوں کی وجہ سے رسوخ اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے اسی طرح ایمان کی برکت سے اعمال وجود میں آتے ہیں چنانچہ اگر اندر ایمان نہیں ہے تو وہ اعمال معتبر نہیں ہیں اور وہی اعمال پھر ایمان کی تقویت کا باعث بھی بنتے ہیں گویا دونوں میں جوڑ ہے ایمان سے اعمال کو وجودی شان کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اعمال سے ایمان کو مضبوطی اور رسوخی شان کا نفع حاصل ہوتا ہے۔

ایمان جو اساسی چیز ہے وہ خیالی نہیں ہے یکسوئی سے اس پر اثر پڑتا ہے اسی لئے حدیث جبرئیل میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا ما الاحسان احسان کی تعریف کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کہ تم خدائے پاک کی عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم ان کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ ہی رہے ہیں بقول میرے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہ تم عقیدہ کی نگاہ سے دیکھ ہی رہے ہو اور اگر یہ تصور قائم نہیں کر سکتے تو اتنا تو ہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

حدیث احسان سے مشاہدہ و مراقبہ کا ثبوت

تو پہلی چیز مشاہدہ ہے اور دوسری چیز مراقبہ ہے' مشاہدہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ ہی رہے ہیں' اس میں بھی بنیادی چیز خدائے پاک کا دیکھنا ہے اپنا دیکھنا نہیں' علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ دیکھو! بادشاہ سلامت ہیبت وجلال کے ساتھ شان وشوکت کے ساتھ بیٹھے ہوں ان کے افسران اور مطیعین سب کے سب دربار میں ادب کے ساتھ موجود ہوں اب یہاں ادب' رعب داب اور ہیبت کی دو وجہیں ہیں ایک لوگوں کا بادشاہ کو دیکھنا ہے اور دوسرے بادشاہ کا لوگوں کو دیکھنا ہے ان میں اصل وجہ بادشاہ کا لوگوں کو

دیکھتا ہے چنانچہ مجمع میں کوئی نابینا موجود ہو وہ تو بادشاہ کو نہیں دیکھ سکتا مگر بادشاہ بہرحال اس کو دیکھ رہا ہے اس وجہ سے وہ مؤدب اور باوقار رہے گا تو حدیث پاک میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو یہ انتہائی اعلیٰ حالت ہے اور اس کو مشاہدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر یہ دھیان نہیں تم پائے تو یہ تو ہے ہی کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیکھنا بنیادی طور پر خوف کی چیز ہے۔

قبولیت اعمال کی دو بنیادیں

غرض یہ کہ ایمان جتنا زیادہ قوی ہوگا اس کے مطابق اعمال کا صدور ہوگا اور اس کی وجہ سے اعمال کی کیفیت ظاہرہ و باطنہ میں قوت بھی آئے گی ویسے محققین نے اعمال کے مقبول ہونے کی دو بنیادیں لکھی ہیں ایک عمل کی صورت اور دوسرے عمل کی حقیقت اور روح، عمل کی صورت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی معیار قرار دی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک سے جتنی مشابہت ہوگی اتنی ہی زیادہ قبولیت عمل میں پیدا ہوگی تو پہلی چیز یہ ہے کہ عمل ہیئت و صورت میں سنت کے مطابق ہو اور دوسری چیز روح عمل یعنی اخلاص اور للّٰہیت ہے جیسے ابدان کیلئے روح ہوتی ہے اسی طریقہ سے اعمال کی بھی روح ہوتی ہے اور وہ روح اخلاص اور للّٰہیت ہے جیسے روح کے بغیر بدن قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح نیت خالصہ کے بغیر اعمال معتبر نہیں تو ایمان کی وجہ سے اعمال کو وجود ملتا ہے اور اعمال کی وجہ سے ایمان کو رسوخ اور پختگی نصیب ہوتی ہے تو جیسے جڑوں اور شاخوں میں جوڑ ہے اسی طریقہ سے ایمان اور اعمال میں بھی جوڑ ہے ہاں! یہ الگ بات ہے کہ آپ کسی درخت کی جڑوں کو کاٹ دیں تو درخت ہی نہ رہے گا اور شاخوں کو کاٹ دیں تو نقصان تو ہوا مگر درخت باقی رہے گا ٹھیک اسی طرح کسی طاعت اور عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوگا بلکہ ایمان اپنی جگہ باقی رہے گا یا مثال کے طور پر کوئی معصیت کرلی تب بھی ایمان فوت نہیں ہوگا۔ (فیض ابرار جلد ششم)

سب سے پہلے ایمان

سب سے پہلے اپنے ایمان کو درست کرو اس کے بغیر کام نہیں چلے گا' کوئی عمل مقبول ہی نہیں اس لئے اپنے ایمان کو مضبوط کرو اس کے بعد نیک اعمال' نیک اعمال وہ ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے' مثلاً فرض' واجب' سنت' مستحب' مباح اور وہ بھی اس میں داخل ہیں جن کے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو منہیات کہتے ہیں یعنی حرام' مکروہ تحریمی' تنزیہی' ممنوع' ناجائز' یہ سب باتیں چھوڑنے کی ہیں' ان سب باتوں کو چھوڑنا بھی نیک عمل ہے جیسے کسی امر الٰہی کو بجا لانا نیک عمل ہے مثلاً نماز پڑھنا ایسے ہی تکبر چھوڑنا بھی نیک عمل ہے اسی طرح حرام کا چھوڑنا۔

تیسرے تبلیغ' ایک دوسرے کو دین کی بات پہنچاؤ اور اس پر جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو اس تکلیف پر صبر چوتھی بات ہے' یہ چار اصول ہیں ان پر عمل کرنے سے خسارہ سے بچ جاؤ گے' ورنہ خسارہ میں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ خود عمل کرو اور لوگوں کو دعوت دو رب کے راستے کی طرف معلوم ہوا کہ رب کا راستہ یعنی اللہ پاک کی طرف پہنچنے کا ایک راستہ ہے' اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو اور اللہ کی طرف پہنچنے کا مطلب ہے اللہ کو راضی کرنا' اس نے پیدا کیا ہے' اس کی زمین ہے' اس کا آسمان ہے' اس کی خوراک ہم کھاتے ہیں' رگ رگ میں سب کچھ اسی کا ہے' وہ ہمارا خالق و مالک ہے' ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو راضی کریں اور وہ ان احکام کو کرنے سے راضی ہوتا ہے جو اس نے ہمیں بتائے ہیں اور اسی کام کیلئے اس نے اپنے پیغمبر بھیجے۔

دعوت دینے کا طریقہ

لہٰذا اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو اس کی بھی حدود و قیود ہیں' ایسے نہیں کہ بس لٹھ مار دیا ہم نے تو کہہ دیا کسی کی مرضی ہو یا مانے یا نہ مانے' آپ اس میں مختار نہیں بلکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر دعوت دینی ہے اپنے رب کے راستے کی طرف تو پہلی بات یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ سمجھداری کے ساتھ دین کی سمجھ کے ساتھ لوگوں کو دعوت دو۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں ایک حکمت نظری' دوسری حکمت عملی' جہاں حکمت نظری کی ضرورت پڑے وہاں اس سے کام لو دین کو پہلے سمجھو کہ دین کا مقصد کیا ہے اور ہم کو کس طرح کرنا ہے' اس کے بعد کسی کو دعوت دو۔ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ پاک کسی کو دین کی سمجھ دیدیں' یہ بہت بڑی بات ہے وہ دین کے نفع و نقصان کو سمجھنے لگ جائے' اس میں دین کا نفع ہے' اس میں دین کا نقصان ہے' کس میں آخرت بنتی ہے اور کس میں بگڑتی ہے' یہ طریقہ صحیح ہے اور یہ طریقہ صحیح نہیں ہے یہ جائز طریقہ ہے' یہ ناجائز طریقہ ہے' جس کو دین کی سمجھ آ گئی اس پر یہ اللہ کا بڑا انعام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا یہ حکمت خیر کثیر ہے بہت بڑی بھلائی اس کو مل گئی جسے حکمت مل گئی' حکمت کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے سامنے مضامین پیش کرو' عمل سے' قول سے' اچھے انداز سے' منع کرو تو طریقے سے منع کرو' ایسا نہیں کہ اس کے لٹھ مار دیا' نماز نہیں پڑھتا' بے نمازی ہے' ایسا ہے اور ویسا ہے' اس سے وہ راستے کی طرف آئے گا نہیں۔

ایمان بالغیب کی چند مثالیں اور نمونے

اللہ والے اسباب کے پردے میں مسبب الاسباب کو پہچان لیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس نور معرفت سے نورانی بصیرت ہوتی ہے۔ جس کو باطنی نگاہ کہتے ہیں اسی لئے کافروں کے متعلق فرمایا ہے۔ آیت فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ مگر مومنین کاملین کے دل بینا ہوتے ہیں اس عارف صوفیا کو دوربینان بارگاہ الست کہتے ہیں۔

چشم ظاہر بین اور عقل کا فرق ادراک

سیاہ نمدے پر کوئی چیونٹی دانہ گندم لئے ہوئے چلتی ہے تو ظاہر میں دانے کو متحرک سمجھتا ہے اور عاقل دانے کی حرکت سے دانہ چیونٹی کے منہ میں سوچ کر چیونٹی کی حرکت کا علم حاصل کر لیتا ہے۔

اسی طرح انسان کو اس کی روح ادھر ادھر لئے ہوئے چلتی پھرتی ہے اور روح جسم کے اندر اور بالکل قریب ہے مگر آنکھوں سے مخفی ہے۔

ایک فارسی کے شعر کا خلاصہ ہے کہ جسم کی حرکت سے جان لطیف کے وجود کو پہچان لیا کرو چہرہ آنکھوں سے کس قدر قریب ہے لیکن انسان اپنا چہرہ دیکھنے کیلئے آئینہ کا محتاج ہے۔ المسلم مرآۃ المسلم (ایک مسلم کامل دوسرے مسلم ناقص کے امراض اور عیوب کا آئینہ ہے۔اسی واسطے مسلم ناقص کو مسلم کامل (مصلح) سے اصلاح تعلق اور محبت کی ضرورت ہے کہ اس کی محبت کے بغیر امراض کا پتہ نہیں چلتا۔

روح کے علاوہ اور بہت سے نظائر ہیں کہ آثار و نشانات سے تسلیم کرتے ہیں تا کہ اہل عقل اور اہل نظران سے عبرت حاصل کریں۔

خاک رابینی بہ بالا اے علیل　　　　یاد رانے جزبہ تعریف و دلیل

(مٹی اڑتی دیکھ کر ہوا کو تسلیم کرتے ہو بغیر دیکھے)

پس یقین در عقل ہر دانندہ است　　　　ایں کہ جنبیدہ جنبا نندہ است

(ہر عاقل یقیناً اس بات کا جاننے والا ہے کہ حرکت والی چیز کا کوئی متحرک ہے)

تم اپنی آنکھوں سے تیر اڑتا ہوا دیکھتے ہو اور کمان نظر سے غائب ہے مگر کمان پر دلالت کرتا ہے۔

ہاتھ پوشیدہ ہو قلم کی حرکت سامنے ہو تو عاقل جانتا ہے کہ قلم کسی زندہ کے ہاتھ میں نہ ہو تو حرکت ہو نہیں سکتی پس قلم کی حرکت سے ہاتھ کا وجود بدون دیکھے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

میدان میں جب گھوڑا تیز دوان ہوتا ہے تو تیز رفتاری کے سبب گرد و غبار میں سوار مخفی ہو جاتا ہے لیکن گھوڑا دوڑتا ہوا دیکھ کر بدون سوار کو دیکھے سوار دوڑانے والے کا یقین کر لیا جاتا ہے۔ پھول کی خوشبو سونگھ کر بدون پھول دیکھے ہوئے پھول کا وجود خوشبو کے آنے سے تسلیم کر لیتے ہیں۔

شرابی کے جوش اور نشے سے بدون شراب دیکھے ہوئے مان لیتے ہو۔

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود　　　　جوش مل دیدی کہ آنجا مل نبود

صورت دیوار سقف ہر مکان　　　　سایہ اندیشہ معمار دان

یعنی دیوار کی صورت اور ہر مکان کی چھت دیکھ کر اس کے معمار کی سوچ و فکر کا نتیجہ سمجھنا چاہئے اس ظاہری تعمیر سے معمار کی استعداد باطنی اور تخئیل ذہنی پر استدلال کر لیتے ہو۔اسی طرح دنیا میں اور بھی مثالیں ہیں کہ سبب پوشیدہ ہوتا ہے مگر مسبب کو دیکھ کر مخفی سبب پر یقین کرتے ہیں۔

مثلاً گریہ وزاری یا چہرہ کی افسردگی کسی مخفی خیال غم کے تابع ہوتی ہے۔
چہرے کی بشاشت و تازگی کسی باطنی حسرت کی مخبری کرتی ہے۔
اسی طرح یہ غذائیں جو باعتبار وجود کے ظاہر ہیں انسان کے اندر بینائی شنوائی وغیرہ پیدا کرتی ہے جن کو ہم دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اس قدر نظائر کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں بہت سے مغیبات یعنی مخفی موجودات کو ہم بدون دیکھے ہوئے محض ان کے آثار اور ان کی نشانیوں سے تسلیم کرتے ہیں یہ سب ایمان بالغیب کے نمونے ہیں۔ پس وہ ذات پاک کہ جس کے وجود پاک پر تمام عالم کا ہر ایک ذرہ ایک ایک پتہ نشان دہی کرتا ہو جس کی نشانیوں کو ہم شمار تک نہیں کر سکتے ہیں ایسی ذات پاک پر ایمان نہ لانا ان بے شمار نشانیوں کے ہوتے ہوئے سخت نادانی اور کھلی گمراہی اس لئے حق تعالیٰ نے کافروں کو اکثر جگہ لَا یَعْقِلُوْنَ فرمایا ہے اور لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ فرمایا ہے۔

ایمان اور رسالت

"ہر آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے ہر کام میں غور کرے کہ جو کام میں کر رہا ہوں اس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ شامل ہے یا نہیں۔ جس پر اس کا ایمان ہے۔ اگر ہے تو عمل صالح ہے نہیں تو عمل طالح ہے"۔

(جواہر حکمت)

ایمان کی قدر کیجئے

والدین اپنے بچوں کی تربیت کے دوران ان باتوں کا خیال رکھتے نہیں کہ انہیں ضروری دینی معلومات فراہم کردیں' کم از کم اتنا تو سکھادیں کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرسکیں۔

ہر طرف گہما گہمی ہے' کاروان زندگی پوری رفتار سے رواں دواں ہے' ہر شخص مصروف ہے' کسی کو سر کھجانے کی فرصت نہیں' تو کوئی سر اٹھا کر دیکھنے سے بھی قاصر' ہر شخص دنیا کی اس دوڑ میں بری طرح مگن ہے' کوئی اس سفر کے خاتمے سے دوچار ہوکر ابدی نیند سو چکا تو کسی کی اونگھ اسے اختتام سفر کا پیغام دے رہی ہے' لیکن دنیا کی اس پرفریب چمک دمک نے اکثر مسافروں کو اس نیند سے بے خبر کر رکھا ہے جو ہر ذی روح کو اپنی آغوش میں لے کر ایسا سلاتی ہے کہ پھر اسے اسرافیل کے صور کے علاوہ کوئی ساز و آواز بیدار کرنے سے عاجز ہے۔

آج دنیا کے مسافر کا یہ حال ہے کہ اسے کوئی غرض نہیں کہ اس کا تعلق اسلام سے ہے یا عیسائیت سے' وہ بتوں کی پوجا کرتا ہے یا آگ کی پرستش' وہ سینکڑوں خداؤں کا قائل ہے یا خود انسان کو خالق مانتا ہے' وہ تو بس سعی لاحاصل کوشش کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہے اور خواہش یہ ہے کہ سب سے پہلے کنارے پر پہنچ جائے۔

مسلمانوں کی حالت ہی اتنی قابل تشویش ہے کہ ہم دوسروں پر کیا توجہ دیں' اسے ایمان کی اہمیت کا اندازہ نہیں اور نہ ہی وہ جاننا چاہتا ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تمام عبادات اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت کی حامل ہیں اور ہر عبادت اپنی ایک شناخت رکھتی ہے کوئی فرض ہے' کوئی واجب ہے کوئی سنت اور کوئی مستحب' لیکن یہ تمام عبادات صفر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اگر ایمان کا صرف ایک شروع میں لگ جائے تو ہر عبادت اپنا صفر لگا کر رقم کو بڑھاتی جائے گی اگر 1 کے بعد ایک صفر لگائیں تو 10 بن گیا۔ اگر دو صفر لگائیں تو 100 اگر تیسرا صفر لگائیں

تو 1000 اس طرح جتنے صفر بڑھا ئیں گے رقم بڑھتی جائے گی۔ بشرطیکہ شروع میں ایمان کا ایک عدد ضرور ہو اگر ایمان نہیں تو تمام عبادات' نماز' زکوۃ' روزے' حج' تسبیحات' تلاوت' صدقات' خیرات وغیرہ میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔

قیامت کے روز صرف اسی مسافر کو منزل ملے گی جو اپنے ساتھ ایمان لایا ہو۔ مفہوم حدیث ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کا اعمال نامہ کھولا جائے گا اس کے اعمال نامے کے ننانوے دفتر گناہوں سے بھرے ہوں گے اور حد نگاہ تک پھیلے ہوں گے اس سے کہا جائے گا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہو گا کیا ان ننانوے دفاتر میں کوئی گناہ ایسا ہے جو تو نے کیا نہ ہو اور فرشتوں نے لکھ دیا ہو؟ جواب میں عرض کرے گا کہ نہیں۔ پھر پوچھا جائے گا کہ کوئی گناہ ایسا ہے جو کرنے سے زیادہ لکھ دیا گیا ہو؟ جواب میں عرض کرے گا نہیں۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ گناہوں کا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ تو پھر جواب نفی میں ملے گا۔

پھر اس سے کہا جائے گا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہو گا تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے جا اسے میزان (ترازو) میں تلوالے۔ اسے ایمان کے کاغذ کا ایک پرزہ دیا جائے گا جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہو گا وہ کہے گا کہ ان ننانوے دفاتر کے مقابلے میں کاغذ کا یہ ٹکڑا کیا کام دے گا۔

جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہو گا جب وہ پرزہ ترازو میں رکھا جائے گا تو وہ ننانوے دفاتر ہوا میں اڑنے لگیں گے۔ یہ اعزاز اسی شخص کو ملے گا کہ جو اخلاص کے ساتھ مرتے دم تک ایمان کو بچا رکھے گا اور اس کا ایمان زندگی سے موت تک کے سفر میں اس کا ہم سفر رہا ہو۔

آج کا مسلمان فلموں کا شوقین ہے گانے سننے کا رسیا ہے' ہنسی مذاق سے دل بہلاتا ہے اور اس دوران وہ اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ فلم کے کس منظر کو دیکھنے یا کس چیز کا مذاق اڑانے کی وجہ سے اس کا ایمان سلب ہو گیا وہ یہ تو جانتا ہے کہ اگر بجلی کے بل کی ادائیگی نہیں کی تو لائن کٹ جائے گی۔ قسط نہ بھری تو جرمانہ لگ جائے گا' سگنل توڑا تو چالان ہو جائے گا۔ جہیز نہ دیا تو سسرال ناراض ہو جائے گا' بھتہ نہ دیا تو جان خطرے میں پڑ جائے گی' انشورنس نہ کروایا تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا' سکول کی فیس جمع نہ کرائی تو نام کٹ جائے گا وغیرہ وغیرہ اس طرح کی ہزاروں سوچیں اور خیالات ہر وقت ستاتے رہتے ہیں' آج کے

مسلمان کو یہ تو معلوم ہوگا کہ کن کن چیزوں سے کیس بن جاتے ہیں کن کن چیزوں سے چالان ہو جاتا ہے کن کن چیزوں پر پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوگا کہ کن کن باتوں سے کن کن کاموں سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

نہ آج کے والدین اپنے بچوں کی تربیت کے دوران ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں کہ انہیں ضروری دینی معلومات فراہم کر دیں کم از کم اتنا تو سکھا دیں کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ نہ ہی آج کل از خود کوئی جاننا چاہتا ہے کہ وہ اپنی حقیقت جان سکے کہ ایک مسلمان کی کائنات میں کیا اہمیت ہے؟

اللہ اور اس کے رسول سے ایک کا کیا تعلق ہے؟

اس کی رہنما کتاب قرآن مجید اس سے کس طرح مخاطب ہے؟ اور یہ سب کچھ کس چیز کی بدولت ہے اور جس چیز (ایمان) کی بدولت یہ سب کچھ ہے وہ آخری سانس تک کیسے محفوظ رہے گا۔ خدارا! اپنے اور اپنے اقربا دوست احباب اعزا و اقارب کے ایمان کی فکر اور حفاظت کیجئے۔ دوسروں کی فکر سے اپنا ایمان سب سے پہلے محفوظ ہوگا۔

حفاظت ایمان کا نسخہ

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ مسلمان چاہے جتنی بھی اس کی حالت ابتر ہو مگر وہ صاحب ایمان تو ہے ایمان اللہ کی عطا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ کوئی مومن دوزخ میں نہیں جائے گا کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نجات پا جائے گا ایمان بڑھتا بھی ہے گھٹتا بھی ہے لہٰذا اس کی حفاظت ضروری ہے جس اللہ نے اتنی بڑی دولت ایمان سے نوازا ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی بتلایا ہے۔ چاہے عمر کے کسی بھی حصہ میں گناہ صادر ہوتے رہیں صرف ایک دفعہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر کہے۔ یا اللہ میں نے یہ کیا کیا میں نے اپنے آپ کو برباد کر دیا مجھے معاف کر دیجئے۔

آپ بار بار توبہ کرتے رہیں تو اس سے ایمان میں قوت اور تازگی آتی رہے گی پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کے ایمان میں اتنی قوت آ جائے گی کہ آپ گناہوں سے بچ سکیں گے۔

(خطبات عارفی)

ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

اشیاء کے وجود کی تین صورتیں

کسی چیز کے وجود کی عالم میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

وجودِ لفظی ایک ناتمام وجود ہے

ان ہر سہ اصناف میں لفظی وجود سب سے ضعیف اور کمزور وجود ہے، جو مقاصد و اغراض کسی شئے کے وجود میں ملحوظ ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وجود پر مرتب نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر اس وجود کو عدم کے برابر کہہ دیا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ پانی کا لفظی وجود کسی تشنہ کی پیاس نہیں بجھاتا اور نہ روٹی کا صرف زبانی تذکرہ کسی بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے۔

وجودِ ذہنی لفظی وجود سے قوی ہے

(۲) وجودِ ذہنی گو لفظی وجود سے قوی تر ہے مگر شئے کے تمام آثار و احکام مرتب ہونے کے لیے یہ بھی ناکافی ہے۔

کسی چیز کا وجودِ عینی ہی اس کا مکمل وجود ہوتا ہے

(۳) وجودِ عینی وہ وجود ہے جو خارج میں کسی کے اعتبار کیے بغیر موجود ہوتا ہے اسی وجود کو درحقیقت وجود کہا جا سکتا ہے بقیہ اصناف اس کے توابع اور فروع ہیں۔ یہی مبدءِ آثار ہے اور اسی پر شئے کے سب احکام مرتب ہوتے ہیں۔ آنکھوں کی تر و تازگی، قلب و جگر کی سیرابی، اشجار و ثمار کی سرسبزی یہ سب پانی کے وجودِ عینی ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں،

اسی لیے جب کوئی پیاسا پانی مانگتا ہے تو اس کا مقصد پانی کا عینی وجود سمجھا جاتا ہے اور اس کا لفظی یا ذہنی وجود کسی کے خواب وخیال میں نہیں آتا۔ اسی طرح ایمان کے وجود کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

سابق تمہید کی بناء پر ایمان کا لفظی وجود بیکار محض ہونا چاہیے۔ جب کسی تشنہ کے لیے پانی کا صرف لفظی وجود کار آمد نہیں ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ایمان کا صرف لفظی وجود کیا مفید ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں ایک سخت مشکل یہ درپیش ہے کہ عالم بشریت کی سرتاسر محتاجی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ وحروف کا جامہ پہنائے بغیر ادا کر سکے۔ اس کی قلبی ترجمانی کا یہی ایک ناتمام آلہ ہے اگر وہ بھی ناقابل اعتبار ٹھہرے تو عالم انسانی کا تمام کاروبار معطل اور بیکار محض ہو جائے۔ اس لیے چاروناچار ایمان کا لفظی وجود بھی شریعت میں ایک حد تک قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ. میں اس بات پر مامور ہوں کہ جب تک کفار لا الہ الا اللہ نہ کہیں ان سے جنگ جاری رکھوں۔

اب اسے ایمان کی رفعت اور بلندی کہیے یا اس کی فیاضی سے تعبیر کیجیے کہ محض زبانی کلمہ توحید پر اس نے جان بخشی کا اعلان کر دیا ہے اور کسی کے سرائر اور مکنونات صدر (دل کے راز) سے کوئی بحث نہیں کی۔

(حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ثبوت کا دار ومدار کسی ایسی ہی چیز پر ہونا چاہیے جس کا علم یکساں طور پر سب کو ہو سکے اگر خدا کے رسول کے علم پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً منافقین کا گروہ، کفار میں شمار ہوتا۔ اب اگر ان کو قتل کیا جاتا تو انہیں ناحق یہ بدنام کرنے کا موقعہ ہاتھ آ جاتا کہ آپ اپنے اصحاب ورفقاء کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اس لیے کلمہ توحید کا زبانی اقرار ہی اسلام قبول کرنے کا معیار قرار دے دیا گیا اور اسی ایک کلمہ پر جنگ کے آغاز وخاتمہ کا دار ومدار رکھ دیا گیا۔ (کتاب الایمان ص ۱۷۷)

اس جگہ یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ اسلام میں تصدیق قلبی کے بغیر صرف زبانی اقرار کر لینا بھی کوئی وزن رکھتا ہے کیونکہ قلبی تصدیق ایمان کا وہ اہم رکن ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی کسی

حالت میں قطع نظر کے قابل نہیں سمجھا گیا تھی کہ بحالت اکراہ جب کہ اپنی جان پر بن رہی ہو زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی صرف اسی شرط سے اجازت دے دی گئی ہے کہ قلب کی گہرائیاں اذعان وایقان سے لبریز اور معمور ہیں۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ. (النحل:۱۰۶) مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے۔

جو صورت حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اگر زبان اقرار کر لیتی ہے اور دوسری کوئی دلیل جو قلبی انحراف پر دلالت کر سکے ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتی تو اس وقت ہم اس بات کے مامور ہیں کہ اس اقرار ہی کو قلبی تصدیق کی دلیل سمجھیں۔

اسلام جو اخلاق عالیہ کا سب سے اول معلم ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان کی زبان کو بلاوجہ جھوٹا قرار دے یا اس کے متعلق کسی اندرونی کمزوری کی بناء پر اپنے ضمیر کے خلاف بولنے کا تصور لائے۔ دنیا میں ایک بڑے سے بڑا انسان خواہ اخلاق کے کتنے ہی بلند مقام تک کیوں نہ پہنچ چکا ہو کبھی اپنے حریف پر وہ بھی بحالت جنگ اعتماد کا خیال نہیں کر سکتا، یہ اسلام ہے جو یہ دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے حریفوں کی زبان پر بھی اعتماد کر لو اور اس تشویش میں نہ پڑو کہ ان کے دلوں میں کیا ہے، اگر ان میں کوئی سعید روح ہوگی تو ایک دن وہ خود بخود اپنے اس صدق نما کذب پر نادم ہوگی اور دل بھی زبان کی طرح اسلام کا کلمہ پڑھ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر کو بکریاں چراتے دیکھا۔ دوران جنگ میں ایک فریق دوسرے فریق کی گھات میں لگا ہی رہتا ہے۔ صحابہؓ نے ارادہ کیا کہ اس کی بکریاں چھین لیں، اس نے اپنا پانسا کمزور دیکھا اور وہ وقت آ گیا کہ جو اسلام مدت سے اس کے سینہ میں گھوم رہا تھا اب دل میں اتر آئے وہ اسلام لے آیا، مگر اس حال میں دشمن کا اقرار وفاداری، انسان کی کمزور فطرت کب قبول کرتی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس اسلام کو صرف مال کے بچاؤ کا ایک ذریعہ سمجھا اور اس کی بکریاں غنیمت کا مال بنالی گئیں۔ لیکن اسلام جو اخلاق کے آخری منازل صرف زبانی سکھانے نہیں آیا تھا بلکہ طے کرانے آیا تھا اس کمزوری کو کب برداشت کرتا، اس واقعہ کی اہمیت محسوس کی گئی اور اتنی کی گئی کہ وحی الٰہی کو دخل دینا پڑا اور نہایت تنبیہ آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (نساء: ۹۴)

اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے "سلام علیک" کرے کہ تو مسلمان نہیں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا۔

کتب احادیث میں اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں، جہاں اسلام کے لفظی وجود یعنی صرف اقرار باللسان کو دنیوی احکام کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت مقداؓد فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ اگر دوران جنگ میں دشمن میرا ایک بازو کاٹ دے اور جب میرا موقعہ لگے تو وہ جان بچا کر درخت کی آڑ میں آ جائے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو کیا میں اس کے اس مجرمانہ اقدام کے بعد بھی اس کا یہ مبہم اسلام قبول کر لوں؟ ارشاد ہوا ضرور اور اگر اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھنا تم اب اسی طرح مباح الدم سمجھے جاؤ گے جیسا وہ اپنے اسلام لانے سے قبل مباح الدم تھا۔ (مسلم شریف)

دیکھو یہاں بھی انسان کی کمزور فطرت کس طرح اپنے حریف کا اسلام مبہم کر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے انتقام میں یہ لفظی اسلام حائل نہ ہونے پائے مگر یہ اسلام ہے جو اپنے ہمنواؤں کے سینکڑوں بازو حریفوں کی ایک زبان پر نثار کر رہا ہے۔ انتقام کو فطری حق ہی مگر اسلام اس نازک ماحول میں یہ ثابت کر دینا چاہتا ہے کہ ایک کلمۂ حق کے احیاء میں وہ اپنے فطری اور وقتی حق سے بھی دست بردار ہو سکتا ہے۔

احادیث میں کچھ واقعات ایسے بھی نظر سے گذرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمنوں کی جان و مال کا تکفل ان کی عزت و احترام کا تحفظ کچھ خاص اس کلمہ کے ادا کرنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ صرف اقرار وفاداری کی ضرورت ہے خواہ کسی زبان سے ہو اور کسی عمل سے۔

حضرت خالدؓ مسلمانوں کا ایک دستہ لیے ہوئے مصروف جہاد ہیں، دشمن چاہتا تھا کہ اسلام قبول کرلے مگر ناواقفی اور جہالت کی وجہ سے اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) کا لفظ نہ کہہ سکا اور اس کے بجائے صبانا صبانا کی صدا بلند کرنے لگا (یہ لفظ عربی زبان میں بد دین ہونے کے لئے مستعمل ہے) اسی کمزوری فطرت کی وجہ سے یہاں بھی یہ نازک اسلام قبول نہ ہوا اور آخر اسی حالت میں سب کو موت کا جام پی لینا پڑا۔ رحمۃ للعالمین کو جب

اطلاع ملی تو انتہاء درجہ مضطرب ہوئے اور اسی اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ اس تصور میں آسمان کی طرف اٹھ گئے کہ مبادا خدائے تعالیٰ کا قہر ان معصوموں کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائے اور میں بھی اس میں شامل سمجھا جاؤں اس لیے فرمایا اے پروردگار! جو غلطی خالد سے سرزد ہوئی میں اس سے بری ہوں۔ (بخاری شریف)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لفظی وجود کو ضعیف تر بلکہ مرادف عدم ہے پھر اسلام نے اس کا کیوں اعتبار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اقرار سے مراد یہاں وہی اقرار ہے جسے ضمیر کی صحیح آواز کہا جا سکے ورنہ اسے اقرار ہی کہا جائے گا بلکہ وہ انکار کی صرف ایک اقرار نما صورت ہوگی۔ اسلام کے اس لفظی وجود کو فقہاء کی اصطلاح میں اقرار باللسان کہا جاتا ہے

اقرار باللسان

فقہاء کو اس میں اختلاف ہے کہ اسلام میں اقرار کی حیثیت کیا رکھنا چاہیے، ایک جماعت رکن کی حیثیت تجویز کرتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ پہلی جماعت کا خیال ہے کہ اقرار بھی ایک نوع کی تصدیق ہی کا نام ہے فرق ہے تو یہ کہ ایک تصدیق قلب سے ہوتی ہے اور اقرار زبان کی تصدیق ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ تصدیق کی ایک نوع رکن اور دوسری شرط قرار دے دی جائے۔ یہ اور بات ہے کہ تصدیق قلبی رکن اصلی ہے یعنی کسی حالت میں یہاں تساہل برداشت نہیں کیا جا سکتا اور اقرار رکن زائد یعنی بعض صورتوں میں یہاں اغماض یعنی چشم پوشی کر لینا بھی ممکن ہے جیسا کہ اکراہ یعنی زبردستی میں۔

شیخ ابو منصور ماتریدی شیخ ابو الحسن اشعری، اور امام نسفی کا میلان خاطر اقرار کی شرطیت کی طرف ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ثبوت اسلام سے قبل ہی احکام اسلام کا نافذ کر دینا تو غیر معقول ہے اور زبانی اقرار کے بغیر ہمارے پاس اسلام پر کوئی شہادت نہیں اس لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ نفاذ احکام اسلامیہ کے لیے اقرار باللسان کو شرط کہا جائے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اگر اس اقرار کا صرف یہ مقصد ہے تو تنہائی کا اقرار کافی نہ ہونا چاہیے بلکہ کم از کم مسلمانوں کے امیر کے سامنے ہونا چاہیے تاکہ اجراء احکام کا اصل مقصد

حاصل ہوسکے۔ اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مطالبہ کے بعد زبان سے اقرار کرنا بہرکیف ضروری ہے کیونکہ اب اقرار نہ کرنے کے معنی گویا انکار کرنا ہیں، یہ کفر جحود کہلاتا ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ. (نمل: ۱۴)

اور انکار کیا ان (آیات) کا حالانکہ اپنے دل میں اس کا یقین کر چکے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کبھی دل اندر سے یقین کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے مگر زبان پھر بھی انکار سے باز نہیں آتی، اس کا نام اصطلاح میں کفر عناد ہے۔ حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ہمارے فقہاء نے ایمان کی تعریف میں اسی لیے اقرار کا اضافہ کردیا ہے کہ جو تصدیق قلبی زبانی انکار کے ساتھ ہو وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہ رہے اور یہ سمجھا ہے کہ جب زبان کے لیے اقرار کرنا لازم ہو جائے گا تو اب انکار کی گنجائش ہی نہیں ہوگی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو دوسری طرح ادا کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب تک اقرار نہ ہو، ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے قلب میں حقیقۃً تصدیق موجود ہے، لہٰذا اگر ایک شخص مطالبہ کے بعد بھی اقرار نہیں کرتا تو ہم اسی پر محمول کریں گے کہ اس کو تصدیق قلبی حاصل نہیں ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اقرار باللسان ایمان کا جزء قرار دیا جائے۔ (کتاب الایمان ص ۸۸)

ہم کہتے ہیں کہ اگر اقرار کرنا اسی مقصد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے جو حضرت استاذ (مولانا انور شاہ کشمیری) مرحوم کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر رکنیت اور شرطیت کا اختلاف بہت بڑھانا نہ چاہیے۔ بلکہ اب مناسب یہ ہے کہ اختلاف کی تنقیح یوں کردی جائے کہ اقرار کرنا بالاتفاق ضروری ہے مگر ایک فریق نے اس کی اہمیت زیادہ محسوس کر کے رکنیت کا لفظ کہہ دیا ہے اور دوسری جماعت نے گو اہمیت کو تسلیم کیا ہے مگر رکنیت کا لفظ نہیں کہا، پھر اگر پہلے فریق نے رکن کہا ہے تو لفظ زائد کہہ کر اسے ذرا پھیکا بھی کردیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ یہاں ایک اور مفید تحقیق فرما گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقرار کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) زبان سے تصدیق کرنا (۲) التزام طاعت اور عہد عمل و فرمانبرداری، آیت ذیل میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے کہ سچا بتائے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔

اس آیت میں اقرار کا لفظ عہد عمل اور التزام طاعت ہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ یہاں انبیاء سے کسی امر کی صرف تصدیق مطلوب نہیں بلکہ اس کا عہد لیا جا رہا ہے کہ جو رسول تمہارے پاس آئے گا تمہیں اس کی اطاعت کرنا ہوگی اس پر ایمان لانا ہوگا، اس کی نصرت کرنی پڑے گی، التزام طاعت کا بھی یہی مفہوم ہے اب اگر اقرار سے یہ معنی مراد لے لیے جائیں تو ایمان کی تعریف میں صرف اقرار کی قید کافی ہوگی، ورنہ التزام طاعت کے تیسرے رکن کا اور اضافہ کرنا ضروری ہوگا۔

ایمان اور غائبات سے اس کی خصوصیت

چونکہ علماء نے ایمان کی تعریف میں عموماً تصدیق کا ہی لفظ ذکر کیا ہے اس لیے عام طور پر ایک غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ایمان گویا تصدیق کے مرادف ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن وسنت میں جہاں جہاں یہ لفظ مستعمل تھا اس کی تشریح کے لیے بس تصدیق کا لفظ کافی سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان ہر دو لفظوں میں بہت بڑا فرق ہے اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ان احادیث وآیات کی اصل مراد ہی ہاتھ نہیں آسکتی۔ حافظ ابن تیمیہ کا خدا بھلا کرے جنہوں نے اس ضروری فرق کو بیان فرما کر ان بے شمار آیات واحادیث کے معانی سے حجاب غفلت اٹھا دیا ہے اور ان کی صحیح مرادیں ہمارے سامنے واضح کر دی ہیں۔ ضروری ہے کہ پورے اعتناء کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا لفظ امن سے مشتق ہے اس لیے امانت واعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ لفظ تصدیق کے مادہ میں چونکہ یہ خصوصیت نہیں ہے اس لیے ہر خبر میں خواہ وہاں مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو تصدیق کا لفظ یکساں مستعمل ہو سکتا ہے، ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہے گا جو اپنی چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں

کیونکہ یہاں اگر تصدیق کی جائے گی تو وہ صرف مخبر کی امانت و دیانت، اس کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کی جائے گی۔ اسی لیے اگر ایک شخص طلوع آفتاب یا فوقیت آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں "آمنت" نہیں کہہ سکتے، یا دو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لفظ ایک دوسرے کی تصدیق کے لیے "صدق احدھما صاحبہ" کہا جاتا ہے "امن لہ" نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کے لیے دوسرے پر اعتماد و وثوق کی کیا ضرورت ہے، یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے۔ اس لیے یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔

اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے واپس آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں جب اپنے بھائی کے قتل کا غلط افسانہ عرض کیا تو "وما انت بمومن لنا" کہا "وما انت بمصدق لنا" نہیں کہا۔ چونکہ یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی عدم موجودگی میں تیار کیا گیا تھا، اس لیے اگر وہ اس کی تصدیق کر سکتے تو صرف ان کے اعتماد و وثوق کی بناء پر کر سکتے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر چونکہ ان کو اعتماد نہیں تھا اس لیے اس بے اطمینانی و بے اعتمادی کے موقعہ پر "وما انت بمومن لنا" سے زیادہ خوب صورت لفظ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ہمارے بیان کی تصدیق ہو تو کیونکر خود آپ تشریف فرما نہ تھے اور ہم پر آپ کو اطمینان و اعتماد نہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہیں ہم سچے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں حضرت لوط علیہ السلام کی تصدیق کو قرآن کریم نے اسی لفظ ایمان سے ادا کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی تصدیق صرف ان کے اعتماد پر کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فامن لہ لوط" یہاں بھی "فصدق لہ لوط" نہیں فرمایا۔

غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورۂ بقرہ میں "یؤمنون بالغیب" کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے یہاں غیب کا لفظ صرف بطور بیان واقع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ ہے۔ مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر یہ حقیقت پورے طور پر سمجھ لی جاتی تو اخبار غائب میں بحث و تمحیص کا ایک مرحلہ بڑی حد تک ختم ہو جاتا۔ ناواقف صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق ہے تو کس چیز سے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات پہلے اس طرح معقول بنائے جائیں کہ پھر ان کی تصدیق کے لیے اعتماد رسول کا واسطہ ہی نہ رہے اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال و افعال کے تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے۔ اسی تسلیم و رضا میں انسانی عقول کی آزمائش ہے۔ پختہ کار جانتا ہے کہ ایک صادق القول پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر کوئی اور دلیل اطمینان بخش نہیں ہو سکتی مگر ایک خام کار اپنی نارسائی اور بے شعوری کے باوجود دلائل کے بغیر شفاء حاصل نہیں کرتا۔

حالانکہ دلائل کا راستہ سرتا سر تردد و شبہ کا راستہ ہے، عقل انسانی اگر غائبات پر ایک طرف کوئی دلیل قائم کر بھی لے تو دوسری عقل اس کے خلاف پر دلائل قائم کرنے سے عاجز نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عقلاء میدان بحث میں کبھی کسی امر پر متفق نظر نہیں آتے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف دلائل کا دروازہ کھٹکھٹاتے نظر آتے ہیں۔ آئے دن ان کی تحقیقات کی دنیا بدلتی رہتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اسی ایک عالم جہالت سے دوسرے عالم جہالت کی طرف منتقل ہونے کا نام (ریسرچ) اور تحقیق رکھ لیا جاتا ہے کاش کہ صاحب وحی کی ریسرچ پر اعتماد و وثوق کر لیتے تو یہ عمر عزیز ساحل کی تلاش میں یوں مفت برباد نہ ہوتی حقیقت کا راستہ شریعت نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا ہے۔ اب جو کام ہمارا رہ جاتا ہے وہ اس پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ جانا ہے اور بس۔

ایمان بالغیب کا راستہ بس یہی ایک راستہ ہے جس میں روح کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے ماسوا، جس قدر راہیں ہیں وہ تذبذب کی راہیں ہیں، تردد کی راہیں ہیں، نہ روح کے لیے ان میں کچھ تسلی ہے نہ نفس کو کچھ تشفی۔

إِنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔ (الانعام: ۱۵۳)

یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس پر چلو، دوسرے اور منحرف راستوں پر مت چلو، کہ وہ تمہیں اس بڑی شاہراہ سے جدا کر دیں گے۔

مذکورہ بالا بیان کا مقصد غور وفکر کی راہ بند کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس کا ایک دائرہ بتلانا ہے اس کا نام عقل کا تعطل نہیں بلکہ طریق استعمال کی صحیح تعلیم ہے۔ آیات آفاق و انفس کا دائرہ کیا کم ہے کہ اسے چھوڑ کر عالم غائبات پر اٹکل کے تیر چلائے جائیں جو دار العمل ہے اس میں خوب غور کرو اور جو دار الجزاء ہے اسے احکم الحاکمین کے حوالہ کر دو۔

عالم غیب اور دلائل

جب تک ایمان کا مقام انقیاد میسر نہیں آتا۔ آپ کو حجت بازی کا موقعہ رہتا ہے۔ لیکن جب رسالت کی تصدیق دلیل یا بے دلیل حاصل ہوگئی تو اب انقیاد باطن کا یہ نازک مقام زیادہ لن ترانیوں کا متحمل نہیں رہتا اور آپ کا صرف ایک ہی فرض رہ جاتا ہے کہ رسول کہے اور آپ خاموش سنیں، وہ حکم دے اور آپ مانیں اور کیوں نہ مانیں اگر قلب طوق غلامی پہن چکا ہے تو زبان کو سرتابی کا حق کیا ہے۔ بقول غالب ؎

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو

نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

رسول کی تصدیق کا بھی دعویٰ ہے پھر بات بات پر شبہات اور حجت بازی کی خلش بھی جاری ہے کیا بیک وقت یہ دو متضاد باتیں نہیں؟ کیا وثوق اور اعتماد اسی کا نام ہے کہ رسول جو کہتا ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ دلائل و براہین سے وہ ہمارا منہ بند نہ کر دے۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو اور رسول کو مانا اور ہم ان کے فرمان بردار بن گئے۔ اس کے بعد پھر ان میں سے ایک جماعت پھر جاتی ہے، اور وہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسول کی طرف تا کہ ان میں فیصلہ کرے تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑ لیتا ہے اگر ان کو کچھ ملتا تو اس کی طرف (فوراً) چلے آئیں قبول کر کے، کیا ان کے دلوں میں (کوئی) روگ ہے یا دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول بے انصافی کرے گا۔ کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب اللہ اور رسول کی طرف ان میں فیصلہ کے لیے بلائے جائیں تو کہیں ہم نے سنا اور حکم مان لیا اور کامیاب یہی لوگ ہیں۔

اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و اطاعت کا نام ہے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۰)

اب آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ ایمان کا وجود ذہنی یا شرعی تصدیق کوئی معمولی تصور نہیں ہے جس کی حیثیت صرف ایک خواب و خیال کی سی ہو بلکہ قلب انسانی پر یہ وہ نقش ہے جو ایک لمحہ میں آبائی عقائد کے سب نقوش محو کر دیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے مفاخر آنکھوں میں معائب نظر آنے لگتے ہیں حتیٰ کہ طعام و شراب، وضع و قطع، رفتار و گفتار سب میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے بلکہ سمع و بصر، ذوق و شم یعنی حواس خمسہ کی دنیا منقلب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو نغمہ پہلے دلکش تھا جو صورت پہلے دل فریب تھی، جو کھانا لذیذ معلوم ہوتا تھا، جو خوشبو بھلی لگا کرتی تھی، اب اسی نغمہ میں وہ دلکشی، اسی صورت میں وہ دلبری، اسی کھانے میں وہ لذت، اسی خوشبو میں وہ کشش باقی نہیں رہتی مدتوں کی صحبت سے طبیعت اگر کبھی مچلتی بھی ہے تو دل اندر ہی اندر سمجھانے لگتا ہے اور آخر تصدیق قلبی کی مضبوط کڑیاں آ ہنی اسلام سے ادھر ادھر جانے نہیں دیتیں۔ نفس چاہتا ہے کہ قدیم لذائذ کا پھر مزہ لوٹے مگر صفت انقیاد کا ذائقہ انہیں بے مزہ بنائے دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہاء نے کفر کے بعد اسلام کو ایک حیاۃ نو سمجھا ہے اور کفر و اسلام پر بہت سے ایسے احکام متفرع کر دیئے ہیں جو حقیقی موت و حیات پر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے کفر و اسلام کی معمولی تبدیلی انسان کے آخرت کی تبدیلی بن جاتی ہے اگر کسی کو تمنا ہے کہ وہ عالم نقمت کو عالم نعمت سے اور عالم عذاب کو عالم ثواب سے بدل دے تو اس کو چاہیے کہ آج عالم کفر کو عالم اسلام سے بدل لے۔ قدرت کے اس دست فیاض پر قربان جس نے عالم فانی کی اس ترمیم سے عالم جاودانی کی ترمیم کا وعدہ فرمالیا ہے بلکہ اس ابدی مقام کو اس عارضی ترمیم کا تابع بنا دیا ہے کیا اب بھی آپ سمجھ گئے کہ تصدیق قلبی کسے کہتے ہیں اور ایمان کا وجود ذہنی کیا ہے؟

ایمان کا وجودِ عینی

ایمان کا لفظی اور ذہنی وجود آپ سن چکے یہ وجود جب اور رسوخ و پختگی اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہی ایمان جو اس منزل تک صرف ایک معنی تھا اب رفتہ رفتہ شکل و صورت اختیار کرنے لگتا ہے۔

ارباب حقائق کے نزدیک تو معانی کا تجسد ثابت شدہ حقیقت ہے اور موجودہ تحقیقات کے مطابق بھی آج وزن جو درحقیقت مادہ کی صفت تھی حرارت کے لیے بھی ثابت ہو چکی ہے بلکہ اس کے وزن کے لیے ایک مقیاس الحرارت بھی تیار کر لیا گیا ہے اور اب با سانی ہر شخص اپنی حرارت کا وزن کر سکتا ہے۔ اسی طرح آواز کو مدت تک محض ایک معنی تصور کیا گیا تھا جو ہوا میں آتی اور فنا ہو جاتی ہے مگر حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عالم کی پیدائش سے لے کر آج تک جتنی اصوات اس (فضاء) میں نکلیں ہیں وہ سب کی سب محفوظ موجود ہیں اور ان سے استفادہ کی سعی ہنوز جاری ہے۔ ریڈیو کی محیر العقول ایجاد کی بنیاد یہی جدید انکشاف ہے۔ یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ تحقیقات عصریہ باوجود اس تمام جدوجہد کے اب تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں جہاں ہمارے ارباب حقائق کی نظریں آج سے سینکڑوں سال پیشتر پہنچ چکی تھیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں اصوات کے صرف وجود کی تصریح نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی صورتوں کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی کسی دلیل سے نہیں بلکہ اپنے چشم دید مشاہدہ سے دیکھئے کہ سائنس اپنی اس برق رفتاری کے باوجود کب اس مقام تک پہنچتی ہے۔

اسی طرح ایمان بھی ابتداء گو تصدیق قلبی کا نام ہے مگر یہ تصدیق اعمال صالحہ کے آبیاری سے نشوونما پا کر ایک نور کی سی شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہی نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے۔ حضرت لقمان کی وصیت میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بیٹے جس طرح کھیتی بلا آبیاری کے سرسبز نہیں ہو سکتی اسی طرح ایمان بلا علم وعمل کے پنپ نہیں سکتا۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۸)

امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی اور امام ابو عبید اور امام اصبہانی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ پہلے ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل پر قلب میں نمودار ہوتا ہے اور جتنا ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو سارا قلب سفید ہو جاتا ہے یہی حال نفاق کا ہے کہ پہلے سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور بالآخر تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ایک مومن کا قلب نکال کر دیکھو تو بالکل سفید پاؤ گے اور ایک منافق کا قلب دیکھو تو بالکل سیاہ

دیکھو گے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۵۹) لیکن معانی کے اس تجسد کے مشاہدہ کے لیے وہی تیز آنکھیں درکار ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کیا گیا تھا ایک سنہری طشت ایمان وحکمت سے لبریز لایا گیا اور اسے آپؐ کے صدر مبارک میں لوٹ دیا گیا تھا۔ عجب نہیں کہ اس سے مراد ایمان کا یہی وجود عینی ہو۔ انبیاء کے کمالات اکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے بلکہ قدرت اسی طرح ان کے منازل کمالات خود طے کرا دیتی ہے۔

یہ نور تصدیق جس قدر رسوخ پیدا کرتا جاتا ہے اتنا ہی خواہشات نفسانیہ کے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے یہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اسی قدر یہ نور اور منبسط ہوتا جاتا اور پھیلتا جاتا ہے شدہ شدہ یہاں تک پھیل جاتا ہے کہ انسان کے تمام جوارح کا احاطہ کر لیتا ہے اور یہ مومن گویا خود ایمان مجسم بن جاتا ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ خدا یاد آنے لگتا ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن غنم (بفتح غین وسکون نون) اور اسماء بنت یزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بہتر بندے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر نظر پڑے تو خدا یاد آ جائے۔ (مسند احمد شعب الایمان مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان والغیبۃ)

اس نور کی وسعت کی بقدر اوامر الٰہیہ کے امتثال اور محظورات شرعیہ سے اجتناب کا جذبہ عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ اخلاق رذیلہ زائل ہو جاتے ہیں اور اخلاق فاضلہ اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور قلب کو وہ وسعت میسر آ جاتی ہے کہ سارا عالم اس کے پہلو میں مثل ایک نقطہ کے نظر آنے لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مومن کا یہ وہ قلب ہے جو اس کے پروردگار کی تجلی گاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے۔

بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔

جس کسی کی ہدایت کا اللہ ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

یہ شرح صدر بھی گو ایک معنی ہیں جس کا مطلب صرف اسلام کا فراخدلی سے بلا پس و پیش قبول کر لینا سمجھا جا سکتا ہے مگر اس معنی کا بھی ایک وجود عینی ہے وہ صرف یہ معنوی فراخی

نہیں بلکہ وہ وسعت ہے جو مومن کامل اپنے قلب میں حسا بھی مشاہدہ کرتا ہے (علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے اس شرح صدر کی تفصیل میں سفر السعادۃ میں مستقل ایک فصل لکھی ہے مراجعت کی جائے) اب حضرت رسالت کے حق میں شرح صدر کا جو مصداق ہو سکتا ہے اس کا خود اندازہ کرلو۔ قرآن امتنان کے لہجہ میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. (الشرح: ۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب نور یقین قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایک فراخی اور کشادگی نمودار ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس کی کچھ علامت بیان فرمایئے۔ ارشاد ہوا اس کی تین علامتیں ہیں:

(۱) آخرت کی طرف میلان۔ (۲) دنیا سے نفرت اور یکسوئی۔ (۳) موت سے پیشتر اس کی تیاری۔ (شعب الایمان للبیہقی۔ مشکوٰۃ شریف)

یہ ہے ایمان کا وجود عینی۔ یہی دعوت انبیاء علیہم السلام کا مقصد ہے اور اسی پر نجات مطلقہ (یعنی بلا عذاب) اور فلاح ابدی کا مدار ہے۔ اس ایمان کے بعد مومن کے کان "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کی پر کیف صدا سننے لگتے ہیں۔ اس مومن کو اگر جلا کر خاک بھی کر دیا جائے۔ اس کے جسم و جان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے تو بھی اس کے ذرہ ذرہ سے اسی ایمان کی صدا بلند ہوگی۔ یہ ایمان صرف ذہنی اور عقلی نہیں رہتا بلکہ دیگر محسوسات کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے اس کا نور آنکھیں دیکھتی ہیں۔

سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (الفتح: ۱۱۹) سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی علامت (ظاہر) ہے۔

قلب اس کی حلاوت اور شیرینی اس طرح محسوس کرنے لگتا ہے جیسا کہ زبان مٹھائی کی۔ یہ ایمان فطرت انسانی کا ایک مقتضا بن جاتا ہے اور جس طرح فطری خصائل زوال پذیر نہیں ہوتے اسی طرح یہ ایمان بھی زوال کے خطرہ سے بڑی حد تک مامون رہتا ہے۔

ہرقل جو بہت بڑا عالم کتاب تھا اسی وجود عینی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس نے اپنے دوران مکالمہ میں ایک سوال ابوسفیان سے یہ بھی کیا تھا کہ اس پر ایمان لا کر کیا کوئی شخص مرتد

ہوتا ہے، اس پر ہزار عداوت کے باوجود جو جواب ابوسفیان کی زبان سے نکلا وہ صرف نفی محض میں تھا۔ یہ سن کر ہرقل نے جو کلمات کہے اس کی علمی گہرائی کا خوب پتہ دیتے ہیں۔

یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تراوت دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔

یہ ایمان کے وجود عینی ہی کی طرف اشارہ ہے اسی کا نام ایمان کامل ہے اسی کو معرفت بھی کہا جاتا ہے علوم ابتداء میں صرف علوم رہتے ہیں مگر کچھ رسوخ کے بعد قلب میں اپنا ایک رنگ پیدا کر دیتے ہیں جس کے بعد قلب میں لطف اندوزی یا انقباض کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اس وقت ان کا نام حال ہو جاتا ہے پھر اگر ترقی کر کے یہ لون اور رسوخ اور پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اسی کا نام معرفت بن جاتا ہے اور اسی کو مرتبہ احسان سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ علوم کی انتہائی معراج ہے۔ پھر اس معرفت میں بے نہایت مراتب و مدارج ہیں اور ان ہی مراتب کے لحاظ سے مؤمنین کا تفاضل ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات:۱۳)

عزت اللہ کے یہاں اسی کو ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

عمل وایمان کا توازن

ایک ظاہر بین صرف عمل پر نظر رکھتا ہے اور اسی پر فضیلت و مفضولیت کا فیصلہ کر ڈالتا ہے، مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ اصلی روح اعتقاد باطن ہے اور عمل اس کا صرف ایک قالب اور ڈھانچا ہے اس لیے اس کی نظر قوت ایمانیہ پر ہوتی ہے اور یہی اس کا معیار فضیلت رہتا ہے صحیح احادیث میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب مذکور ہے کہ گویا کنویں پر ایک ڈول پڑا ہے۔ پہلے میں نے (جب تک خدا نے چاہا) اسے کھینچا میرے بعد پھر اسے ابوبکرؓ نے لے لیا اور ایک دو ڈول نکالے مگر کچھ ضعف کے ساتھ پھر ان سے عمر فاروقؓ نے لیا تو اس قوت سے ڈول کھینچے کہ اونٹ والوں نے اپنے اونٹوں کے پانی پی کر بیٹھنے کی جگہ وہاں تیار کر لی۔ بعض علماء نے یہاں ضعف سے ابوبکرؓ کی مدت خلافت مراد لی ہے اور بلاشبہ یہ مدت بہ نسبت خلافت عمرؓ کے نہایت قلیل تھی مگر کسی نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جو عملی شدت و شوکت عہد فاروقی میں نظر

آئی، وہ عہد صدیقی میں ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ شاید اسی خصوصیت کے پیش نظر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کے اسلام کے بعد ہم ہمیشہ معزز رہے اور کبھی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اب اگر تسلیم کر لو کہ عملی قوت کے لحاظ سے عمر فاروق حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ تھے تو یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوت ایمانی کے اعتبار سے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے کہیں فائق تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثہ انتقال پر عمر فاروقؓ کی بے صبری و اضطراب اور حضرت ابو بکرؓ کا صبر و استقلال تاریخی واقعہ ہے۔ جب قوائے عملیہ جواب دے دیتے ہیں تو ایسے ہی وقت قوت ایمانیہ کا امتحان ہوتا ہے اگر کہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی قوت ایمانیہ نے فاروق اعظمؓ کو نہ سنبھالا ہوتا تو معلوم نہیں کہ اس جاں گداز واقعہ نے ان کو کتنا اور مدہوش بنا دیا ہوتا۔ خدا ہی جانے کہ اس ہنگامہ بے صبری میں ابو بکرؓ کی زبانی وہ چند کلمات کیا تھے جن کے بعد جلتے ہوئے سینوں کی آگ بجھ گئی۔ مدہوش عقول کو ہوش آ گیا اور (جو موت کا لفظ سننے پر قادر نہ تھے تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے، اگر ابو بکرؓ کی قوت ایمانیہ اس طرح قلوب کی کایا نہ پلٹ دیتی تو نہیں معلوم واقعات کہاں تک نزاکت اختیار کر لیتے، ایسے نازک دور میں صحابہؓ کی جماعت کی جماعت میں بجلی کی طرح یہ انقلاب پیدا کر دینا صدیق اکبرؓ کی فضیلت کی وہ بروقت دلیل تھی جس کے بعد بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دینا ہر مسلمان کا ایک اضطراری فرض ہو گیا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب عمل و ایمان کا توازن عالم میں آشکارا ہو رہا تھا۔

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ساری دنیا گویا ایک دن ہے جس میں امت محمدیہ کا وقت صرف عصر سے غروب تک ہے اور دوسری امتوں کا فجر سے ظہر تک، مگر قدرت کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ مزدوری امت محمدیہ کو دوسری امتوں سے دوگنی ملتی ہے۔ بات وہی ہے کہ مدار قوت عمل پر نہیں بلکہ قوت ایمان پر ہے۔

تم سب امتوں میں اس لیے افضل ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا شیوہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اپنے خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت مذکورہ نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا کہ کچھ افراد کا نہیں بلکہ جماعات و امم میں

بھی فضیلت کا قانون وہی ایک ہے اس کے بعد اگر انبیاء کی سوانح پر غور کرو تو جو مدت عمل خاتم النبیین کو مرحمت ہوئی وہ صرف چند سال ہیں اور جو زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کو ملا وہ بنص قرآن ہزار سال تھے پھر کون نہیں جانتا کہ فضیلت کا تاج کس کے سر پر ہے الغرض افراد و امم اور انبیاء علیہم السلام میں افضلیت کا ایک ہی قانون ہے یعنی ایمانی روح اور الٰہی معرفت بلکہ جہاں یہ روح نہیں وہاں عمل کی کوئی قیمت نہیں۔

قیامت میں ہم کفار کے اعمال کیلئے کوئی ترازو قائم نہیں کریں گے۔ کیونکہ ترازو وزن کیلئے ہوتی ہے اور کافر کا عمل بے وزن ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں کہ مجھے ساری امت کے بالمقابل تولا گیا تو میرا پلا بھاری رہا پھر اس میں ابوبکرؓ کو رکھا گیا تو اسی طرح ساری امت سے وہ بھاری رہے۔ اس کے بعد پھر عمرؓ کو تولا گیا تو وہ سب سے وزنی رہے۔ یہ وزن نبی کی اسی قوت ایمانی کا تھا جس کے مقابل ساری امت ہیچ نظر آئی۔ پھر اسی مناسبت سے ابوبکر و عمر کو قیاس کر لو۔

بہر حال احادیث کا بے شمار ذخیرہ اسی طرف رہبری کرتا ہے کہ اصل قیمت انقیاد و باطن کی ہے اور پھر اسی کے بقدر عمل کا وزن اور انسان کا فضل ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۳۷، ۱۳۸)

ایمان اور معرفت

جہم بن صفوان امام اعظم کا ہمعصر صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ ایمان صرف معرفت قلبیہ کا نام ہے زبان سے اقرار کرنا کچھ ضروری نہیں بلکہ اس کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے انکار بھی کر گذرے مگر اس کو معرفت قلبی حاصل ہو تو مومن کامل رہ سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ تصریح فرماتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۴) کہ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور یہی ایک مسئلہ نہیں بلکہ اور مسائل میں بھی اس کے ساتھ آپ کے مناظرے تصانیف میں کھلے طور پر موجود ہیں۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۲)

مگر اس پر بھی بعض نا منصف قلم حنفیہ کے سر جہمیہ کی تہمت تھوپنے سے باز نہ آئے۔

تاریخ میں حنفیہ پر یہ پہلا ظلم نہیں بلکہ وہ اس قسم کے مظالم کے ہمیشہ تختہ مشق بنے رہے ہیں۔

اگر ان بے محل انتسابات کے وجوہ واسباب پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے تو ایک مستقل تصنیف بن سکتی ہے ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ ہے کہ اگر تاریخ حنفیہ پر یہ جور و ستم روا رکھی جاتی رہے گی مگر ہمارا ابھی فرض ہے کہ ہم اس کی بے انصافی برابر دہراتے رہیں کان اگر دلچسپی سے نہیں سن سکتے تو نہ سنیں لیکن کتب کلام کی ورق گردانی کرو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہمیہ کے ساتھ حنفیہ کو مرجئہ بھی کہا گیا ہے لیکن اگر ذرا تحقیق سے کام لو گے تو روشن ہو جائے گا کہ حنفیہ کا دامن اس تہمت سے بھی قطعاً پاک وصاف تھا۔ فروعی اور اجتہادی مسائل میں اگر اختلاف ہو تو ہونا چاہیے مگر غم اس کا ہے کہ دین کے وہ اصولی مسائل جن میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے اور نہ در حقیقت کوئی اختلاف تھا پھر عجلت پسند طبائع نے کیوں ان کا ایک غلط افسانہ تیار کر دیا۔ خدا بھلا کرے حافظ ابن تیمیہؒ کا کہ اپنی کتاب الایمان میں وہ ایک سطر یہ لکھ گئے ہیں۔

یعنی یہ بات ضروری طور پر پیش نظر رہنی چاہیے کہ اہل سنت والجماعت میں ایمان کے مسئلے کے متعلق جتنے بھی اختلافات نظر آتے ہیں در حقیقت وہ صرف نزاع لفظی ہیں۔

ایک غریب عالم کی محنت اور جانفشانی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اپنی پرسکون راتوں کو دن بنا بنا کر ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر لیتا ہے اور جب کسی نتیجہ کے لیے اس کا قلب مضطر ہونے لگتا ہے تو کسی مصنف کی ایک سطر اس کے سارے منصوبے یہ کہہ کر خاک میں ملا دیتی ہے۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ حافظ ابن تیمیہؒ ۴۱۹ صفحات میں تحقیقات کے دریا بہا دیتے ہیں اختلافات اور جانبین کے پرزور رد وقدح سے عقل متحیر رہ جاتی ہے وہ چاہتی ہے کہ کوئی راستہ تلاش کرے مگر اختلافات کے اس برق ورعد میں اسے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اور جب آخر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اکثر حصہ صرف نزاع لفظی تھا تو تھک کر بیٹھ جاتی ہے اور اپنی اس دردسری کی فریاد کا موقعہ بھی نہیں دیکھتی۔ خوب کہا ہے کہ علم کیا ہے؟ کوہ کندن وکاہ برآوردن۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگ کچھ نہ تھی تو پھر بیکار یہ قلعے کیوں بنائے گئے۔ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ محدثین کو سارا غصہ اس پر ہے کہ جو لفظ سلف سے منقول ہوتے چلے آ رہے تھے فقہاء نے ان کو کیوں ترک کیا، بالخصوص جب کہ ان کے ترک سے

فرق باطل کو کچھ اعانت بھی مل گئی۔ حافظ ابن تیمیہ تصریح فرماتے ہیں (کتاب الایمان ص ۱۶۰) کہ جس کسی نے فقہاء کو مرجئہ میں شامل کیا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں کیا بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کیا ہے جن سے مرجئہ کی موافقت کی بو آتی ہے۔

مرجئہ ایک فرقہ ہے جس کا یہ خیال تھا کہ ایمان کے لیے صرف زبانی اقرار کافی ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہمیہ نے ان سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کہہ دیا کہ اقرار کی بھی کوئی ضرورت نہیں، صرف معرفت قلبیہ کافی ہے۔ ان فرق باطلہ کے مقابلہ میں محدثین کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی عنوان ایسا اختیار کرلیا جائے کہ وہ عنوان ہی خود ان کی تردید کا ایک اعلان بن جائے اس لیے ایمان کی تفسیر میں ہی اقرار و عمل دونوں شامل کر لیے گئے اور الایمان قول و عمل مشہور ہو گیا یعنی ایمان اقرار و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ حتیٰ کہ شدہ شدہ جو عبارت اس مصلحت سے اختیار کی گئی تھی کچھ زمانہ کے بعد اہل سنت کے شعائر میں شمار ہونے لگی۔ اب جو شخص ایمان کی تعریف میں قول و عمل کہتا اہل سنت تھا اور جو شخص اس تعبیر کو ترک کرتا وہ صرف اس جرم میں ارجاء و جہمیہ کے القاب سے متہم ہوتا۔ (کتاب الایمان ص ۱۲۳ و ۱۷۷)

آج بھی اگر جماعتوں کے اختلافات پر نظر کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی بناء یہی چند الفاظ تھے جن کو ناقلوں نے اصولی اختلاف بنا ڈالا ہے۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ہماری بعض کتب میں امام اعظمؒ سے بھی ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ منقول ہے۔ بس اتنی بات حنفیہ کی طرف جہمیت کے انتساب کے لیے بہانہ بن گئی۔

یعنی ایمان کیا ہے؟ (۱) توحید و رسالت کا اقرار (۲) خدائے تعالیٰ کی معرفت (۳) اس کے سامنے سرتاسر نیاز ہو جانا۔ (۴) اس کا خوف۔ (۵) اس کے کسی حق کو معمولی نہ سمجھنا۔

پہلے تو ہمیں امام صاحب کی طرف اس تعریف کے انتساب میں ہی کلام ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو صرف اس بات سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ معرفت سے امام صاحب کی وہی مراد ہے جو جہم بن صفوان کے نزدیک ہے۔ جہم کے نزدیک ایمان کے لیے نہ عمل کی ضرورت ہے نہ اقرار کی بلکہ انکار کے بعد بھی ایمان کامل رہ سکتا ہے اور یہاں اقرار کی رکنیت و شرطیت کی بحث ہو رہی ہے۔ رہ گیا انکار تو بلا اختلاف ایک بدترین کفر ہے۔ پھر جہم

اور امام صاحب کے مذہب میں کیا اشتراک رہ سکتا ہے۔ بعض مصنفین نے یہاں معرفت کی تفسیر تصدیق کر دی ہے تاکہ یہ تعریف بھی مشہور کے موافق ہو جائے مگر ہمارے نزدیک اس جگہ معرفت سے وہ عام تصدیق مراد نہیں بلکہ تصدیق کا وجود یقینی مراد ہے جسے ایمان کامل کہا جاتا ہے اور بلاشبہ ایمان کامل بلا معرفت تامہ حاصل نہیں ہوتا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے ایمان میں بھی تقسیم پیدا کر دی ہے۔ (کتاب الایمان ص ۷۶ و ۷۷) (۱) ایمان واجب (۲) ایمان مستحب۔ ایمان واجب ہر شخص پر فرض ہے اور اس مومن کا شمار زمرۂ ابرار اور اصحاب الیمین میں ہے۔ ایمان کی دوسری قسم مقربین و سابقین کا حصہ ہے۔ مذکورہ بالا تعریف اسی قسم ثانی کی ہے۔ جیسا کہ تعریف مذکورہ کے بقیہ الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ عبد القادر بغدادی نے جمہور ائمہ و محدثین کا مذہب نقل کر کے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کے نزدیک بھی ایمان کے مراتب ہیں اور اعلیٰ مرتبہ یہی معرفت ہے۔

یعنی ایمان کا اعلیٰ مرتبہ۔ معرفت قلبیہ۔ زبان سے اقرار اور اعضاء کا عمل پیرا ہونا۔ یہ ایمان طاعات سے ترقی پذیر ہوتا ہے اور معاصی سے ناقص بھی ہوتا ہے۔

اس کے سوا حافظ ابن تیمیہؒ نے خود محدثین سے ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ نقل کیا ہے بلکہ جمہور ائمہ کے یہی لفظ پیش کیے ہیں۔ (کتاب الایمان ص ۱۹۰، ۲۷۴، ۵۹۰، ۵۹۸)

اب ذرا انصاف کرو کہ اگر ایمان کی تعریف میں ایک لفظ معرفت استعمال کر لینا ہی کوئی جرم تھا تو کیا امام صاحب ہی اکیلے اس جرم کے مرتکب تھے۔ پھر ایک حنفیہ کو کیوں ہدف ملامت بنا لیا گیا۔

اسی طرح اگر حنفیہ نے ایمان میں عمل کو داخل نہیں کہا تو اس کے لیے بھی ان کے پاس دلائل ہیں مگر کیا اتنی سی بات سے ان کو مرجئہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ مرجئہ کے نزدیک ایمان کے لیے معاصی کچھ مضرت رساں نہیں اور حنفیہ کے نزدیک اعمال مکمل ایمان ہیں اور اگر صرف لفظی گرفت ہی کوئی چیز ہے تو کیا عمل کو جزء ایمان بنانے سے معتزلہ و خوارج کو تقویت نہیں ہوتی (معتزلہ و خوارج محدثین سے بھی ایک قدم آگے ہیں

اور عمل کو ایسا جزء کہتے ہیں کہ ایک عاصی ان کے نزدیک مومن کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے) اب اگر ایمان میں عمل داخل نہ کرنے سے مرجئہ اور جہمیہ کو تقویت ہوتی ہے تو عمل کو جزء بنانے سے معتزلہ وخوارج کو شہ ہوتی ہے پھر محدثین کے غیظ وغضب کا نزلہ حنفیہ ہی پر کیوں گرتا ہے۔ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

ایمان میں اعمال کی حیثیت

یہ بحث نہایت دلچسپ ہے کہ عمل کی ایمان میں کیا حیثیت دی جائے۔ محدثین وفقہاء کا یہاں بھی خوب نزاع ہے فریقین کے دلائل ذکر کرنے کا یہ محل نہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں حقیقت حال امام غزالی کی ایک تحقیق ہے اور بس وہی فیصلہ کن ہے اس کے بعد الفاظ خواہ وہ رہیں جو محدثین استعمال کرتے ہیں یا وہ جو فقہاء نے استعمال کیے ہیں (یعنی اعمال کو جزء کہو جو کہ محدثین کا مذہب ہے یا ایمان سے خارج قرار دو جیسا کہ فقہاء کا مسلک ہے) ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

کہ باطن وظاہر بالکل دو جداگانہ عالم نہیں کہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں بلکہ ہر دو کا باہمی ایسا گہرا تعلق ہے کہ ہمیشہ ایک کا دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے اگر اعتقاد باطن، اعمال ظاہرہ کا مقتضی ہوتا ہے تو اعمال ظاہرہ اعتقاد باطن کے ممد ومعاون رہتے ہیں۔ دیکھو اگر ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یتیم پر رحم کرنا انسانیت کا اولین فرض ہے تو اس کے اس عقیدہ کا یہ اقتضاء ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لیے مجسم رحمت ودل سوزی بن جائے۔ پھر جب اس کے اعضاء وجوارح اس دل سوزی کے لیے حرکت کرنے لگتے ہیں تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے اعتقاد میں ایک نئی روح داخل ہو رہی ہے اور جتنا جتنا اس کا یہ عمل تلطف وترحم ترقی کرتا ہے اسی قدر اس کے باطن میں شفقت ورحمت کا جوش اور پیدا ہوتا ہے یا اگر ایک شخص تواضع کو نیک خصلت سمجھتا ہے تو اس کا مخلوق سے تواضع کا معاملہ یقیناً اس کے اس اعتقاد میں اور پختگی کا باعث بنتا ہے۔ غرض صفات قلبیہ جس قدر بھی ہیں سب کا حال یہی ہے پہلے وہ اعضاء انسانیہ کو جنبش عمل کے لیے مضطر کرتی ہیں اور جب جوارح مصروف عمل ہو جاتے ہیں تو ان کے آثار لوٹ کر پھر ان صفات کو اور روشن کرتے رہتے ہیں۔ ایمان واعمال کا حال بھی اسی پر قیاس کر لو۔ ایمان ایک عقیدہ ہے

اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ جوارح توحید خالص اور تصدیق رسالت کی اپنے عمل سے گواہی دیں اور جب اعضاء اس اقتضاء کو پورا کرنا شروع کرتے ہیں تو یہ عقیدہ اور راسخ اور تر و تازہ و سرسبز ہونے لگتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ حسن بصری سے نقل کرتے ہیں۔

یعنی ایمان صرف ظاہرداری کا نام نہیں بلکہ ایمان اسے کہتے ہیں جو دل میں سرایت کر جائے اور اعمال اس کی تصدیق بھی کریں۔

اس کلام سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اعمال انسان کی کیفیات قلبیہ کا آئینہ ہیں۔ اب اگر وہ نیک عمل کرتا ہے تو یہ اس کے قلبی تصدیق کی دلیل ہوگی ورنہ اس کی بدعملی خود اس کے بے ایمانی کی شاہد بن جائے گی۔

محمد بن نصر مروزی نقل فرماتے ہیں کہ عبدالملک نے سعید بن جبیرؒ سے چند سوالات کئے منجملہ ان کے ایمان اور تصدیق کے متعلق بھی ایک سوال تھا انہوں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ایمان اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور رسولوں اور قیامت کی تصدیق کا نام ہے مگر تصدیق کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کے حرف حرف پر عمل ہو اور جتنی کوتاہی رہ جائے اور گناہ نظر آئے اس پر استغفار کرے اور آئندہ اصرار نہ ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اقرار کا نام ہے اور ایمان عمل کا۔ یہ ہر دو آپس میں قرین ہیں۔ ہر شخص کا قول و عمل تولا جائے گا اگر اس کا عمل وزنی ہے تو مقبول ہوگا اور آسمان کی طرف صعود کرے گا اور اگر قول وزنی ہے تو اس کا عمل نامقبول رہے گا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان بلا اقرار صحیح نہیں ہوتا اور ایمان و اقرار بلا عمل درست نہیں ہوتے اور ان تینوں کا اعتبار بلا نیت حسنہ کے نہیں ہوتا۔

ان سب ائمہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ اعمال جوارح تصدیق قلبی کے لیے بڑی حد تک ضروری ہیں گویا اس کے لوازم ہیں۔ حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ابوذر غفاریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے اس کے بعد آپ نے اس بیان کی شہادت میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

پوری نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کو منہ کرلو (یعنی نماز میں) بلکہ اصل مدار ایمان پر ہے۔

ایمان و عمل کے اس نازک ارتباط کو صرف ایک اہل سنت نے سمجھا ہے۔ مرجئہ وجہمیہ نے ان ہر دو کو ایسا علیحدہ کر دیا کہ تصدیق قلبی کے لیے عمل کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اور معتزلہ و خوارج نے ان کو ایسا مدغم بنا دیا کہ عملی کوتاہی کو تصدیق قلبی کا ضعف قرار دے دیا۔ اسی اختلاف پر یہ بحث قائم ہوگئی کہ مرتکب کبیرہ کا کیا حکم ہونا چاہیے۔

تصدیق قلبی پر معصیت کا اثر

قدرت جو فطرت انسانی کی سب سے بڑی رازداں ہے خوب جانتی ہے کہ یہ مجموعہ عناصر اتنا پابند عہد نہیں رہ سکتا کہ عالم امکان کی نقاشی اس کی نظریں کبھی خیرہ نہ کر سکیں خواہشات نفسانی کی بادصرصر اس کی شمع تصدیق کو کبھی حرکت نہ دے سکے، وہ کمزور ہے اور بہت کمزور ہے اس لیے معمولی خلاف ورزی پر اس کا نام وفاداروں کی فہرست سے نہیں کاٹتی اور اس حد تک اسے معذور سمجھے جاتی ہے کہ وہ خود ہی نقض عہد کا اعلان کر گذرے۔ ارباب ارجاء و اعتزال اگر تصدیق کے شرعی مفہوم اور ضعف انسانی کے دونوں پہلوؤں کی رعایت کر لیتے تو نہ ارباب ارجاء کو صرف تصدیق عمل کے بغیر کافی نظر آتی اور نہ روساء اعتزال صرف ایک عاصی کے لیے وہ سزا تجویز کرتے جو ایک باغی کے مناسب تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

یہ حکمت سے بعید ہے کہ مرتکب کبیرہ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو کافر سے ہونا چاہیے۔

یہ سعادت صرف اہل سنت والجماعت کا حصہ تھا کہ ہر پہلو کی رعایت کی توفیق ان کو میسر آگئی اور ایمان و عمل کے پورے ارتباط کو انہوں نے ملحوظ رکھا۔ نہ اتنی سخت گیری کی کہ عمل کی کوتاہی کفر کے برابر ہو جائے اور نہ اتنا تساہل کیا کہ اتنا بڑا قصور تصدیق قلبی پر ذرا داغ بھی نہ لگائے اور یہ اعلان کر دیا کہ انسان کی بدعملی اس کے دامن پر فسق کا ایک بدنما دھبہ ہے۔

برا نام ہے گنہگاری ایمان کے بعد۔

حافظ ابن تیمیہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس

آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ایمان کے بعد پھر تمہارا فاسق ہو جانا بہت بری بات ہے۔
(کتاب الایمان ص ۹۸) قرآن کریم جگہ جگہ مرتکب کبیرہ کو فاسق کہتا ہے۔

إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ (الحجرات: ۶)
اگر ایک فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو۔
وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (النور: ۴)
یعنی جو لوگ زنا کی تہمت لگاتے ہیں آئندہ ان کی شہادت قبول نہ کی جائے کیونکہ اس جرم کے بعد وہ شریعت کی نظر میں فاسق ٹھہر چکے ہیں۔

یہ وہ بدترین لقب ہے جسے قرآن نے ایمان کے بعد بہت ہی ناپسند کیا ہے۔
اس علو و برتری کے بعد یہ خفیف الحرکاتی نہایت نازیبا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے۔
سباب المسلم فسوق۔ یعنی کسی مسلمان کو برا کہنا فسق کی بات ہے۔
اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ قبیح حرکت اس کو اس کا مستحق بنادیتی ہے کہ اس کو فاسق کہہ دیا جائے۔

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا۔ (السجدۃ: ۱۸) یہ نہیں ہوسکتا کہ مومن اور ایک فاسق برابر ہو جائیں۔

ان آیات واحادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ معصیت کا ارتکاب مسلمان کو نہ تو کافر بنادیتا ہے اور نہ اس کے دعویٰ اتقیاء کو بے داغ رہنے دیتا ہے۔ وہ مومن ہے مگر فسق سے اس کا دامن ملوث ہو چکا ہے۔ اس مجسم طہارت و پاکیزگی کے لیے لازم ہے کہ نجاست فسق سے اپنا دامن ہمیشہ بچائے رکھے اور جو لقب اس کے مولیٰ نے اس کیلئے پسند نہیں فرمایا خود بھی اس سے متنفر رہے۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ۔ (کتاب الایمان ص ۱۰۵)

اسلام وایمان میں فرق

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر بہت طویل بحث کی ہے مگر اس قدر منتشر ہے کہ اس کا خلاصہ نکالنا مشکل ہے۔ جہاں تک ہم نے ان کے کلام کا ملخص سمجھا ہے یہ ہے کہ لغت میں اسلام کے معنی اپنے نفس کو کسی کے سامنے جھکا دینا اور ذلیل بنا دینا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اس طرح جھک جائے کہ پھر اس کے سوا کسی کی عبادت کا رخ نہ کر سکے۔ یہ جھکنا اور ذلیل ہونا ایک عمل ہے۔ اس لیے اسلام دراصل ایک عمل ہی کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں۔ یہ تصدیق قلب کا اسی طرح ایک کلام ہے جیسا کہ اقرار زبان کا۔ یہ ضرور ہے کہ جب دل اپنی گہرائیوں سے کسی کے لیے بول اٹھے گا تو اس کے سامنے جھکنا اور ذلیل بن جانا بھی اس کا اقتضا طبعی ہوگا مگر فرق یہ ہے کہ اسلام دراصل عمل ہی عمل ہے۔ (ایضاً ص ۱۳۹) اور ایمان ایک علم ہے۔ عمل یہاں تابع ہے۔ اس کے بعد اب اگر احادیث پر ایک اجمالی نظر ڈالو تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہاں بھی اس فرق کی رعایت کی گئی ہے یعنی اسلام کا تعلق ظاہر عمل اور تصدیق کا باطن سے قرار دیا گیا ہے۔

(۱) حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ (مسند احمد)

حدیث مذکورہ میں اسلام کو علانیہ اسی بنا پر فرمایا ہے کہ اعمال ظاہرہ کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ لیکن معرفت الٰہیہ اس کی محبت، اس کا خوف، یہ سب اوصاف قلبیہ ہیں یہ باطنی چیزیں ہیں اس لیے ایمان کو علانیہ نہیں فرمایا بلکہ قلب میں کہا گیا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ایذاء نہ پہنچے اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے جان و مال کی طرف سے خطرہ میں نہ رہیں۔

یہاں بھی اسلام کی علامت ایک ظاہری چیز قرار دی گئی ہے یعنی لوگوں کو ایذاء نہ پہنچانا اور ایمان کی علامت ایک باطنی چیز یعنی دلوں میں اس کی طرف سے خطرہ باقی نہ رہنا یہ دوسری صفت پہلی صفت سے اعلیٰ ہے ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا مجسم پیغام امن بن جائے کہ قلوب میں اس کی طرف سے کوئی برا خطرہ تک باقی نہ رہے وہ کب کسی کو ایذاء دے سکتا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کسی کمزوری کی بناء پر یا کسی لالچ سے ایذاء دہی ترک کر دے اس لیے حدیث مذکور میں جو صفت ایمان کی بیان ہوئی ہے وہ اسلام کی صفت سے بالاتر ہے۔

(۳) عمرو بن عبسہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا، اس نے کہا کہ اچھا ایمان کیا چیز ہے فرمایا سخاوت اور صبر۔ ((سماحت و صبر فطرت انسانی کی ضد ہیں قرآن کریم کہتا ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا. اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا. وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ (المعارج: ۱۹، ۲۱) یعنی ہلوع وہ ہے جسے نعمت میں سماحت نصیب نہ ہو اور مصیبت میں صبر کی توفیق میسر نہ آئے ان ہی دو خامیوں کی اصلاح کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (البلد: ۱۷)

پہلی دو باتیں ظاہری عمل ہیں اور آخری دونوں باتیں نفس انسانی کی ایک صفت ہیں اس لیے ان کو اسلام سے اور ان کو ایمان سے زیادہ تعلق ہے۔ اسی طرح اکثر احادیث میں اسلام کی تفسیر میں اعمال ظاہرہ کا تذکرہ برابر ہوتا چلا جاتا ہے اور ایمان کا بیشتر تعلق باطن سے معلوم ہوتا ہے۔ حدیث جبرئیل جو اس باب کی نہایت اہم حدیث ہے اسی فرق پر مبنی ہے اس کی تفصیل عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے اسلام ایمان کا باہمی ربط بھی حل ہو گیا یعنی کیا اسلام بلا ایمان کے یا ایمان بلا اسلام کے پایا جا سکتا ہے۔ اختلافات کی کثرت نے یہاں بھی حیرت میں مبتلا کر دیا ہے مگر ہمارے نزدیک امام سبکی کی رائے بہت وزنی ہے۔ (اتحاف ج ۲ ص ۲۳۵) وہ

فرماتے ہیں کہ اسلام گو انقیاد ظاہری کا نام ہے مگر ایمان باطنی اس کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح ایمان گو انقیاد باطن کو کہتے ہیں مگر انقیاد ظاہری بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام بلا ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔ علامہ زبیدیؒ (اتحاف ج ۲ ص ۲۲۸) نے اس تلازم پر اشاعرہ اور حنفیہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ حدیث کے عام نظریہ میں ایمان و اسلام یا تو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں صرف خصوصیات کا کچھ فرق ہے ورنہ کم از کم متلازم ضرور ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں (کتاب الایمان ص ۱۰۲) قرآن کریم سے ایک لطیف استنباط فرمایا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کیوں نہیں؟ جس نے تابع کر دیا اپنی ذات کو اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لیے ہے اس کا ثواب اس کے رب کے پاس اور نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین۔ جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک کام کیے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا ثواب ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں اسلام اور عمل صالح پر جو وعدہ فرمایا گیا ہے دوسری آیت میں وہی وعدہ ایمان اور عمل صالح پر مذکور ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام دونوں متلازم چیزیں ہیں۔

ابو طالب مکی نے اس مضمون پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس کی خوب ایضاح کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایمان و اسلام کی مثال ایسی ہے جیسی شہادتین کی کہنے کو تو شہادۃ وحدانیت اور شہادۃ رسالت دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر پھر ان میں ایسا ارتباط ہے کہ بلحاظ حکم گویا ایک ہی ہیں۔ رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کارآمد نہیں ہوتی اور شہادت وحدانیت بلا شہادت رسالت کے بیکار رہتی ہے۔ ایک انسان کے لیے جس طرح قلب کی ضرورت ہے اسی طرح جسم کی ضرورت بھی ہے نہ کوئی قالب بلا قلب کے زندہ رہ سکتا ہے نہ قلب بلا قالب کے بسر کر سکتا ہے۔ خیمے کے دو حصے ہوتے ہیں ایک اوپر کا کپڑا دوسرا

اندرونی چوب، نہ یہ کپڑا بلا چوب کے تنہا رہ سکتا ہے اور نہ صرف چوب بلا کپڑے کے خیمہ کہلائی جا سکتی ہے کلام کی حقیقت دو ہونٹ اور ایک زبان سے قائم ہے دونوں ہونٹ حروف جمع کر دیتے ہیں اور زبان ان کو بشکل کلام ادا کر دیتی ہے اگر ایک ہونٹ نہ رہے تو کلام کی حقیقت باطل ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح اعمال ظاہرہ اور اعتقاد باطن یعنی اسلام و ایمان کا ارتباط ہے۔ صرف اعمال ظاہرہ بلا اعتقاد باطن کھلا ہوا نفاق ہیں اور محض اعتقاد باطن بدون اعمال ظاہرہ کے کفر کی ایک صورت ہے۔ اسلام یا ایمان کو اسی وقت معتبر کہا جا سکتا ہے جب کہ اعمال ظاہرہ کے ساتھ تصدیق باطن ہو اور تصدیق باطن کے ساتھ اعمال ظاہرہ بھی ہوں۔

قرآن کریم نے کفر کو ایمان و اسلام ہر دو کا مقابل قرار دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِى اللهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ. (آل عمران: ۸۶)

خدائے تعالیٰ بھلا اس قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان جیسی نعمت کے بعد پھر کفر اختیار کیا ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (آل عمران: ۸۰)

یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مسلمان ہو پھر رسول تم کو کفر کا حکم کرے۔

پہلی آیت میں کفر کو ایمان کے بالمقابل اور دوسری آیت میں اسلام کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان ایک دوسرے سے جدا چیزیں نہیں ہیں، اسلام کا ترک کرنا، ایمان کا ترک کرنا ہے اور ایمان کا ترک کرنا اسلام کا ترک کر دینا ہے اور نتیجہ ہر دو کا وہی ایک کفر ہے۔ (قوت القلوب ج ۲ ص ۱۲۹)

غرض اعمال ظاہرہ بلا انقیاد باطن صحیح نہیں ہو سکتے اور نہ انقیاد باطن بلا اعمال ظاہرہ کی شہادت کے ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر مسلم کے لیے ایمان اور ہر مومن کے لیے اسلام ضروری اور ناگزیر ہے۔

حضرت استاد (مولانا انور شاہ صاحب کشمیری) قدس سرہ فرماتے تھے کہ تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام اسلام ہو جاتا ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے اختلاف مواطن سے

اس کے نام مختلف ہو گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک استاد مرحوم کا یہ بیان اسلام کامل اور ایمان کامل سے متعلق ہے اور غالباً اس کا منشاء امام غزالی کی وہ تحقیق ہے جس کا بیان آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارے فقہاء کے اختلافات بھی اپنی جگہ صحیح وجوہ واسباب رکھتی ہیں مگر ہمیں تو یہاں وہ لکھنا تھا جو امت کے حق میں زیادہ نافع ہو تفصیل کے لیے علم کلام ہے۔

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

ایمان قلب میں مختلف راستوں سے داخل ہو جاتا ہے کبھی اپنی جان و مال کا تحفظ التزام طاعت کا داعی ہوتا ہے جیسا کہ طلقاء مکہ کا اسلام کبھی چند دراہم منقوشہ کی طمع التزام طاعت پر مجبور کر دیتی ہے جیسا کہ مؤلفۃ قلوب کا اسلام کبھی محض قومی تقلید اور جمہور کا اتباع اس کا محرک بن جاتا ہے جیسا کہ اکثر اعراب کا اسلام ان سب صورتوں میں اگر سینہ رسول کی عداوتوں سے خالی ہو چکا ہے اور نفس نے دین الٰہی میں داخل ہو جانے کی تیاری کر لی ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہے مگر یہ ایسا اسلام ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ شبہات اس کے یقین کو متزلزل کر سکتے ہیں، ذرا ذرا سی تکلیفیں اس کو اپنے مذہب سے پھیر سکتی ہیں۔ مذہب کے لیے قربانی کا اس میں کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ جہاد کی دعوت اس کے لیے پیام موت ہوتی ہے۔ آیات ربانیہ کا پیہم نزول اس کے ایمان میں کچھ افزونی نہیں بخشتا اور اسی امن و عافیت کی زندگی میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک اسلام ہے اور آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ. (الحجرات: ۱۴)

یعنی اعراب کہتے ہیں کہ ایمان ہمارے دلوں میں سرایت کر گیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ ایسا دعویٰ ابھی مت کرو ابھی اسلام صرف تمہارے ظاہر تک ہے۔ ہاں امید ہے کہ آئندہ دلوں تک اتر جائے۔

یہ اسلام کے وجود لفظی کے ابتدائی حالات ہیں لیکن جب یہ ایمان اور ترقی کرتا ہے تو اس کی صورت کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ اہل ایمان کی صحبت اسے اپنا ہم رنگ بنا لیتی ہے کبھی آیات قرآنی پر غور و تفکر ایمان کی تر و تازگی کا باعث بن جاتا ہے کبھی محض موہبت الٰہیہ کشاں کشاں ایمان حقیقی

تک لے آتی ہے۔ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ پہلے جو قلب ظلمت کدہ تھا اب نور ایمانی سے وادی ایمان بن گیا ہے حقائق ایمانیہ آناً فاناً منکشف ہوتی چلی جاتی ہے۔ راہ اسلام میں ہر ضرب ایک نئی تازگی بخشتی ہے۔ طبل جنگ کی آواز صدائے سرود سے زیادہ سہانی اور مستانی معلوم ہوتی ہے۔ آیات قرآنیہ کی تلاوت وہ کام کرتی ہے جو ابر رحمت کے قطرے کھیتوں میں۔ قدرت اس کو طرح طرح آزماتی ہے مگر ہر امتحان اس کے لیے ایک نیا یقین بخشتا ہے۔ عبادت میں دلچسپی کا سوال درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ فتح وظفر اور شکست وانہزام سب برابر نظر آتے ہیں اور اس طرح انقیاد باطن کی ایک ایک منزل تمام طے ہو جاتی ہے۔ آپس کے تعلقات نظر سے گر جاتے ہیں اور صرف ایک تعلق رہ جاتا ہے اور وہ خدا کا تعلق ہے اب جس سے محبت ہے اسی کی خاطر ہے اور جس سے جنگ ہے اسی کے نام پر ہے ایک وہ مومن تھا اور اب یہ ایک مومن ہے اسی کا نام ایمان کی زیادتی ہے۔ اب آیات ذیل کو بغور پڑھو۔

مومن صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آئے تو خوف زدہ ہو جائیں اور جب اس کی آیات ان پر تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان اور روشن ہوں۔ نمازیں نہایت خوبی کے ساتھ پڑھیں اور ہمارے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ مصارف خیر میں بھی صرف کرتے رہیں۔ بس ٹھیک مومن تو یہ ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس زیادتی سے مراد صرف تصدیق ہے ہرگز نہیں بلکہ جب بھی ایک مومن گوش انقیاد و اطاعت سے کلام پاک کو سنتا ہے تو ہر بار معانی پر غور و تفکر اس کے قلب میں جنت کی نئی رغبت اور آخرت کا نیا خوف خدائے تعالیٰ کی ایک نئی محبت اس کی طاعت کا ایک نیا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور اسی کا نام قرآن کریم نے ایمان کی زیادتی رکھا ہے۔

عمر بن حبیب صحابی فرماتے ہیں کہ جب ہم خدا کی تسبیح وحمد میں مشغول ہوں تو یہی ایمان کی زیادتی ہے اور جب غفلت ونسیان میں مبتلا ہو جائیں تو اسی کا نام ایمان کا نقصان ہے۔ حضرت ابوالدرداؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے سمجھ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہے کہ کچھ بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا چونکہ دن رات کا یہی ایک مشغلہ تھا کہ وہ اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرتے

جب کوئی آیت اترتی تو اپنی روح میں ایک نئی ایمانی تازگی محسوس کرتے۔ ادھر کفار کا یہ مشغلہ تھا کہ وہ اس جذبہ کا تمسخر اڑاتے اور مذاق بنایا کرتے۔

جب کوئی سورت اترتی تو ان میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو یہ پوچھتی بھلا تم میں کسی کا ایمان بڑھا بھی ہاں جو ایمان لا چکے ہیں ان کے ایمان میں تو ترقی ہوئی اور انہوں نے بڑی بشارت حاصل کی لیکن جن کے دلوں میں روگ تھا ان کی نجاست میں اور اضافہ ہو گیا۔

آیات قرآنی کا ادب و یقین سے سننا یقیناً ایمان میں ترقی بخشتا ہے۔ یہ زیادتی کبھی جدید جدید علوم حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے کبھی سکینت و فرحت کی صورت میں میسر آتی ہے، کبھی ہدایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے پہلی آیت میں اسی کا نام استبشار ہے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللهِ. (الروم:۴)

اس روز مومنین خدا کی نصرت پر مسرور ہوں گے۔ یہاں اس زیادتی کو فرح و سرور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ. (الفتح:۴)

خدا ہی کی وہ ذات تھی جس نے مومنین کے دلوں پر سکینت و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی تاکہ ان کے پہلے ایمان میں اور ترقی ہو۔

فَاَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة:۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنا سکینہ اپنے رسول اور مومنین پر نازل فرمایا اور ایسا لشکر بھیج دیا جس کو تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا۔ (یعنی فرشتے)

اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة:۴۰)

جب کہ وہ دونوں غار میں پوشیدہ تھے اور خدا کا رسول اپنے رفیق کو سمجھا رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکر کے ذریعہ سے قوت پہنچائی جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى. (محمد:۱۷) جو لوگ ہدایت یافتہ تھے خدا نے ان کو اور ہدایت میسر فرمائی۔

آیات بالا میں یہ سکینہ ویقین وہدی سب صفات قلبیہ ہیں مصائب میں یہ یقین کر لینا کہ یہ سب مقدرات ہیں جو ضرور پیش آمدنی ہیں، تقدیر پر ایمان کا ثمرہ ہے اور اسی کا نتیجہ سکینہ واطمینان وتسلیم ہے۔

یہ ایمان جب اور عروج کرتا ہے تو اب ایک ذات وحدہ لا شریک لہ پر وہ توکل واعتماد میسر آ جاتا ہے کہ دشمن کی دھمکی اور دلیری کا باعث بن جاتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ. (آل عمران: ۱۷۳)

یہ وہ جماعت ہے جن کو کفار نے دھمکی دی کہ تمہارے لیے بڑی فوج تیار کی گئی ہے تو ذرا ڈرنا اس پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور بولے کہ ہمیں خدا کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔

اس قسم کا ایک امتحان نہیں بلکہ سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کر کے ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے۔ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا مگر شک وتردد کا ایک کانٹا بھی ان کے دامن یقین میں نہیں چبھتا۔ وہ کوہ استقامت اور یقین کی ایک چٹان بن جاتے ہیں کہ مصائب کے لشکر اگر ان سے ٹکراتے ہیں تو خود پاش پاش ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہیں دے سکتے، جان ومال کی قربانی ان کے نزدیک ایک معمولی بات ہوتی ہے۔ ان امتحان کے بعد اب ایک مؤمن اپنے دعویٰ میں سچا مان لیا جاتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (الحجرات: ۱۵)

مؤمن صرف وہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ جب خدا اور رسول پر ایمان لا چکے تو پھر شک وتردد کے پاس نہ پھٹکے بلکہ جان سے مال سے اللہ کے راستہ میں قربان ہو گئے بس یہی لوگ سچے کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اگر بنا بر بشریت کبھی ان سے ذرا کمزوری ظاہر بھی ہو جاتی تو قرآن فوراً تنبیہ کر دیتا ہے اور تفہیم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا کہ ایمان جو صرف عشق کی راہ ہے کمزوری اور بزدلی سے طے ہونے والی نہیں ہے

ایں شربت عاشقیست خسرو — بے خون جگر نوشید نتواں

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ. (آل عمران: ۱۴۲)

تم نے کیا یہ خیال کرلیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ جان و مال کی قربانی کیلئے تم میں کون کون تیار ہے۔

خدا کی راہ میں ایک بڑی قربانی یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے باپ، بیٹا، بھائی، قبیلہ سب کو ایک طرف رکھ دیا جائے بس ساری محبتوں اور عداوتوں کا محور ایک خدا کی ذات رہ جائے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْآ اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ. (المجادلہ: ۲۲)

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کا برتاؤ کرتا دیکھیں خواہ وہ ان کے والد یا اولاد یا بھائی یا قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں بس یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نہایت مضبوط قائم ہو چکا ہے۔

اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ. (مائدہ: ۸۱)

بھلا اگر کہیں یہ لوگ اللہ نبی اور اس پر نازل شدہ وحی کا یقین رکھتے تو ان کو دوست بناتے مگر بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ. (توبہ: ۲۴)

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دیجئے اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے۔ تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ

جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

اسکے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو ایمان کے زیادت ونقصان پر برہان قاطع ہیں مگر آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ان کا تعلق ایمان کے وجود عینی سے ہے وجود ذہنی یعنی نفس تصدیق سے نہیں۔ (حافظ ابن تیمیہ نفس تصدیق میں بھی تشکیک کے قائل ہیں کتاب الایمان ص ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۶)

ایمان اور اعمال صالح کا توسل

حدیث شریف میں ہے کہ "تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ بارش آ گئی انہوں نے قریب ہی ایک پہاڑ کے ایک غار میں بارش سے پناہ لے لی کہ اچانک پہاڑ پر سے ایک چٹان گر گئی اور غار کا دہانہ اس چٹان سے بند ہو گیا (جس کی وجہ سے ان کے لئے اب اس غار سے باہر نکلنے کی کوئی امید اور کوئی صورت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں انہوں نے آپس میں کہا کہ ساتھیو! اب ہم لوگ اپنی پچھلی زندگی کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں صرف اللہ تعالی ہی کی رضا و خوشنودی کے لئے کوئی کام کیا ہو تو اس وقت اس کے واسطے اور توسل سے دعا کریں کہ اللہ تعالی ہم کو اس مصیبت و پریشانی سے نجات دیدیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا۔ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں بال بچوں والا ایک غریب آدمی ہوں، میرے بوڑھے ماں باپ بھی ہیں، میں روزانہ شام کو جنگل سے اپنی بکریاں چرا کر جب گھر لوٹتا تو ان بکریوں کا دودھ پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا اس کے بعد اپنے بچوں کو پلاتا تھا۔ ایک روز مجھے جنگل سے آنے میں دیر ہو گئی اور میرے ماں باپ سو گئے۔ گھر آتے پر میں نے بکریوں کا دودھ دوہا اور ماں باپ کے لئے لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا کہ وہ اٹھیں تو انہیں پلا دوں، ادھر میرے بچے بھوک کی وجہ سے میرے پاؤں پر پڑے لوٹتے اور مچلتے رہے لیکن میں نے انہیں نہیں پلایا کہ پہلے ماں باپ کو پلاؤں۔ میں ساری رات اسی طرح ان کے سرہانے کھڑا رہا اور بچے روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور ماں باپ جاگ گئے۔ تو اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ میرا یہ طرز عمل صرف تیری خوشی کے لئے

تھا تو اس چٹان کو غار کے دہانے سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان تھوڑی سی کھسکا دی کہ وہ لوگ آسمان دیکھنے لگے۔ اس کے بعد دوسرے شخص نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میری ایک چچازاد بہن تھی جسے میں بہت زیادہ چاہتا تھا کہ شاید ہی کوئی مرد کسی عورت کو اتنا چاہتا ہو ایک بار میں نے اس سے اپنے جنسی خواہش پوری کرنے کی بات کہی، اس نے انکار کر دیا اور کچھ روپے مانگے کہ اگر اتنی رقم دیدو تو خواہش پوری کر سکتے ہو، میں نے اسے وہ رقم دیدی اور اس کی رانوں کے درمیان بیٹھ گیا کہ اپنی خواہش پوری کرلوں۔ عین وقت پر اس لڑکی نے کہا کہ دیکھو، خدا سے ڈرو اور ناحق و ناجائز طور پر یہ کام نہ کرو۔ اتنا سنتے ہی میں وہاں سے ہٹ گیا اور حرام کام نہیں کیا۔ اگر حرام سے یہ پرہیز تیرے خوف ہی سے کیا گیا تھا تو اس کے توسل سے ہمیں نجات دیدے۔ اب دوبارہ وہ چٹان ذرا اور کھسک گئی۔ پھر تیسرے نے کہا کہ میرے کھیت پر ایک مزدور نے کام کیا تھا اور مزدوری کا غلہ میرے پاس امانت رکھ گیا تھا میں نے فصل پر اسے بو دیا تھا اس کی آمدنی ہوئی، پھر یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا، جس کی آمدنی سے بہت سے جانور بھی ہو گئے تھے۔ مدتوں بعد وہ آدمی آیا اور اپنی مزدوری مانگی۔ میں نے اس کی مزدوری سے حاصل ہونے والا غلہ اور مویشی اس کے سپرد کر دیئے۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا، اس کی وجہ سے یہ چٹان ہم پر سے ہٹا دے۔ اور اب یہ چٹان اتنی کھسک گئی کہ یہ تینوں باہر نکل آئے۔

خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان صرف ایمان ہے

عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی کی تقسیم کی ہے اسی طرح تمہارے اخلاق کی بھی تقسیم کر دی ہے (جیسے رزق تنگ و فراخ رکھا ہے ایسے ہی اخلاق بھی کسی کے تنگ اور کسی کے وسیع رکھے ہیں) وہ دنیا تو (سب ہی کو دیتا ہے) اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن دولت ایمان صرف اسی کو دیتا ہے جس کو محبوب رکھتا ہے۔ (حاکم فی المستدرک)

تشریح۔ انسان کی تمام شرافت و کمال اس کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے کمال پر موقوف ہے ان ہی کے سنور جانے کا دوسرا نام ایمان اور عمل صالح ہے کفر و ایمان کی تقسیم ان ہی کے بگڑنے

اور سنورنے پر دار ہے جس کی یہ دونوں قوتیں سنور گئیں وہ سنور گیا اور جس کی بگڑ گئیں وہ بگڑ گیا۔ اسی لیے سورہ والتین اور سورہ والعصر میں انسانی شرافت کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے اسفل السافلین اور ابدی خسارہ سے نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ حریت انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور عبدیت اس کے لیے بدترین داغ۔ لیکن اگر حریت کیساتھ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اور عبدیت کیساتھ ایمان میسر آ جائے تو حریت کی شرافت، شرافت نہیں رہتی اور عبدیت کا عیب، عیب نہیں رہتا۔ ولعبد مؤمن خیر من مشرک۔ ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک سے بدرجہا افضل ہے۔ پس اسلام میں خدا کے دوست و دشمن کی تقسیم کا مدار سرمایہ و دولت پر نہیں بلکہ ایمان و کفر پر ہے۔ دنیا کی دولت دوست و دشمن سب میں مشترک رکھی گئی ہے لیکن ایمان کی دولت صرف دوستوں کے حصہ میں لگا دی گئی ہے۔

جنت میں صرف مؤمن جائیں گے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہو گئے۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شہید ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایک اور مقتول پر گذرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں صحابی شہید ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے اس کو ایک چادر یا عبا (چرانے کی) سزا میں دوزخ میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے "المؤمن" یعنی پورے پورے ایمان دار ہیں، میں گیا اور میں نے یہ اعلان کر دیا۔ (ابن ابی شیبہ احمد مسلم ترمذی)

تشریح۔ یہ حدیث جہاں ایک طرف یہ بتاتی ہے کہ جنت صرف مؤمنوں کا حصہ ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ "المؤمن" کا خطاب حاصل کرنے میں ایک بے قیمت چادر اور ایک معمولی سے عبا کی چوری بھی حائل ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ جنت کوئی معمولی متاع نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں "المؤمن" کا خطاب بھی معمولی خطاب نہیں۔ دنیا اپنے اندازۂ خیال پر ایک شخص کو شہید کہہ دیتی ہے لیکن اسلام اب بھی اس کو "المؤمن" کا خطاب نہیں دیتا کوئی شخص

صرف ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے خواہ وہ عذاب الٰہی کی دائمی گرفت سے نجات پانے کا مستحق ہو جائے لیکن "المومن" کے معزز خطاب کا اس وقت تک مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی نظری اور عملی دونوں قوتیں کامل نہ ہو جائیں یعنی وہ اسلام کے عقائد اور اعمال کا پورے طور پر پابند نہ ہو جائے اور اس پابندی میں وہی کیف آزادی محسوس کرنے نہ لگ جائے اس کے بعد پہلے جنت کا مشاق وہ تھا اور اب جنت اس کی مشتاق ہو جائے گی۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں نہیں جاؤ گے اور جب تک باہمی محبت نہ کرو گے پورے مؤمن نہیں ہو گے تو کیا میں تم کو وہ بات نہ بتا دوں کہ جب اس کے خوگر ہو جاؤ تو باہمی محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے) کہ آپس میں ہر شخص کو سلام کیا کرو خواہ وہ تمہارا آشنا ہو یا نا آشنا۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس حدیث میں ایمان کو محبت پر اور محبت کو سلام پر معلق کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمال بادی النظر میں گو معمولی نظر آتے ہیں مگر دوسرے اہم مقصد کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ سلام بظاہر ایک معمولی درجہ کا خلق ہے لیکن اس کا نتیجہ باہمی الفت و محبت ہے محبت صرف ایک جاذبیت و تاثر ہی کا نام ہے مگر اس کے باوجود وہ ایمان کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ خدا کی محبت کی یہ راہ رسول کی محبت میں پھر رسول سے صحابہ کی محبت میں اور اسی طرح درجہ بدرجہ عامہ مؤمنین کی محبت میں سے ہو کر گذری ہے اس لیے خدا کی محبت تک رسائی کے لیے ان محبتوں کو بھی عبور کرنا ناگزیر ہے اور اس طرح مسلمانوں کی محبت کا نتیجہ ایمان باللہ اور ایمان باللہ کا نتیجہ مؤمنین کی محبت ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے مؤمنین سے بغض و کینہ کی زد براہ راست آدمی کے اسلام پر پڑتی ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں یہ دعا تعلیم کی گئی ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (اور ہمارے دلوں میں اس جماعت سے کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکی ہے) اس کینہ کو دور کرنے کا سب سے سہل اور فطری نسخہ یہی سلام ہے اسی لیے ذرا سی شکر رنجی میں مراسم محبت میں جو چیز پہلے ختم ہوتی ہے وہ یہی سلام ہے۔ اس بیان کا اقتضا تو یہ تھا کہ اسلام میں باہمی سلام کی

حیثیت ایک رکن کی حیثیت ہوتی لیکن جن امور کو پورے ضبط میں لایا نہیں جا سکتا ان کی اہمیت کے باوجود شریعت ان کو رکن کا درجہ نہیں دیتی بلکہ ایمان کا ایک شعبہ قرار دے دیتی ہے۔ اسی لیے حیا بھی ایمان کا صرف ایک شعبہ قرار دی گئی ہے، یہاں بھی پورا پورا انضباط مشکل ہے۔ پس اس حقیقت سے کسی موقعہ پر بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ جن امور کو شریعت شعبہ قرار دیتی ہے وہ ہمیشہ معمولی اور غیر اہم نہیں ہوتے کبھی کبھی ارکان کے درجہ کی چیزیں ان کے غیر منضبط ہونے یا قانون یسر کے تقاضہ سے شعبہ قرار دے دی جاتی ہیں۔

گناہ گار مومن کے حق میں مغفرت کی بشارت

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور یہ خوش خبری لائے کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال پر مرجائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیرایا ہو تو وہ جنت میں جائے گا میں نے عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء (جیسے کبائر کا) ارتکاب کیا ہو آپ نے فرمایا اگر چہ چوری و زناء کا ارتکاب کیا ہو، میں نے پھر عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء کا ارتکاب کیا ہو۔ آپ نے پھر وہی فرمایا چوتھی مرتبہ میرے اصرار پر فرمایا ہاں اگر چہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اس حدیث کو نقل کرتے تو آپ کے اس فقرہ کو بھی نقل کر دیتے تھے۔ (بخاری' مسلم' ترمذی)

تشریح۔ آدمی بے چارے کی پرواز ہی کیا، یہ غریب رحمت کی وسعت کا اندازہ لگائے بھی تو کیا لگائے ایک کلمہ سے عمر بھر کے جرم بغاوت کی معافی کا اعلان سنتا ہے تو حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ ادھر دیکھتا ہے کہ جو زبان اس کا اعلان کر رہی ہے وہ مبالغہ آمیزی کی عادی نہیں اس لیے مسرت و حیرت کے مابین وہ اس سوال کو بار بار دہرانے کے لیے مضطر ہو جاتا ہے جو حضرت ابوذرؓ کی زبانی ابھی آپ نے پڑھا۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے کانوں کے نارسائی اور قصور فہم کے جتنے موانع بھی ہو سکتے ہیں سب کو صاف کرے اور یقین کرے کہ ان کے کانوں نے سننے میں غلطی نہیں کی، عقل نے سمجھنے میں ٹھوکر نہیں کھائی اور بات درحقیقت یونہی تھی جو اس نے پہلی مرتبہ سنی۔ ابوذرؓ کے اس عالم حیرت کو ختم کرنے کے لیے یہی ایک تدبیر کارگر ہو سکتی

تھی کہ ان سے ایسا محبت بھرا کلمہ سرزنش کہہ دیا جائے جو ان کی اس حیرت کو ختم کر دے اور اپنی لذت کو ان کے سینہ میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائے۔ اسی لیے حضرت ابوذرؓ جب اس روایت کو بیان فرماتے تو ساتھ ہی اس عتاب آمیز تلطف کو بھی ذکر کر دیتے خود محظوظ ہوتے اور ذوق محبت رکھنے والوں کو بھی محبت کی ان تلخیوں کی یاد دلا کر محظوظ کرتے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زناء و سرقہ کے بعد اگر زندگی کے آخری لمحات میں بھی اسلام نصیب ہو جائے یا ان گناہوں سے توبہ کر لے تو اس کے یہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔ (ص ۸۶۷)

سالم بن ابی الجعد سلمہ بن نعیم سے روایت کرتے ہیں (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مر جائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ عز و جل کا شریک نہ ٹھیرایا ہو وہ جنت میں جائے گا اگر چہ چوری اور زناء کا مرتکب ہوا ہو۔ (احمد طبرانی)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو باہر نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی اور شخص نہیں ہے میں نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کسی کو لینا مناسب نہ سمجھا ہوگا لہذا میں چاندنی سے ہٹ کر اندھیرے اندھیرے میں چلتا رہا آپ نے رخ پھیرا تو مجھے دیکھا فرمایا کون؟ میں بولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں ہوں ابوذر۔ فرمایا اے ابوذر یہاں آؤ، میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ یہاں بہت مال دار ہیں قیامت میں وہی سب سے زیادہ نادار ہوں گے مگر صرف وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے چاروں طرف (فقیروں کو خوب) دیا اور خوب اچھے اچھے کام کیے۔ پھر میں تھوڑی دیر ساتھ چلا تو مجھ سے فرمایا یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے ایک صاف میدان میں بٹھا دیا جس کے ارد گرد پتھر ہی پتھر تھے اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں بیٹھے رہنا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سنگستان کی طرف تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ میری نظروں سے غائب ہو گئے آپ کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی (واپس آئے) تو

میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے آ رہے تھے اگرچہ چوری کی ہو اگرچہ زنا کیا ہو جب میرے پاس تشریف لے آئے تو مجھ سے نہ رہا گیا آخر میں نے پوچھ ہی لیا یا نبی اللہ آپ پر قربان ہوں اس سنگستان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے بات چیت کرتے آ رہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے کسی کی آواز نہیں سنی فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ سنگستان میں میرے پاس آئے تھے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو شرک سے پاک وصاف مرگیا وہ ضرور جنتی ہے۔ میں نے کہا اے جبرئیل علیہ السلام اگرچہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگرچہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگرچہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو انہوں نے فرمایا جی ہاں اگرچہ شراب بھی کیوں نہ پی ہو۔ (بخاری شریف)

ایمان کے بغیر اعمال بے روح ہیں

فضالہ بن عبید روایت فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطابؓ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک وہ کھرے ایمان والا جو دشمن کے مقابل ہوا اور اس بہادری سے لڑا کہ ثبات قدمی کی جو شان اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی بیان فرمائی تھی وہ اس نے اپنے عمل سے سچی کر دکھائی (اور نہایت دلیری سے لڑتا رہا) یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تو وہ مؤمن ہے جس کے مرتبے اتنے بلند ہوں گے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا کر اس طرح دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ راوی کہتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے استاد کی مراد کس کی ٹوپی تھی حضرت عمرؓ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد فرمایا دوسرا وہ شخص ہے جس کا ایمان تو کھرا تھا لیکن وہ (بہادر نہ تھا) جب دشمن کے آمنے سامنے ہوا تو مارے بزدلی کے اس کا حال یہ ہو گیا کہ گویا اس کے جسم میں طلح درخت کے کانٹے چبھو دیئے گئے۔ پھر کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر اس کے لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے۔ تیسرا وہ معمولی درجہ کا مؤمن ہے جس نے پہلے عمل کے ساتھ کچھ برے عمل بھی کیے تھے جب دشمن سے لڑا تو ایسی جانبازی سے لڑا

کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی جو شان بیان فرمائی تھی اس کو سچا کر دکھایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تیسرے نمبر کا شہید ہے۔ چوتھا وہ شخص ہے جس نے گناہ کرنے میں کمی باقی نہ رکھی تھی (مگر بہادر تھا) جب لڑا تو اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کو سچا ثابت کر دیا اور خوب بہادری سے لڑا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ چوتھے نمبر کا شہید ہے۔ (ترمذی)

تشریح۔ اس تقسیم کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد کبھی تو بہادر ہونے کے ساتھ متقی بھی ہوتا ہے کبھی صرف متقی ہوتا ہے بہادر نہیں ہوتا اس کے برخلاف کبھی ایک شخص بہادر تو ہوتا ہے مگر متقی نہیں ہوتا۔ پھر یہ غیر متقی یا تو معمولی طور پر گنہگار ہوتا ہے اور کبھی کھلا ہوا فاسق ہوتا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس تقسیم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اعمال کی تمام قیمت ایمان ہی کے بعد ہے اسی لیے چوتھا شخص اگرچہ بہادر تھا اور دوسرا اگرچہ بزدل مگر ایمان ہی کے ضعف وقوت کے تفاوت سے یہ بہادر چوتھے نمبر میں اور وہ بزدل دوسرے نمبر میں پہنچ گیا ہاں اگر خوش قسمتی سے ایمان کے ساتھ بہادری بھی جمع ہو جائے تو اس کے کیا کہنے۔

ابو اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے براء کو یہ کہتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (زرہ پہنے) سرتاپا لوہے میں ڈھکا ہوا آیا اس نے کہا یا رسول اللہ میں پہلے جہاد میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لے آؤں پھر جہاد کروں آپ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کر اس کے بعد جہاد کرنا۔ چنانچہ وہ پہلے مسلمان ہوا اور اس کے بعد جہاد کیا اور شہید ہو گیا آپ نے فرمایا اس نے کام تو کم کیا مگر ثواب بہت پائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یعنی زمانہ کفر کا بڑا عمل بھی بے وزن ہے اور ایمان کا تھوڑا سا عمل بھی بہت بھاری ہے۔ جاں نثاری کی تمام قیمت اس وقت ہے جب کہ وفاداری کا طوق گلے میں پڑا ہو ورنہ صرف وہ ایک غدار کی موت ہے جس صورت سے بھی آ جائے۔ خس کم جہاں پاک۔ اس لیے آپ نے اس شخص کو پہلے اسلام لانے کا مشورہ دیا۔ اس خوش نصیب کے گذشتہ گناہ تو اسلام سے معاف ہو گئے تھے پھر اس معصومی کی حالت میں جو پہلا عمل اس نے کیا وہ شہادت تھا اس لیے اس کے عمل کی مدت گو بہت قلیل رہی مگر ثواب کی بہت بڑی بازی جیت لے گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے ایک اور لطیف استنباط کیا ہے یعنی جہاد سے پہلے کوئی اچھا عمل کرنا مطلوب ہے تاکہ عمل خیر کی برکت ثبات قدمی میں معین ہو۔

غیر مومن کی تلاوت کی مثال

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مومن قرآن پڑھتا اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ سنگترے کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی اور جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ تو اچھا مگر خوشبو کچھ نہیں اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان (نازبو) کی سی ہے جس کی خوشبو تو بہت اچھی مگر ذائقہ تلخ اور جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اس کی مثال درخت حنظل کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی تلخ اور بو بھی ناگوار۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یعنی جس طرح پھل کی صرف خوشبو سے اس کے ذائقہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اسی طرح صرف قرآن پڑھنے سے کسی کے ایمان کا حال نہیں کھلتا اور جس طرح کہ پھل کی اصل خوبی اس کا خوش ذائقہ ہوتا ہے صرف اس کی خوشبو نہیں وہ ایک سامان تفریح ہے اسی طرح انسان کی اصل خوبی ایمان ہے صرف تلاوت قرآن نہیں یہ مومن کے ایمان کی زینت ہے نہ کہ منافق کے نفاق کی مگر مشک جس کے پاس ہوگا خوشبو ہی دے گا اسی طرح قرآن جو تلاوت کرے گا اس کی خوشبو ضرور مہکے گی مگر صرف اتنی بات پر دھوکا نہ کھانا چاہیے عمل کی اصل روح ایمان ہے۔

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے کو دگنا اجر

ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں کو دو اجر ملیں گے ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ دوسرا وہ غلام جو خدا کا حق ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا بھی، تیسرا وہ شخص جس کی باندی تھی وہ اس سے صحبت کرتا تھا پہلے اس کو خوب سلیقہ شعار بنایا، خوب تعلیم دی پھر آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا اس کو بھی دو اجر ملیں گے عامر (راوی حدیث اپنے شاگرد سے کہتا ہے) ہم نے تو ایسی بیش بہا حدیث تمہیں کسی رنج و تعب کے

بغیر شادی پہلے اس سے معمولی حدیث کے لیے مدینہ تک سفر کیا جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ ہر شخص کی فطرت ہے کہ اس کو اپنے دین سے ایک والہانہ محبت اور دوسرے دین سے رقابت کا تعلق ہوتا ہے اس لیے اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا فطرۃً شاق گذرتا ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ ادیان سماویہ میں کوئی رقابت نہیں ہے، پارٹیاں نہیں ہیں اس لیے ان مذاہب کے پیروؤں کو بھی یہی جذبہ رکھنا چاہیے یہ ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں، ایک دین کے مصدق کو دوسرے دین کی تصدیق لازم ہے اس لیے اگر کوئی اہل کتاب اسلام قبول کرے تو اس کو یہ وسوسہ نہ گذرنا چاہیے کہ اپنے نبی پر اس کا ایمان رائیگاں چلا گیا۔ بلکہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے تو وہ اجر کا مستحق ہوگا ہاں یہ یقینی ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہ لایا تو پہلے ایمان کا اجر بھی حبط ہو جائے گا۔ کیونکہ رسولوں کے درمیان ایمان کے بارے میں تفریق نہیں کی جا سکتی جو ایک کا منکر ہے وہ سب ہی کا منکر شمار ہوگا۔ اس بشارت میں دراصل اہل کتاب کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر بھی ایمان لے آئیں اور کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ ان سب نبیوں پر ایمان لانا آپ کی دعوت کا جزء ہے۔ پس آپ پر ایمان لانا ان سب پر ایمان لانا اور آپ کا انکار، ان سب کا انکار ہے اس لیے اگر وہ خدا کے دین یا خدا کے رسولوں کے متعلق فرقہ پرستی کی اسپرٹ رکھیں گے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام اس کو برداشت نہیں کرے گا اور الٹا ان کا حاصل کردہ اجر بھی برباد ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان لانا سب انبیاء علیہم السلام پر ضروری لیکن منہاج اطاعت صرف اسلام میں منحصر ہے۔

وہ ایمان جو باعث فضیلت ہے

انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارکباد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارکباد۔ (احمد)

تشریح:۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے

بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انسؓ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے آخر میں سبع مرات کی بجائے ثلاث مرات کا لفظ ہے۔ (در منثور ج اص ۲۷)

عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو، پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی (الم یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم ابن کثیر)

تشریح:۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرام اپنی سابقیت، دین کی بروقت نصرت اور مشاہد و مغازی میں صبر و استقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہو سکتا اس لیے ان کے فضائل کا تذکرہ بالکل برمحل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شان تواضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سنی گوارا نہ کی اور آئندہ امت کے لئے بھی ایک ایسی امتیازی فضیلت ذکر کر دی جس سے یہ شبہ گزرنے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرام اس میں بھی بقیہ امت سے پیشگام تھے لیکن رسول کی پر از صدق و صفا شخصیت چونکہ ان ضعفاء امت کے سامنے نہ ہوگی اس لئے اس بزرگ صحابی کو ان کے دل بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔

یقین اور پختہ اعتقاد ایمان کی روح ہے

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال بعد ایک تقریر فرماتے ہوئے) کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابوبکرؓ زارو قطار رو پڑے (پھر کہا کہ) آپ نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لئے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔ (احمد۔نسائی۔ترمذی)

تشریح:۔ یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے "الیقین الایمان کلہ" یقین ہی ایمان کی روح ہے۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول ہے اللھم زدنا ایمانا ویقینا وفقھا۔ اے اللہ ہمارے دل میں ایمان، یقین، اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے۔ جامع ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے۔ واقسم لنا من الیقین ماتھون بہ علینا مصائب الدنیا۔ اے اللہ ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو بھی مقید کرنے کی حقیقت سفیان ثوری کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں لو ان الیقین وقع فی القلب کما ینبغی لطار اشتیاقاً الی الجنۃ وھرباً من النار (فتح الباری ج ا ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حنظلہؓ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفیٰ نے ایک بار یہ آیت پڑھی فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے اوپر بڑا سخت ہوگا الخ) اور بیہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت اور کرتے تو اور مراتب طے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور دور دراز امیدوں کی بدولت ہوگی۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل ونفس اور قلب کی فناء کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ جواہر لطیفہ اپنے اصلی خواص سے مجرد ہوکر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فناء کہی جاتی ہے۔ (پس فناء ہونے والے درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل وخصائص ہوتے ہیں۔ یہی معنی ان کے فناء کے سمجھنے چاہئیں اور بس۔ عقل کا اصل خاصہ تصدیق، شک، توہم، اسباب کی تلاش اور جلب منافع، ودفع مضار پر غور وخوض کرتا ہے۔ جب انسانی قلب وجوارح آداب الٰہیہ کی زیر تربیت مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیہ اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لُو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم مادیہ کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے، اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں، منفعت ومضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے عرش رحمٰن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (خلاصہ حجۃ اللہ)

امام شعرانی لکھتے ہیں المومن الکامل من صار الغیب عندہ کالشہادۃ فی عدم الریب (الیواقیت ج ۲ ص ۷۵)

مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عالم شہادت کی برابر ہو جائے۔ یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آگئی اس کی عقل کامل ہوگئی اور جس کی عقل کامل ہوگئی اس کے لئے نفس وقلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی، اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب آ پہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نواز دیا جائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں نہ تدبیریں نہ شمشیریں — جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر کی جائے۔ جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور جب یہ مقصد بلا تعب حاصل ہو گیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے واسطے سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انہیں حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔

ایمان کے نور کی برکات

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کرنے والا شخص بحالت زنا مومن نہیں ہوتا اور چور بھی بحالت چوری مومن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ابو ہریرہؓ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لٹیرا اس وقت مومن ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ (بے بس ہو کر) اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:۔ معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا۔ یہ نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے یہاں غریب معتزلہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لئے انہوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کر ڈالا۔ پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہوگا جن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لئے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح و ذم

کے موقعہ پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔ آیہ "انما المشرکون نجس" میں بھی مشرکین کے لئے نجاست کا لفظ بسلسلہ مذمت مستعمل ہے۔ اس لئے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کئے۔ (بدایۃ المجتہد لابن رشد)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مومن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انہوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالدیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کرلیا۔ اگر اس کے بعد توبہ کرلیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آ جاتا ہے۔ (یہ کہکر) پھر انگلیاں ملالیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کی حالت میں بندہ مومن کامل نہیں رہتا اور اس کا نور ایمانی نکل جاتا ہے۔

تشریح۔ امام بخاریؒ نے اپنی اس تحقیق کو باب الزنا وشرب الخمر میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ وعن ابن عباسؓ ینزع عنه نور الایمان فی الدنیا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کردیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لے گا۔ پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے۔ حضرت حسنؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کرلیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کردیا جاتا ہے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مومن کا ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوجعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرہ ایمانی سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ اسلام سے بلندتر ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابونصر نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مومن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ

امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مومن نہیں تو فرمایئے اسے اور کیا کہیں۔ امام کو یہ سوال ناگوار گزرا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مومن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا۔ سفیان ثوری سے منقول ہے کہ سلف اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوت ہوتا ہے۔ (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ ص ۶۰)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ انه كان يقول انما الايمان كثوب احدكم يلبسه مرة ويخلعه اخرى۔ ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔ (کتاب الایمان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔ (مستدرک)

تشریح:۔ آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہ کے مابین دائر رہی انہوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو لفظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آ گئی تو مسئلہ اگرچہ زیادہ صاف ہو گیا مگر الفاظ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کر دیں اور اس لئے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قلب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جو ان سے افقہ تھے انہوں نے عنوان اگرچہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کر دی اور فرمایا کہ ان معاصی کے ارتکاب کے وقت مومن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔ جب آئمہ کا

دور آیا تو انہوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لئے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مومن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محدث اور فقیہ مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محدث مزاج تا امکان تعبیر حدیث کے ارد گرد رہنا چاہتا ہے۔ فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرض شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے۔ الفاظ سے اگر کچھ بعد ہوتا ہے تو ہو جائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہ کے درمیان بھی ملتا ہے۔ اگر اتنی سی بات صاف ہو جاتی ہے تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی ہرگز حائل نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر رہنمائی اسی مزاجی فرق کی بناء پر پیش آئی ہے۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کی چھان بین کے لئے بحثوں میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور یہ وسعت محدثین کے لئے ہر موقعہ پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ان ہی لفظی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اور کر زرا اور واضح شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا کی۔ اگر ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نور بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ نور تو رکھتا ہے مگر غلاف چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لئے نابینا کی برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مومن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور تصدیق جوش بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور و جرأت کے

عالم میں اس پر مومن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو یہ حجاب بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (کتاب الایمان) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہد سلف سے شروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہؒ کے دور میں آ کر بہت پھیل گئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے یقین کی چند مثالیں

قتادہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور ہدفوں کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے) (شرح السنۃ)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیرؒ نے آیت وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم بسر و چشم اس کا امتثال کرتے آپ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اھلہ من الجبال الرواسی۔ ایمان داروں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ مجھے یہ حکم دیں تو میں تو اسی وقت اس کی تعمیل کروں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں۔ ان من امتی لرجالاً ایمان اثبت فی قلوبھم من الجبال الرواسی میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ

علیہ وسلم) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈالدیں تو ہم ابھی ڈالدیں گے اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ یمن کے برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گزریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لئے بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آکر مقیم ہو گئے آپ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

ابن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام فضائل و کمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لئے ترغیب دے رہے تھے اس وقت یہ بھی آپہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑو (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں، بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کے اس جواب نے آپ کو خوش کر دیا۔ (بخاری شریف)

ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابو موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا اسلام لو یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈالدی اور (ننگی) تلوار لیکر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بدر کی جنگ کیلئے نکلے یہاں تک کہ (میدان جنگ میں) یہ مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آگئے تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کیلئے کھڑے

ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمانوں کے برابر ہے یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لئے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آ جائے آپ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو گئے یہ سن کر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا...... کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مسلم)

جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (متفق علیہ)

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لیکر آیا ہوں، جب یہ عہد کر لیں تو اب انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطے کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کئے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے، بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب

اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ کو ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دکھلایا گیا کہ صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آ سکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے اور ما‌حصل ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الٰہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر دو برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ کر اسلام لانے کے لئے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی یہاں دو صورتیں ایسی نکال دی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین پر ہی رہنا چاہیں تو مصالحت کر کے یا جزیہ ادا کر کے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا اسلئے اصلی مقصد تو دین الٰہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی دفعات میں مصالحت اور جزیہ بھی شامل رہیں گے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جزء بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت و دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب و کتاب کے لئے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لئے اور رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور کسی عذر

کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لئے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلیہ)

ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کونسا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پوچھا گیا اس کے بعد فرمایا وہ حج جس میں جنایت نہ کی جائے۔ (بخاری)

تشریح:۔ حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے۔ یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ اور اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے۔ صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو۔

ایمان کیا ہے؟

عروہ بن زبیرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیرؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آبپاشی کی جاتی تھی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیرؓ پہلے تم آبپاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو،

اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مدنظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیرؓ آپ کے چچازاد بھائی لگتے ہیں اسی لئے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہوگیا اور آپ نے فرمایا زبیر تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپ نے زبیرؓ کا پورا پورا حق دلوایا (اور پچھلے فیصلہ میں آپ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زبیرؓ کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی فلا وربک الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصل نہ بنائیں پھر اس پر فراخدلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

ضمرۃ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لیکر آئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو، اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہوگئے اور جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (روئداد مقدمہ سنتے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا، کیا واقعہ اسی طرح ہے اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سر اڑا دیا۔ اس پر یہ آیت اتری فلا وربک لا یؤمنون الخ (تفسیر ابن کثیر)

تشریح:۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک اور سند کے

ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے اور اس کو محل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابو اسحٰق کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم یقین ہی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدائے تعالیٰ کو جاننا، اس کو ماننا، اس کے ایک ایک حکم کو ماننا اور بالآخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف وتسلیم کا سر جھکا دینا کہ روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمان کامل۔

ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ کی اطلاع نہ دوں جو اس خزانہ میں کا ہے جو عرش کے نیچے ہے وہ کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہے (برائیوں کے چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے وابستہ ہے۔ (بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اب میرا بندہ مسلمان ہو گیا اور پورا پورا مسلمان ہو گیا۔ (بیہقی)

تشریح:۔اسلام کے ایک معنی تو عام ہیں اور دوسرے معنی خاص ہیں جس کا مخاطب آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا گیا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ اپنے آپ کو (خدا تعالیٰ کے) حوالہ کر دے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے آپ کو اس اللہ کے حوالہ کر چکا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ استسلام (حوالہ کرنا) وہ نہیں ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے باب اذلم یکن الاسلام علی الحقیقۃ وکان علی الاستسلام میں اشارہ فرمایا ہے بلکہ قدرت الٰہیہ کے قہر وغلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت وطاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے۔ یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گذارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو در حقیقت کوئی اختیار نہیں نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حتیٰ کہ نہ کسی نقل وحرکت کا اس کی ہر ہر حرکت وسکون اور اس کا

ایک ایک نطق وسکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں جب وہ شریعت کے امر ونہی کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اب اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ اس پر کوئی جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی جس طرح ایک غلام اپنے نفع ونقصان کی کوئی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات سب اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی طرح بندۂ مومن کا حال ہو جانا چاہئے اور اگر اس کو اس منزل تک رسائی میسر نہیں ہوئی تو کم از کم زبانی طور پر لاحول ولا قوۃ الخ پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہئے۔ زمین وآسمان کے خزائن سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں وللہ خزائن السموات والارض لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ تمہارا حصہ بھی لگا دیا گیا ہے لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے جہاں جنت ہے اسی میں کا ایک درمکنون یہ کلمہ ہے فردائے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ اس کی قیمت خالق کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔

ایمان حقیقت میں قلبی اعتقاد کا نام ہے

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع وخشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔ (احمد)

تشریح:۔ یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخرکار اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جزء نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء (یعنی فرقہ مرجیہ کا عقیدہ ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں بلکہ انسان مجبور محض ہے) اور دوسری طرف اعتزال (یعنی فرقہ معتزلہ کا عقیدہ ہے) ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گذر چکا ہے۔

انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آجاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے، جب اس نے یہ کہا اشھدان لا الہ الا اللہ تو فرمایا جا تجھے آتش دوزخ سے نجات مل گئی صحابہ نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتیں سن کر جنت کی بشارت دیدی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دیجاتی۔

ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک موذن کو آپ نے یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا اشھدان لا الہ الا اللہ تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا اشھدان محمدا رسول اللہ تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پا گیا۔ (مسند بزار)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا و لا یشفعون الخ اور شفاعت بھی نہیں کر سکیں گے مگر اسی کے لئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لئے ہوگی جنہوں نے گناہ کبیرہ کئے ہوں۔ (حاکم)

تشریح:۔ اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مومن نہ ہوتا اور نہ اس کے لئے شفاعت ہو سکتی۔

حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں، ارشاد ہوگا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں روزہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں

اسلام کی صورت آئے گی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام "السلام" ہے اور میرا نام اسلام، ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے، آج گرفت اور انعام دونوں کا دارومدار تیری ہی ذات پر ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) (احمد)

تشریح:۔ اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جداگانہ مذکور ہے حضرت استاد (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہوتا ہم وہ اس کے اجزاء نہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین وفقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مومن عاصی سب کے نزدیک آخرکار جنت میں داخل ہوگا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے یہ صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔

قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جبکہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال وحرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب واحترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنہیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر ونہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لاپرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دلجمعی نہیں ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہو چکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ (احمد)

تشریح:۔ اس مضمون کو ابن عمرؓ نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آ جاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا۔ جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسے بجمعیتِ دل پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہو چکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلجمعی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش و خروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبۂ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہو چکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دل جمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعفِ ایمانی کی دلیل نہیں۔ جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

تشریح:۔ اس حدیث میں اعمال ظاہرہ کو اسلام اور تصدیق باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محل ایمان قلب ہے تو اعمال جوارح ایمان کا جزء کیسے ہو سکتے ہیں۔ معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جوارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نور و بالیدگی نہ رہے۔

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان کی وجہ سے ہے

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے

جنت واجب ہو جائے گی) اور وہ ضرور جنت میں جائے گا اور جو شخص اس طرح حاضر ہو گا کہ اس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

تشریح:۔ بقول امام غزالی انسان اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لئے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان و کفر پر رکھی ہے، اس لئے مومن خواہ کتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے ہی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا۔ اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان و کفر کی جزاء خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث نیۃ المرء خیر من عملہ اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے ص ۱۸۵ پھر اسی کا خلاصہ شیخ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیوۃ کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہیے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت سے بہت اس سے دوگنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جیئے گا تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کرے گا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی قصور ہوتا نہیں اسلئے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام و خلود کا بدلہ مل جاتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے۔ (عمدۃ القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کر دیتی ہے۔ صحیح راہ پر قائم رہنے کے لئے حدود شناسی لازم ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

نور ایمان کے اخروی ثمرات

انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں جو برابر بھی نور ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگرچہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدائے تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجود خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کے برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بارگاہ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

ابو سعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا

جائے گا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہوگئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کے اوپر بہتے ہوئے کوڑے میں (سڑ گل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد زرد بل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:۔ اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجئہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مومن دوزخ میں نہ جاتا لہٰذا مرجئہ کے خیال کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہوگئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مومن ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی خلود کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال اختیارواجبہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہے تو فقدان اعمال کی وجہ سے اگرچہ اس کو عذاب ہو مگر آخر کار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اور اسی لئے ان کے دو ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں، تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہم کلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرما دیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا

(بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی الیٰ پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو، میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی، میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہو اسے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر ان کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کمتر نور ایمان ہو اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا۔ اے پروردگار! مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت وجلال، کبریاء، اور بزرگی کی قسم۔ جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں تو میں خود نکالوں گا۔ اور ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے، خدا کے نبی

بھی شفاعت کر چکے اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے۔ البتہ قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہیں کیا ہوگا۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ فام ہو گئے ہوں گے۔ جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں (غوطہ لگا کر) ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اگ آتا ہے۔ اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمکدار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہوں گی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمٰن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمٰن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کر دیا ہے نہ انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی۔ ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ)

بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

تشریح:۔ انسؓ کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزو پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کونسی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحاب فترۃ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لئے ایمان بالرسالۃ کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لئے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کے توحید پر ہو جائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و خوض کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو ہمارے علم میں ان کی نجات کی ادیان سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی بعثت کا دور نہ ہونے یا اس کی دور بعثت سے لاعلمی کی بناء پر اس پر ایمان و عدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابل معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کئے جا سکتے

ہیں اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالت گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لئے کافی ہو پھر اگلا یہ مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آ سکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آ سکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلائش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر گردوپیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیت کے دوسرا تصور سما ہی نہیں سکتا لیکن جبکہ بساط عالم پر جا بجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو بآسانی پا سکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لیکر آتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے مابین کیسے کیسے خوشنما نقش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیولانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے پس کسی تردد کے بغیر ادیان سماویہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہئے کہ نجات کے لئے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر۔

حضرت استاذ (مولانا انور شاہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترکہ ہوگی اس لئے ان کی نجات کا مشترک نقطہ یہی عقیدہ توحید ہوگا۔ رسول پر ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا متکفل وہ رحمٰن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی۔ جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی سفارش کی۔ قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی

گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لئے رسولوں کی سفارش کر لینے کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زمان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے اس کے لئے وہ ذات متکفل ہو گئی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ کی ہی سفارش پر ہو گی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمے لے لیا۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہئے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع ہونے کیلئے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو امتوں کی بخشش کے متعلق ہو گی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہو گا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی میں بھی ان کا نمبر صفر ہو گا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس توحید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہو گا۔ حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضے پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت پر دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل کئے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہو گا۔ (بخاری شریف)

ایمان کے ساتھ فرائض کی بجا آوری پر کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہو گا

جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن توقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے؟ جب میں فرض نمازیں ادا کر لوں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا آپ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرما دیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعد کے بجائے غیر کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا آمنت باللہ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

تشریح:۔ استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرعی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "استقیموا ولن تحصوا" دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل۔ تاہم جتنا ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم اور اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ سفیان کی یہ حدیث جابرؓ کی اوپر والی حدیث سے زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصاً من قلبہ کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں یبتغی بذلک وجہ اللہ کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا ماحصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکان اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آجاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہو جاتی ہے تو فرقہ مرجیہ اس کو اطلاق پر کیسے حمل کر لیتا ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ان شاء اللہ کسی عذاب کے بغیر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت عفو کر دے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اسکے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہو جائیگی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

کب اجمالاً ایمان لانا کافی ہے؟

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاً اتنا کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاچکے اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات و صفات کے جن مسائل میں بھی حقیقت منکشف نہ ہو سکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو۔ سردست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے۔ البتہ آئندہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہئے۔

جب علم توحید و عقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آجائے تو سردست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو راہ صواب ہو اسی پر ہمارا اعتقاد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا۔ جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس سے تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق و تفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں علم توحید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک و شبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لئے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے یعنی ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق تفتیش کے لئے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لئے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لئے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیات متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت فرمائی ھو الذی الخ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دو قسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان لے آنا چاہئے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو اس سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زائغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے

حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گو لوگوں کی تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ اور سات سو کے درمیان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید (آئندہ) تم کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی۔ (مسلم۔ بخاری)

تشریح: نووی کہتے ہیں کہ لفظ الست مائۃ نحوی قاعدہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ست مائۃ الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد (مولانا انور شاہ) کے نزدیک جو اختلافات ذیل کے قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا مفت کی دردسری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلامی احکام چھپ کر ادا کر لئے جائیں۔ مگر یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دی جاسکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جاسکتی۔ جیسا کہ ان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جاسکتا جن کے سامنے عاقبت اندیشی سے پہلے جانبازی کی منزل آجاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کر لیتے ہیں ایک عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہئے اس لئے مصلحت کے وقت اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دیدی ہے۔ حتیٰ کہ بصورت اکراہ و بی زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دیدی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگرچہ افضل اب بھی یہی ہے کہ اپنی جان قربان کردے اور کلمہ کفر زبان سے ادا نہ کرے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلمات کفر زبان سے نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ کر ادا کرسکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے۔

سعید بن جبیرؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا۔ اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے۔ جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) ادھر ادھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مالدار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا، وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انہیں دیکھ کر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ، مقداد اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا اور ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا کیسے قتل کردیا۔ بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دیدی تھی اس کے باوجود مقدادؓ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ

(مقداد آئے تو آپ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دو گے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو جب کہیں سفر کے لئے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لئے آئندہ تحقیق کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد ؓ سے کہا یہ ایک مومن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہئے

عمرو بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا، بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا، اس پر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم بیشک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف اس لئے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں مال کے لئے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور نورایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے خدائے تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا نہیں کہ میرے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوتے۔ (بخاری شریف)

انس ؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال

لیجائیں اور تم خدا کے رسول کو لیجاؤ۔ انصار بولے بیشک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔ (بخاری)

تشریح:۔ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انہیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپ کی شفقت و محبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک گیا ہے۔ اسی لئے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپ کی داد و دہش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپ کے جذبات محبت درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے۔

انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فوراً اس کو اتنی بکریاں بخش دیں جو ایک وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کر لو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لیکر آتا اور شام نہ ہونے پاتی کہ آپ کا دین اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہو جاتا تھا یا زیادہ معزز ہو جاتا تھا۔ (راوی کو شک ہے) (مسلم)

سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا، میں کھڑا ہو گیا اور میں نے پوچھا آپ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو پکا مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا مومن کہتے ہو یا صرف مسلمان۔ سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لئے دیتا ہوں حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈال دیا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ ابتداء اسلام میں نومسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیف قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جولوگ آپ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بتدریج اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت ومحبت کی آزمائش کے لئے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثار کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر واکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیف قلب اور دلجوئی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نومسلم نے آپ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپ نے اس کی خواہش بھی پوری فرما دی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گو ہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباض فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا۔

بیچارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لئے آپ نے اس کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدار علم کے مطابق بات کہنی چاہئے ایمان قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لئے۔ ان کے لئے یہاں مومن کے بجائے مسلم کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یا ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحب وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیئے جائیں جن کا علم خدائے تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

ایمان کیا ہے؟

ایمان کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی حق بات کو سچ ماننے کے ہیں۔
(فی التنزیل وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ۔ سورۂ یوسف ۱۲:۱۷)
اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے آلات احساس وادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتے۔ (اسی واسطے "ایمان" کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔)
مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد اور مبداء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔
جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدسہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سنیں ان کے لئے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔ اگر وہ ان کی ایسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس دنیا میں نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط

ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقے سے ہو، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریات دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔

پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ "کُلُّ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔ لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفس ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر وشر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر صراحۃ اور تعین کے ساتھ فرمایا، اور قرآن پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ. (بقرہ ۲:۲۸۵)

رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مومنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ۱۲۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا. (نساء: ۴:۱۳۶)

جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی زیادہ گمراہ ہوگیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا ۱۲۔

ان امورِ سہ گانہ میں سے ''تقدیرِ خیر وشر'' کا ذکر قرآن پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحۃً بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ. (نساء: ۴:۷۸)

(اے پیغمبر! آپ اعلان فرمادیجئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے ۱۲) اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَمَن يُرِدِ اللّٰهُ اَن يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَن يُّرِدْ اَن يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا. الآية. (انعام ۶:۱۲۵)

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ''اسلام'' کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہوتا ہے اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کردیتا ہے۔ ۱۲

اب مختصراً یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدہٗ لاشریک خالق کائنات اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب ونقص کی ہر بات سے پاک اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔ (انبیاء ۲۱:۲۶) (بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں ۱۲)

جس میں شر اور شرارت اور عصیان وبغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ) (تحریم ۶۶:۶)

(وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں ۱۲)

ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں)

ایمان کی ضرورت واہمیت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' اس اُمت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت ورسالت کی دعوت اُس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا۔'' (مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود ونصاریٰ جیسے مسلم اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات نہیں پاسکتے تو دوسرے کافروں' مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہرحال حدیث کا مضمون عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دورِ محمدی میں (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی دعوت پہنچ جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے اور اسی حال میں مر جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب وشریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو' الغرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات ممکن نہیں ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے' جس میں شک وشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ ''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے اور اسی

طرح ایک یہودی شخص ہے جو تورات کے احکام پر چلتا ہے اور وہ اللہ پر اور ان کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا تو فرمایئے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سن لیا (یعنی میری دعوت اس تک پہنچ گئی) اور اس کے بعد بھی اس نے میری پیروی اختیار نہیں کی تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔'' (دارقطنی)

ایمان پر نجات

اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا تھا یا (ابو سعید خدریؓ سے) کہ غزوۂ تبوک کے دنوں میں (جب سامان خوراک ختم ہو گیا اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ ''حضرتؐ! اگر اجازت دیں تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کر لیں؟ پھر ان کو کھا بھی لیں اور ان سے روغن بھی حاصل کر لیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا کر لو!'' راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپؐ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے ذبح کر ڈالے) تو سواریاں کم ہو جائیں گی (لہٰذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کھچے سامان خوراک کے ساتھ بلا لیجئے' پھر ان کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کر دینے کی دعا کیجئے' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت فرما دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہاں ٹھیک ہے'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا بڑا دستر خوان طلب فرمایا' پس وہ بچھا دیا گیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ان کا بچا کھچا سامان خوراک منگوایا' پس کوئی آدمی مٹھی چینا کے دانے ہی لیے آ رہا ہے' کوئی ایک مٹھی کھجوریں لا رہا ہے اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لیے چلا آ رہا ہے حتیٰ کہ دستر خوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دعا فرمائی' اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھر لو۔

چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لیے حتیٰ کہ (قریباً ۳۰ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر سب نے کھایا حتیٰ کہ خوب سیر ہو گئے اور کچھ فاضل بھی بچ رہا۔ اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک وشبہ کے کامل یقین واذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے' پھر وہ جنت سے روکا جائے۔'' (مسلم)

تشریح:۔ حدیث کا مضمون ظاہر ہے جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اس کا تعلق حدیث کے صرف آخری جز سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت ادا کر کے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے اور شک شبہ کی کوئی بیماری اس کے دل ودماغ کو نہ ہو اور اسی ایمانی حال میں اس کو موت آئے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر ''اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت'' ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کر لینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنا لینا ہوتا ہے اور اسی لیے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اسلام کو اپنا دین بنا لیا۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کرے اور اسلام کو اپنا دین بنالے اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو تو اگر اسی حال میں وہ مر جائے گا تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے بلکہ کسی اور دین ومذہب پر قائم رہے یا توحید ورسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہو گا۔

الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر اور صرف "لا الٰہ الا اللہ" کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ دراصل یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کر لینے اور اسلام کو اپنا دین بنالینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کی جائیگی۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

۱)...... اگر کوئی بڑا حتی کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے اور کسی صاحب رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے اور اس بڑے کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کرے اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب معلوم ہو تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تامل نہ کرے۔

۲) دعا کا قبول ہونا اور بالخصوص اس قبولیت کا خرق عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں سے ہے جس سے مومنین کے انشراح صدر اور اطمینان قلبی میں ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے۔ (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعامات الہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے یا جو اس قسم کے خوارق کو طنز و تضحیک اور استخفاف و استحقار کے لائق سمجھتے ہیں ان کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کردی ہے۔" (مسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر تھا اور میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی (یعنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چلتے ہی چلتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا اور فرمایا معاذ بن جبل!...... میں نے عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک" (یعنی میں حاضر ہوں' ارشاد فرمائیں)...... پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک" پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معاذ بن جبل!" میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک" (اس تیسری دفعہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا: اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے۔ ارشاد فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت و بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وسعدیک" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں چند چیزیں قابل توجہ ہیں:

۱) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر سوار ہونے اور آپ کے پیچھے آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تھی اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خاص مقام قرب ان کو حاصل تھا' وہ سامعین کے پیش نظر رہے تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتقان بھی ظاہر کرنا ہو یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے کہ اس وقت کی یہ جزئی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح عشاق و محبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ انداز میں اور مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے وقفے کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دفعہ مخاطب کیا اور پھر جو کچھ آپ فرمانا چاہتے تھے اس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ فرمایا...... اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری رغبت و توجہ اور غور و تامل کے ساتھ آپ کا ارشاد سنیں...... دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں تردد اور توقف تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ بات بیان کر دی جائے یا نہ کی جائے اس وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا اور جب بیان فرما دینے ہی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر ہو گیا تب آپؐ نے بیان فرمایا...... لیکن ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی' آپؐ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے تھے اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں استغراق ہو جاتا تھا اس وجہ سے درمیان میں یہ وقفے ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳) اصل حدیث کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کر لیا ہے کہ وہ ان کو عذاب میں نہ ڈالے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی کجاوے پہ سوار تھے پکارا اور فرمایا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پکارا: یا معاذ! انہوں نے عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک" تین دفعہ ایسا ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) "جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کر دیا ہے۔" حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا: "کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کر دوں تا کہ وہ سب خوش ہو جائیں؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔" پھر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتمان علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینا جنت کی کنجی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی بندہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اس کو موت آ جائے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔" ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو" (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا "اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: "ہاں! اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس

نے چوری کی ہو۔" (ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائے گا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: "(ہاں!) ابوذر کے علی الرغم (وہ جنت میں جائے گا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔" (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں بھی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے سے مراد پورے دین توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا اور اس کو اختیار کرنا ہے اور بیشک جو شخص اس دین توحید پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اس نے گناہ بھی کیے ہوں گے تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہوگا تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اس کو جنت میں داخل کردے گا اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہوگا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جا سکے گا۔ بہرحال دین اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا اگرچہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بار بار اپنا سوال دہرایا تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے ان کو اس پر تعجب تھا کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جاسکیں گے۔ گویا اس وقت تک انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا' آج ہم جیسوں کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لیے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔" (مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں بھی "لا الہ الا اللہ" پر یقین ہونے سے مراد وہی دین

توحید پر ایمان رکھنا ہے اور دخول جنت کے وعدہ کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اپنے پورے اعمال نامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی میں یا گناہوں کی کچھ سزا بھگت کر ہر صاحب ایمان جنت میں ضرور ہو جائے گا۔

عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحابؓ میں سے ہیں جو انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نگاہ میں فرق آ گیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ سو جب بارشیں ہوتی ہیں اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالا ہے وہ بہنے لگتا ہے تو میں ان کی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری یہ خواہش ہے کہ حضورؐ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ میں اُسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا۔ عتبان کہتے ہیں کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے یہاں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے آپ کو اجازت دی۔ پس جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں اور مجھ سے فرمایا: تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں پڑھوں؟ کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کر دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کر دی۔ ہم بھی صف باندھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا۔ عتبان کہتے ہیں اور ہم نے آپ کو خزیرہ کھانے کے لیے روک لیا جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا اور (آپ کی اطلاع پا کے) محلہ والوں میں سے بھی چند آدمی آ کے جڑ گئے۔ پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دخشن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا کہ وہ تو منافق ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے محبت ہی نہیں ہے۔ پس رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مت کہو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کا قائل ہے اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے۔ اس کہنے والے شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیادہ علم ہے ہم تو اس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یقیناً اللہ عز وجل نے دوزخ کی آگ پر اس شخص کو حرام کر دیا ہے جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالی کی رضا مندی حاصل کرنا ہی ہو۔" (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کہنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے "قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے "يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" ہے اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوت اسلام کو قبول کرنا اور دین اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے۔ دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہد نبویؐ میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جن صحابی نے مالک بن دخشن کو منافق کہا تھا ان کی نظر میں بھی مالک بن دخیشن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اس کے سوا نہ تھی کہ ان کے خیال میں مالک بن دخشن منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے ایمانی جذبے کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے اور اس کو منافقت سمجھتے تھے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں تو ان کے بارے میں ایسی بدگمانیاں اور اتنی سخت باتیں کرنی جائز نہیں بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابل لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ یہ مالک بن دخیشن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں سے ہیں جو عام غزوات میں حتی کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں۔ ممکن

ہے کہ منافقین سے تعلقات رکھنے میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اُٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہوگئی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے) پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا کہ اندر جانے کے لیے مجھے راستہ مل جائے لیکن نہیں ملا پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سی نہر) نظر پڑی جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور جب دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی نہیں ہوئی تو ہمیں خطرہ ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذاء پہنچائی جائے۔ اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کے میں (اس گول میں سے کس طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ "میرے یہ جوتے لے کر جاؤ اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی

تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو اس کو جنت کی خوشخبری سنادو۔" (ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ابوہریرہؓ تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے کہ جو کوئی بھی دل سے "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اس کو جنت کی خوشخبری سنادوں۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انہوں نے کہا: "پیچھے کو لوٹو" میں روتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا اور عمر بھی میرے پیچھے پیچھے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا: "ابوہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ملے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا میں نے وہ انہیں بتلایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سرینوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا کہ پیچھے کو لوٹو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کیا آپ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا ان کو ملے وہ اس کو جنت کی بشارت دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کر بھیجا تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "حضور! ایسا نہ کیجئے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی وعمل سے بے پرواہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں۔ لہٰذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو جانے دو!"۔ (مسلم)

تشریح:۔۔۔۔۔ اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نعلین مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اس کی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی

ہیں لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے جس بشارت عظمیٰ کے اعلان کے لیے بھیجا تھا اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی ان کے ساتھ کر دینا مناسب سمجھا اور اس وقت آپ کے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کے لیے آپ ان کو دے سکتے تھے یہ نعلین مبارک ہی تھیں اس لیے وہی آپ نے ان کو عطا فرما دیں۔ واللہ اعلم

۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس امتیازی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت میں ان کو حاصل تھی یعنی وہ (اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص شریک کار، محرم راز، مشیر خصوصی اور گویا آپ کے وزیر و نائب تھے اور صحابہ کرامؓ عام طور سے ان کے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسب ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت کے لیے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو تشدد کیا وہ درحقیقت اسی قبیل سے ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا لیکن وہ چونکہ تمام اہل ایمان کے لیے ایک بشارت عظمیٰ کا پروانہ لے کر آ رہے تھے اور ان کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہو رہی تھی اس لیے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس لوٹانے کے لیے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا کیونکہ ان کو مقام نبوت اور شئون نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اس کا کامل یقین تھا کہ اس بشارت عامہ کا مضر پہلو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے گا تو آپ بھی اس کو خلاف مصلحت ہی سمجھیں گے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی عام اشاعت سے منع فرما دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تھی کہ وہ سب مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنادیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی تھی اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

۳) اس حدیث میں بھی صرف "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے' سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جاچکی ہے۔ ماسوا اس کے اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دے یعنی صدق دل سے دین توحید (اسلام) پر ایمان لائے اس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اگرچہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جائے' اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اس کے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مقربین بارگاہ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال اور شان غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے تو ان پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اُس وقت کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی نافرمان کی نجات نہ ہو سکے گی اور اس خاص حال میں ان کے ارشادات اس طرح کے ہوتے ہیں کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جا سکے گا' جو وہ گناہ کرے گا' جنت کی ہوا بھی نہیں پا سکے گا' وغیرہ وغیرہ...... اور اسی طرح جب دوسرے بعض اوقات میں ان پر اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور اس کے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے تو ان پر رجاء اور اُمید رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس عالم میں ان کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرہ خیر ہوگا وہ بخشا ہی جائے گا اور ایسے ہی احوال میں ان حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں۔

پس حدیث مندرجہ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت بنی النجار کے اس باغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس پہنچے ہوں تو اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شئون رحمت اور تجلیات کرم کے مراقبے ومشاہدے میں مستغرق ہوں اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور نشانی اپنی نعلین مبارک عطا فرما کر ہر شاہد توحید کو جنت کی خوشخبری سنا دینے کا حکم دے دیا ہو لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس پوری حقیقت کے راز داں اور ان احوال و کیفیات کے اُتار چڑھاؤ سے باخبر تھے اس لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مراجعت وتحقیق تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے اعلان عام سے روکا ہو۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی اس خاص کیفیت (یعنی غلبہ رجاء و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا اور ان کو اپنے نور فراست سے اس بات کا یقین تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا تو خود آپ اس کو منع فرما دیں گے۔ جیسا کہ ظہور میں آیا۔ اس طرح کے مواقع پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امتیازی فضیلت ہے جس کو حدیث نبویؐ میں "مقام محدثیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لیے جائیں گے جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا اور ان کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا اور اُن کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔" (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہل حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں پوری صراحت اور صفائی کیساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بد اعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر ان کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا تو بالآخر وہ دوزخ

سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا مومن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔

ایمان کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کے قائل نہ ہو جائیں پس جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا اس نے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا' سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح:...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی روایت اس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں ان کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے اور ان کو عذاب ابدی سے نجات دلائی جائے۔ لہٰذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کر لے اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اس کے مقرر کیے ہوئے طریقہ زندگی (دین اسلام) کو اپنا دین بنا لے اس کے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

"اِلَّا بِحَقِّهٖ" کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی اور "لا الہ الا اللہ" کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

"وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس کو مومن اور مسلم تسلیم کر کے اس کے خلاف جنگ بند کر دیں

گے اور اس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی برائی اور اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے جو "عَالِمُ الْغَیْبِ اور عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر" ہے۔ وہی اُس سے حساب کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طارق اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے ہم ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کی شہادت دیں اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا' سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں' اس وقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں۔ پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری و مسلم شریف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں' یہاں تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کے قائل ہو جائیں۔ پس جب وہ "لا الہ الا اللہ" کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری)

تشریح:۔۔۔ اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلۂ اسلام کی طرف رُخ کرنے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ درحقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہ حق پر لانے کے لیے ہے۔ پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دین حق کی دعوت کو قبول کر لیں ان کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لیے حرام ہے اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے اور نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے لگے اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

مسلمان کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین باتیں اصول اسلام میں داخل ہیں ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو اس کے بارے میں زبان کو روکا جائے یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے اور کسی بدعملی کی وجہ سے اس کو خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے۔۔۔ دوسری چیز (اصول اسلام میں سے) جہاد ہے وہ اس وقت سے جاری ہے جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور اس آخری زمانہ تک جاری رہے گا جبکہ اس اُمت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا (مسلمانوں کے حکمران خواہ ظالم ہوں یا منصف جہاد بہر حال جاری رہے گا) کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اس کو ختم نہیں کرے گا اور (اصول اسلام میں سے تیسری چیز) تقدیر پر ایمان لانا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح:۔۔۔ اس حدیث میں تین باتوں کو اصول اسلام میں سے بتلایا گیا ہے اول یہ کہ کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے اور اس کے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے

بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو جاتا۔ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ عہد نبویؐ میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو جانا' اسلام قبول کر لینے کا عنوان تھا' خود ہماری زبان اُردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق کلمہ پڑھ لینے'' کا مطلب اسلام قبول کر لینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے ''کلمہ گو'' کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے اُمت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے' وہ صرف معاصی اور بداعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبویؐ کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بدعملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا اور کافر نہیں ہو جاتا۔

الغرض حدیث کے اس جز کا مقصد و مدعا یہی ہے کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا اور اسلام کو اس نے اپنا دین بنا لیا تو اس کے بعد اگر اس سے گناہ سرزد ہوں اور وہ بداعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف عمل کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے...... پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان و اسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ میری بعثت سے لے کر وہ اس وقت تک جاری رہے گا جبکہ میری اُمت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کرے گا' کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل و انصاف اس کو ختم نہیں کرے گا۔ اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا نظام غلط ہاتھوں میں ہو اور حکمران غلط قسم کے اور ظالم ہوں' تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا اور کسی کے لیے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بروں کا بہر حال ان کی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

ایمان کے منافی اخلاق واعمال

بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... درحقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اس کے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اس کو گرا دیتی ہیں۔

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لیے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے چلا اور اس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

تشریح:...... جب ظلم کا ساتھ دینا اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ خود ظلم ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے اور اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔" (ترمذی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہیے۔

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہوسکتی ہے) پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہوسکتی ہے) پھر عرض کیا گیا' کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیا کانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہوسکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ (مالک و بیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بری عادتیں ہیں لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہوسکتی ہیں لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زنا کار جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جس وقت وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو۔ پس (ایمان والو! ان منافی ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ! بچاؤ! (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی آئی ہے اور اس میں زنا' چوری' شراب نوشی' لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے یعنی اس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: "ولا یقتل حین یقتل وھو مؤمن" (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ قتل کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو) (بخاری و مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ زنا' چوری' شراب نوشی' قتل و غارت گری اور خیانت' یہ سب حرکتیں ایمان کے قطعاً منافی ہیں اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکتیں کرتا ہے اس وقت اس کے دل میں ایمان کا نور بالکل نہیں رہتا' یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے

بالکل نکل کر کافروں میں شامل ہو جاتا ہے ــــ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''ان گناہوں کا کرنے والا جس وقت کہ یہ گناہ کرتا ہے اس وقت وہ پورا مومن نہیں ہوتا اور اس میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔''

اس طرح کی احادیث کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس حقیقی ایمان سے محروم اور بے نصیب ہے جو مسلمانوں کی اصلی شان ہے اور جو اللہ کو محبوب ہے اور اس کے لیے نحوی ترکیب میں ''کاملاً'' یا ''تاماً'' جیسے الفاظ مقدر ماننے کی بالکل ضرورت نہیں بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی بدذوقی ہے، ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور درجہ کی ہو تو اس کو کالعدم قرار دے کر اس کی مطلق نفی کر دی جاتی ہے خاص کر دعوت وخطابت اور ترغیب وترہیب میں یہی طرز بیان زیادہ موزوں اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔

مثلاً یہی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا اور چوری اور خون ناحق وغیرہ گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''ان کا کرنے والا جس وقت یہ ناپاک کام کرتا ہے وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا۔'' اگر بجائے اس کے آپ یوں فرماتے کہ ''اس وقت اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا'' تو اس میں کوئی زور اور وزن نہیں ہوتا اور ترہیب وتخویف جو حدیث کا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا یا مثلاً پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ'' (جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں) اب اگر بجائے اس کے صریح الفاظ میں یہ فرمایا جاتا کہ ''جس میں امانت نہیں وہ مومن کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ پورا دیندار نہیں'' تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ زور اور اثر بالکل نہ ہوتا جو حدیث کے موجودہ الفاظ میں ہے۔ بہرحال دعوت وموعظت اور انذار وترہیب جو ان حدیثوں کا اصل مقصد ہے اس کے لیے یہی طرز بیان صحیح اور زیادہ موزوں وخوبصورت ہے۔

وسوسے پر مواخذہ نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے دل کے برے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا جب تک اُن پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں اور کبھی کبھی منکرانہ اور ملحدانہ سوالات و اعتراضات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں' اس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وساوس جب تک کہ صرف خیالات اور وساوس ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے' ہاں! جب یہی خیالات' خطرات و وساوس کی حد سے بڑھ کر اُس شخص کا قول یا عمل بن جائیں تو پھر اُن پر مواخذہ اور محاسبہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ''کبھی کبھی میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے جس نے اس کے معاملہ کو وسوسے کی طرف لوٹا دیا ہے۔'' (ابوداؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکر مند ہونے کی بات نہیں بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُس کے فضل و کرم اور اس کی دستگیری نے تمہارے دل کو اُن برے خیالات کے قبول کرنے اور اپنانے سے بچالیا ہے اور بات وسوسے کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے برے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ اُن کو زبان سے کہنا بھی بہت برا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا' ہاں! یہی حال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو خالص ایمان ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے

خلاف وساوس سے اتنا گھبرائے اور ان کو اتنا برا سمجھے کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو، یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہاں تک پہنچے تو چاہیے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے اور رک جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:—— مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور خیال کو اس طرف سے پھیرلے یعنی اس مسئلہ کو قابل توجہ اور لائق غور ہی نہ سمجھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اس ہستی کا نام ہے جس کا وجود اس کی ذاتی صفت ہے اور جو تمام موجودات کا وجود بخشنے والا ہے اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کردے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مومن کا رویہ ان سوالات اور وساوس کے بارے میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے اس لیے میرے لیے یہ سوال بالکل قابل غور نہیں جس طرح کسی آنکھوں والے کے لیے یہ سوال قابل غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان واسلام کیا ہے؟

سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو۔" (مسلم شریف)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا الٰہ اور رب مان کر اپنے کو بس اُس کا بندہ بنادو اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنالو بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث "جوامع الکلم" میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے ان دولفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آ گیا ہے۔ "ایمان باللہ اور اُس پر استقامت" ہی اسلام کی غرض وغایت بلکہ اس کی روح ہے۔ "ایمان باللہ" کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبرئیل علیہ السلام کی تشریح میں بیان کیا جاچکا ہے اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط وتفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی "صراط مستقیم" پر قائم رہنا اور ہمیشہ اُس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا۔ گویا تمام اوامر ونواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لیے اس سے آگے کوئی مقام نہیں اسی سے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْتِقَامَةُ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ کَرَامَةٍ. (یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔)

بہرحال استقامت وہ چیز ہے کہ اس کی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی اور بس وہی انسان کیلئے کافی ہے۔ قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا جَزَآءً م بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الاحقاف ۴۶: ۱۳، ۱۴)

"بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اسی کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے تو انہیں کوئی خوف و خطر نہیں اور نہ اُن کو رنج و غم ہوگا وہ سب جنتی ہیں' اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔"

بلکہ "ارجاع السنۃ الی الکتاب" کے اصول پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہوگا۔

حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین نام ہے "خلوص اور وفاداری" کا۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟ ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ' اللہ کی کتاب کے ساتھ' اللہ کے رسول کے ساتھ' مسلمانوں کے سرداروں' پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

تشریح:...... یہ حدیث بھی "جوامع الکلم" میں سے ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشاء کو ادا کر دینا ہے کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث میں اللہ' کتاب اللہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آئمہ اُمت و پیشوایانِ ملت اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے اور یہی کل دین ہے کیونکہ اللہ کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے' ممکن حد تک اُس کی معرفت حاصل کی جائے' اس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے' اُس کی اطاعت و عبادت کی جائے' اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور مالک و مقتدر جانتے ہوئے اُس سے ڈرا جائے' غرض پورے اخلاص و وفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے' اس کا حق عظمت ادا کیا جائے' اس کا علم حاصل کیا جائے' اس کا علم پھیلایا جائے' اس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی تصدیق کی

جائے تعظیم وتوقیر کی جائے ان سے ان کی تعلیمات اور اُن کی سنتوں سے محبت کی جائے اور دل وجان سے اُن کی پیروی وغلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اور آئمہ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں، حاکموں اور رہنماؤں) کے ساتھ خلوص ووفاداری یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد کی جائے ان کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے اور اگر اُن سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پر اُس کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کی جائے، اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے اور معروف کی حد تک اُن کی بات مانی جائے۔

اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص ووفا یہ ہے کہ اُن کی ہمدردی وخیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اُن کا نفع اپنا نفع اور ان کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے، جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علیٰ فرق مراتب ان کے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت وتعاون کے مقرر ہیں اُن کو ادا کیا جائے۔

اس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کو حاوی ہے اور دین کے تمام شعبوں کو ان مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کر دیا گیا ہے اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنا گویا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔

ایمان سیکھنا ضروری ہے

حضرت جی کاندھلوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

سب سے بڑی مایہ جس کے حاصل کئے بغیر انسان کی زندگی خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ وہ ہے ایمان کا سیکھنا۔ اپنے یقینوں کو موڑنا۔ اول تو ایمان کے بغیر عمل قبول نہیں ہوں گے۔ اور دوسرے ایمان کے بغیر عمل پر استقامت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا ثمرہ بھی مرتب نہیں ہوگا۔ یا بہت سے بہت اگر جما بھی رہا تو اس کا ثمرہ مرتب نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنے ایمانوں کی طرف متوجہ نہیں۔ تبلیغ میں لگیں کم جتنیں کم اور جب کرنی آ جائے تو گھروں پر جا کر بیٹھ جائیں۔ یقین نہیں سیکھا، عمل سیکھ لیا۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان سکھایا۔ ایمان سکھا کر عمل کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ یہاں لوگ ایمان نہیں سیکھتے عمل سیکھ لیتے ہیں۔ اچھے سے اچھے عمل موجود لیکن دنیا میں جوتیاں کھا رہے ہیں۔ چاہے دنیا ترقی میں کہیں پہنچ گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے عمل ان سب نقشوں کو گرانے کی طاقت رکھتے ہیں، ہم نے ایمان نہ سیکھا۔ نہ اس کا داعیہ نہ کوئی فکر تبلیغ میں دو قسم کے آدمی نکلے۔ ایک تو کمائی والے، کمائی میں سے نہ نکلیں گے، اپنی کمائی کے اردگرد چکر کاٹتے رہیں گے۔ دس دن کو دیکھا کمائی سے فرصت کا موقعہ ہے تو دس دن کو آ گیا۔ یقین ایک خاص شکل کے ساتھ ہے۔ اس یقین کو باقی رکھتے ہوئے نماز پڑھنے کو، روزہ رکھنے کو، حج کرنے کو، تبلیغ تعلیم، ذکر کرنے کو تیار ہیں۔ ایمان سیکھنے کو تیار نہیں، ایمان کے بغیر عمل ایسا جیسے بغیر کرنٹ کے بجلی کا تار،

ایمان بغیر عمل بگاڑ پیدا کرتا ہے

آج شیطان عمل سے زیادہ نہیں روکتا، عمل اگر اس نے کر ہی لیا تو کیا خوش فہمی

پیدا ہوگی ۔ اگر عمل کرلیا تو میری قسم تیار ہوگی ۔ ایسے جیں کے جو راندۂ درگاہ ہوں ۔ عمل سے آدمی کو بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے ۔ آدمی کے پاس ایمان کی تو غلط ہو تو عمل سے بگڑے ہے ۔ عمل کیا ، بڑائی پیدا ہوگئی ، شہرت کا جذبہ آ گیا ، یہ عمل منہ پر کھینچ کر مارا جائے گا ۔ حضورؐ نے فرمایا: سب سے پہلے آخرت میں تین آدمی پیش ہوں گے ، ایک پڑھا ہوا ، صدقہ اور خیرات کرنے والا اور شہید ، ہم نے تجھے قرآن دیا تھا تو نے کیا کیا تھا؟ آپ نے جو قرآن دیا تھا میں نے خوب عمل کیا ، رات کو نماز پڑھتا تھا دن کو ویسے نماز پڑھتا تھا ۔ جھوٹ بولتا ہے ، تو نے بڑا بھاری بزرگ بننے کے واسطے کیا ، نیت ٹھیک نہیں تھی ، نیت غیر کی تھی ۔ اگر یقین ٹھیک ہوتا تو نیت بھی ٹھیک ہوتی ۔ حدیثوں میں آیا ہے عمل صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو تو قبول ہوتا ہے ۔ یقین کمزور ہے تو نیت غیر اللہ کی بن جاویگی ۔ اس کے پاؤں پکڑ کر اٹھایا جائے گا ۔ اور جہنم میں ڈال دیا جائیگا ۔ یہ ہیں پڑھے لکھے عمل کرنے والے جنہوں نے اللہ کے غیر کیلئے عمل کیا ۔ (دوسرا کہے گا) اے اللہ میں نے خوب مدرسوں میں ، خانقاہوں میں پیسہ لٹایا ۔ (جواب دیا جائے گا) لوگوں نے تجھے سخی کہہ لیا ، میرے پاس تیرے لئے کچھ نہیں ہے ، تیسرے نمبر پر وہ (ہوگا) جو خود خدا کے راستے میں نکلتا تھا ، کبھی جان کی بھی پرواہ نہیں کی ۔

یہ تین آدمی ہیں جن سے دوزخ کو سب سے پہلے بھرا جائے گا ۔ جنہوں نے (کمزور ایمان کے ساتھ) عمل کئے ، ان کا یہ حشر بنے گا (اور) جنہوں نے (ایمان) حاصل نہیں کیا اور عمل بھی نہیں کئے تو ان کو تو بغیر پوچھے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا ۔ خدا کی باتوں پر یقین آجائے گا تو اس کے اوپر سب کچھ ملے گا ، علم آ گیا ، عمل نہیں آیا تو دوزخ ۔ علم نہ آیا عمل نہ آیا تو دوزخ ، اور اگر علم آ گیا اور عمل بھی کرلیا (لیکن) یقین نہ آیا تو دوزخ ۔ اول تو جنت (صرف) ایمان پر ملے گی ، شرک والوں کے مقابلہ میں ایمان سے چکایا جائے گا عمل سے نہیں ۔ اصل چیز سیکھنے کی ہے ایمان ، اور یہ ایمان سیکھنے کو تیار نہیں ۔

ایک تو کمانے والے (جن کا) پورا یقین اپنی کمائی پر ہے ۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو کماتا نہیں ، زبان سے کہیں کہ اللہ دیویں ۔ کسی نہ کسی پر یقین رکھیں کہ فلاں کردے گا ۔ تبلیغ تو

خوب ہورہی، اندر سے ٹٹولو تو اس کے دل کے اندر گوبر بھرا ہوا ہوگا۔ ایمان کے لئے علم، ایمان ہی کے لئے ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔

مرنے والے سے پہلا سوال

آخر میں یہ ہے کہ جو آدمی ایمان پر مرے گا وہ جائے گا جنت میں۔ آخری دعا بھی یہ ہے کہ "جسے زندہ رکھے عملوں پر زندہ رکھ، اور مارے تو ایمان پر مار" (یہ دعا) مرنے والے کے لئے نہیں مانگتے، اپنے لئے مانگتے ہیں، مرنے والا تو مر گیا۔ اس کی دعا تو یہ ہے اللّٰھم اغفر لحینا۔ مرنے والا ایمان پر مرا یا شرک پر مرا یہ تو اللہ ہی جانے۔ قبر میں جاتے ہی یہ سوال ہوگا کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟ آدمی اپنے ذہن میں جس سے پلا ہو اس کی ہر وقت رعایت کرے۔ زمیندار کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ میں زمیندارے سے پلوں گا۔ چاہے کتنا ہی سمجھا لو، بارش ہوگئی، بغیر کھیتی کے پلتے نہیں۔ کھیتی بغیر بیل کے نہیں، بیل بغیر پیسے کے نہیں، سود پر قرضہ لیا بیل خرید لیا، زمینداروں کی اکثریت آج ایسی ہی ملے گی۔ کھیتی سے نہیں پلتا، اللہ پالتے ہیں۔ جس کا یقین ہوگا اللہ سے ملنے کا قرضہ نہ ملا تو وہ بیل خریدنے کا ارادہ نکال دے گا۔ بٹائی پر دے دے گا۔ یا وہ کام کرے گا جس سے بیل کے بغیر کام چل جائے۔ جھلی بھی دھو سکتا ہے۔ جس کا یقین یہ ہے کہ زمیندارے سے چل رہا ہوں وہ سود بھی لے لے ہے، رشوت بھی دے ہے، جھوٹے بیان بھی دے ہے، مرا یہ آدمی، مرتے ہی پہلا سوال (ہوگا) کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟ کمانے والے یا نہ کمانے والا بھی۔ کوئی ضرورت آکر پڑے گی (یوں کہیں گے) پیر صاحب یوں کر دیں گے، منشی جی یوں کر دیں گے، مرتے ہی پوری زندگی کا خلاصہ پوچھ لیا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے؟ اگر یہ یقین لے کر گیا کہ خدا پالتا ہے، نہ کمائی سے، نہ کسی شکل وصورت سے پلنے کا تعلق اگر ساری دنیا میں کوئی نہ ہو تو بھی اللہ مجھے پالیں گے۔ تو جھٹ کہہ دے گا کہ میرے پالنے والے اللہ ہیں۔ اگر دل میں نہیں تو زبان سے کیسے نکلے گا۔ مشق کر کے دل میں یہ بات لے گیا کہ بالکل کہیں سے نہیں پلتا۔ نہ دکان سے نہ کھیتیوں سے، اس کے لئے تیاریاں بھی کیں، کمائی کی پرواہ نہ کی، آدمیوں پر نگاہ نہ ڈالی، جان پر تکلیفیں اٹھائیں، اور محنت کرتے کرتے وقت گزار دیا۔ ہر حکم کو پورا کیا، کمایا تو جھوٹ نہیں بولا، سود نہیں دیا، رشوتیں نہیں دیں، آبروریزی نہ

کی۔ اللہ کا حکم پورا کروں گا اللہ پالیں گے۔ ہوائی کے وقت آواز لگا دی تو اسی وقت دوڑ گیا۔ کوئی صورت نہیں بنی پلنے کی۔ جہاں گیا سب نے جھنڈی دکھادی۔ مولوی نے، پیر نے، منشی جی نے جھنڈی دکھادی۔ اللہ پالنے والے ہیں۔ سب کو چھوڑ کر چل دیا۔ اللہ زمین پھاڑ کر دودے دے گا۔ جس کا اپنے پلنے کے بارے میں غیر اللہ سے یقین ٹوٹ جائے، خدا سے یقین جڑ جائے تو یہ ایمان والا بنے گا۔ جب یہ تیاری کر کے جائے گا تو کہہ دے گا کہ اللہ ہی پالنے والے۔ حضورؐ اچھی طرح بتا گئے صاف صاف۔ جاتے ہی پوچھیں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ دیکھنا رٹنے سے جواب نہیں دے سکے گا۔ دل میں رکھنے سے جواب دے سکے گا۔ جب کہہ دیا کہ اللہ پالنے والے ہیں، اچھا یہ بتلاؤ جب اللہ پالنے والے تھے تو تم نے اللہ سے پلنے کے واسطے کیا طریقہ اختیار کیا؟ برادری کا طریقہ اختیار کیا تھا، انڈین یونین کے طریقہ پر پلا کرتا تھا، امریکہ، روس نے جوں بتایا تھا یوں پلتا تھا، یہ تو کہہ نہ سکے گا کیونکہ اس کی پٹائی ہو رہی ہے۔ ہاہا کرے گا۔

دوسرا سوال

(پھر پوچھا جائے گا) بتاؤ ان آدمی کو کیا کہو؟ پیسے آگئے تو ایسی کوٹھی بنائیں گے جیسی فلاں نے بنائی۔ جن کی زبان پر جان و مال خرچ کرنے میں غیر چڑھے ہوئے تھے وہ نہ کہہ سکے گا کون ہیں؟ جن کی زبان پر حضورؐ چڑھے ہوئے تھے وہ کہہ سکے گا کہ یہ ہمارے نبی پاکؐ ہیں۔ علم پر زبان نہیں بولے گی۔ ایمان و عمل پر بولے گی۔ خشوع کی تقریر ہو رہی ہے، خشوع کا پتہ نہیں۔ خدمت خلق کی تقریر ہو رہی ہے، خدمت خلق کا پتہ نہیں۔ بے ایمان کی ایمان پر تقریر ہو، ایک یہودی، مشرک، بت پرست، ملحد خدا پر تقریر کر سکتا ہے۔ نصرانی وزراء، ہندو پنڈت، اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر، اسلام پر خوب بول جاویں ہیں۔ حضورؐ کے مانے بغیر بھی حضورؐ پر تقریر ہو سکتی ہے۔ یقین کی علامت بولنا نہیں ہے، آج غیر مسلم بھی بول رہے ہیں، ان کا بولنا ان کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ ایک کوڑی، ایک ذرہ نہیں ملے گا۔

یقین پیدا کرنا

ساری بات ایمان سیکھنا ہے۔ یقین موڑنے میں وہ یقین پیدا کرنا ہے جو محمدؐ لے کر

آئے۔ اللہ اکبر، اللہ بہت ہی بڑے ہیں۔ ساتوں زمین و آسمان کے ایک حکم کے مقابلہ میں مچھر کے برابر نہیں، عرش، فرش، کرسی، سب ٹوٹ کر گر جائیں۔ ایک حکم سے اس سب سے زیادہ بنا کر دکھلا دیں۔ ان کا ان کے ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی حیثیت نہیں ہے اللہ، اللہ عزت دینے میں، ذلت دینے میں، اللہ پیدا کرنے میں بہت بڑے ہیں۔ اللہ معطی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، رنج دینے میں بہت بڑے ہیں، غم لانے میں بہت بڑے ہیں۔ بینائی لائیں تو ایسی بینائی لائیں کہ تم تصور نہ کر سکو۔ ایک آدھ بات میں نہیں، ہر بات میں بڑے ہیں، چھیننے میں بہت بڑے ہیں، تصور نہ کر سکو کیا چھین سکتے ہیں۔ جھکانے پر آئیں تو تمہارے جھکانے میں بہت بڑے۔ مسلط کرنے پر آئیں تو چیونٹی کو اس طرح مسلط کر دیں کہ یہ ایٹم والے بھی نہ کر سکیں۔ بڑے بہت ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔ جو جو کچھ کرنے میں بڑے ہیں اس میں ان کو غیر کی ضرورت نہیں۔ ان سب کے بغیر جو چاہیں گے کر دیں گے۔ ہر چیز کے پہلے کو قدرت سے بغیر اس کی جنس کے بنایا تھا۔ ساتوں زمین و آسمان کے بغیر جو چاہیں بنا دیں۔ چیزوں کے بغیر چیزیں بنا دیں، چیزوں کے بغیر عزت بنا دیں۔ پہلے یوں کیا، اللہ بہت بڑے۔

درحقیقت اللہ ہی سب سے بڑا ہے

بڑائیوں کو اگر ایک دوسرے کی چلے جاؤ۔ چیونٹی اپنے بچوں سے بڑی ہے، چلتے چلتے اسرافیل تک لے جاؤ، طاقت کے اعتبار سے شکل کے اعتبار سے جبرئیل کا قد ساتوں زمین و آسمان جتنا بڑا ہے۔ نیچے سے لے کر چھوٹے سے بڑے ہوتے چلے گئے۔ مقابلہ میں بڑائی چھوٹائی غیروں کے اعتبار سے بولی جاتی ہے۔ خدا کے اعتبار نہیں بولی جاتی۔ حقیقت کے اعتبار سے ایک اللہ بڑے ہیں اور سارے چھوٹے ہیں۔ یہ جو کچھ تمہارے سامنے ہے یہ سب کچھ بڑے سے ہوا ہے چھوٹے سے نہیں ہوا۔ انبیاء جتنے ہوئے یہ اس بڑے ہوئے اور کسی سے نہیں ہوئے۔ بڑے نے اسرافیل کو ایسی طاقت والا بنایا سب کے بغیر محض اپنی قدرت سے، یہ حالات جو تم دنیا میں دیکھ رہے ہو یہ حالات اسی بڑے نے بنائے ہیں۔ آخر میں کیا کہیں اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔ ایک دن وہ بڑا اپنی بڑائی کو توڑنے پر لائے گا

کوئی بھی نہ رہے گا۔ وہ اکیلا رہ جائے گا۔ یہ یقین بنانا ہے۔ سب کی بڑائی دل سے نکل جائے۔ میرا تو بہت بڑا زمیندارہ ہے میں کیسے جاؤں۔ شیطان کہیں کے تو اس زمینداری کو بڑا کہہ رہا ہے۔ ساتویں زمین و آسمان بھی بڑے نہیں۔ تو اس صدر وزیر کو بڑا کہہ رہا ہے۔ یہاں تو وہ ملک الموت بھی بڑا نہیں جو ان سب کی جان ایک وقت میں نکال لے۔ لوگوں کو بڑا کہہ رہا ہے یہاں تو اسرافیل بھی بڑا نہیں۔

صرف ایک بڑائی دل میں بیٹھاؤ

اپنے جتنے مسئلے ہیں (ان کے) چاروں طرف سلسلے جا رہے ہیں۔ جب (ایک) سلسلہ کو دیکھنا شروع کرو گے بڑا لمبا چوڑا دکھائی دے گا۔ نوکروں میں، آقاؤں میں جاؤ، خارجہ میں، داخلہ میں جاؤ بڑا سلسلہ ہے۔ زمین و آسمان خود ہی چھوٹے ہیں۔ (اسی طرح) ان کے اندر کے سارے سلسلے چھوٹے ہیں۔ اپنی محنت سے یقین موڑنا ہے۔ ساتوں زمین و آسمان سے یقین موڑنا ہے۔ اللہ کی بڑائی دل میں بٹھلاؤ۔ ہمیں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ آ جائے۔ (بس) ایک کی بڑائی دل میں بیٹھ جائے۔ (باقی) اور (سب) چھوٹے۔

اللہ کے علاوہ سے ہوتا نہیں۔ اللہ اکبر جب آیا جب جو چیز سامنے آئی۔ بہت بڑی کوٹھی (دیکھی) تو کہہ زمین و آسمان بھی بڑا نہیں کوٹھی سے کیا ہوگا۔

تعریفیں اللہ کی طرف لوٹتی ہیں

سبحان اللہ۔ میرا خدا عاجز ہونے سے پاک ہے۔ ضعف سے ہر نامناسب سے پاک ہے۔ اللہ پاک ہے اس سے کہ پیسے کا، مکان کا پابند ہو۔

جو کچھ تو نے نبی میں دیکھا (یا اس کی تعریف کی) اس کی تعریف خدا کی طرف لوٹے گی۔ نبی میں جو کچھ نظر آتا ہے خدا نے رکھا ہے۔ حفاظت تیرے مکان سے نہیں ہوئی اس کی تعریف اللہ کی طرف جائے گی۔ سارے قرآن کا خلاصہ ہے کلمہ سوئم۔ اللہ کی بڑائی کا بیان ہے قرآن میں، نبی بہت چھوٹے ہیں۔ اللہ بہت بڑے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جو تم ہدایت دیکھتے ہو وہ ہدایت محمدؐ نے نہیں دی ہے۔ خدا نے رکھی ہے۔ برزخ میں دیکھنا کیا کیا کرے گا۔ حشر

میں دیکھتا کیا کیا کرے گا۔ جنت میں دوزخ میں دیکھتا کیا کیا کرے گا۔ ابھی کیا دیکھا ہے۔ جھونپڑے میں ہو۔ خدا کی قدرت کے تماشے اور شکلیں دیکھنا آگے کیا کیا آئیں گی۔

اعمال کا چیزوں سے مقابلہ

اب یقین دیکھنا۔ یقین کے بنانے کے واسطے عمل دیئے گئے ہیں۔ عملوں میں مقابلہ چیز کا رکھ دیا گیا۔ مقابلہ کے درجات رکھ دیئے گئے۔ نماز مقابلہ ہے کمائیوں سے، گھریلو کاموں سے، معاشرت کے کاموں سے، روزہ و حج بھی مقابلہ ہے۔ خدا کے راستہ کی نقل و حرکت، ایمان کی، دین کی محنت بھی مقابلہ ہے۔ دنیا کے جو رائج نظام میں نقشے ہیں، یہ پانچوں چیزیں مقابلہ ہیں ان سے نکل کر۔ جتنا انسان ان پانچ کے لئے نقشوں سے نکلے گا اتنا ایمان آئے گا۔ جس درجہ کا مقابلہ کرو گے اتنا ایمان تمہارا قوی ہوگا۔ ایک آدمی نماز کے واسطے پندرہ منٹ لگائے۔ مقابلہ کیا پندرہ منٹ۔ روزہ رکھ کر سارے کام کرتا رہا۔ یہ مقابلہ بہت چھوٹے درجہ میں ہے۔ ہوائی جہاز سے ۱۵ دن میں حج کر کے آ گیا، پندرہ دن کا مقابلہ رہا۔ زکوٰۃ کے لئے ۲۵۰ روپے دے گیا، کہیں لگا دینا۔ تھوڑی مقدار میں مقابلہ ہوا، ایمان تھوڑا سا آئے گا۔ ایک مقابلہ ہوگا، مالدار مطلب۔ سیکھنے کے واسطے پورا وقت دیا۔ حج کی معلومات کیں۔ غیبت چھوڑ، جھوٹ چھوڑ، گالی بکنا ختم کر، ایثار کی عادت ڈال۔ نماز کی تعلیم کی، ذکر کی مشق کی، جنت کا تصور باندھنے کی مشق کی، حج کا علم حاصل کرنے کی مشق کی۔ دو چار ماہ پہلے سے تیاری میں وقت لگایا۔ ۴ (چار) ماہ حج میں لگائے۔ اب مقابلہ بن گیا۔ صرف حج کرنے سے مقابلہ نہ بنا۔ ساری چیزیں معلوم کرنے میں اور پھر اس عمل کرنے میں وقت لگے گا۔ قصور معاف کرائے۔ غیبت معاف کرائی، نماز پر وقت لگایا، نفع نقصان سیکھے۔ سود چھوڑے گا، غیبت چھوڑے گا تو نماز قبول ہوگی۔ کسی نماز کو دو گھنٹے کسی نماز کو ڈھائی گھنٹے لگے، جتنا نماز کی محنت پر آتا چلا گیا، ایمان بڑھتا چلا گیا۔ خدا کی بڑائی دل میں بیٹھے گی، جتنا نماز کی محنت میں وقت زیادہ لگے گا۔ نماز کے بارے میں بیٹھ کر سننا اور یقین کو اس کے مطابق بنانا۔

سب سے بڑا مقابلہ

سب سے بڑا مقابلہ تبلیغ سے بنتا ہے۔ حج کا وقت مقرر۔ رمضان کا وقت مقرر

ہے۔ نماز کا وقت مقرر ہے۔ پہلے سے انتظار کرے گا۔ اچانک مقابلہ آ کر پڑے گا۔ جس کی پہلے سے کچھ خبر نہیں وہ ہے تبلیغی مقابلہ۔ حج کے اعتبار سے ترتیب سے لے گا۔ اصل مقابلہ جو آ کر پڑے گا (کہا جائے گا کہ) تبلیغ میں چل اللہ ہمیں پالنے والے ہیں۔ سارے انتظام جس میں ٹوٹیں گے۔ ادھر بچہ بیمار ہو رہا ہے۔ چھت ہو رہا ہے۔ دیوار ٹوٹ رہی ہے۔ جماعت بن گئی ہے، اس کا سنبھالنے والا کوئی نہیں۔ تو چلا جا۔ اس طرح کہے گا تبلیغ تو ہو جائے ایمان نہ آئے۔ اس طرح کہہ دے کہ کل کو چلا جاؤں گا تو کعب جیسا حال بن جائے گا۔ وہ تو بدر جیسا حال بنا دیں گے۔ اچانک لا کر بات ڈالیں گے۔ منشی جی میرے بیوت نہیں۔ میری تو طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ اب ایمان نہ پیدا ہوگا۔ اگر کمانے والا ہے تو کوئی اور اگر کمانے والا نہیں ہے تو تیری ساخت پر زد پڑے گی۔ مقابلہ آئے گا۔ جب اللہ کی بات کرنے میں پڑ جائے تو کوئی چیز دیکھنے کی ہے نہیں۔ وہی کرنے والا ہے۔ میری ترکیب و تدبیر سے نہیں چلتے اللہ ہی پالتے ہیں۔ سواری نہیں تھی بغیر سواری کے چل دیئے۔ بے شک یہ بڑا اعتماد والا ہے جس پر زد پڑی۔ اللہ خوش ہوں گے۔ کائنات کے نقشے کے مقابلہ سے آئے گا ایمان۔ یہ ہیں خارجی

داخلی مقابلے

خارجی مقابلہ کرنا آ جائے تو داخلی مقابلہ پڑے گا۔ اس کمائی میں سود ہو۔ اس وقت سود پر لیں تو پچاس ہزار بن جائیں گے۔ بغیر سود کے پانچ سو نہیں تو وہ لیتے ہیں۔ پانچ ہزار پر لات مارنی ہے۔ مقابلہ پڑے گا تھوڑی سی رشوت دے دوں تو دس بیگھ سے پچاس بیگھ بن جائیں تو رشوت نہیں دینی اس واسطے کہ اللہ ناراض ہو جائیں گے۔ پیسے ہاتھ میں آ گئے تو پھر مقابلہ، کوٹھیاں یوں کہیں گی تو بھی ایسی ہی بنا۔ مجھے یہ سارے نقشے نہیں بنانے۔ مجھے حضرت محمدؐ کے حکم پر جان و مال کو خرچ کرنا ہے۔ چپہ چپہ پر مقابلہ ہے۔ پھر ایمان میں بھی کمال، اعمال میں بھی رہتی دنیا تک عزت قائم رہے گی۔ جب اللہ عزت دیں گے تو اللہ بہت بڑے ہیں۔ جب اللہ ذلت دیں گے تو اللہ بہت بڑے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت آج تک چل رہی ہے آخرت میں باقی رہنے والا نقشہ ہوگا۔ اگر یہ راستہ سیکھنا

ہے تو مقابلہ کے واسطے تیار ہو جاؤ، زندگی کے اندر اپنے ایمان سیکھنے کے لئے اپنے اپنے نقشے کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (خطبات حضرت جی)

دل میں اللہ کی بڑائی

حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔

جب اللہ کی بڑائی سے دل تمہارا ابھر جائے تو بڑے بڑے بہادروں کے دل لرز جائیں گے، شیر اور اژدھا اور ہتھیاروں والے لرز جائیں گے۔ ہر ایک چھوٹا نظر آئے، ساتوں آسمان چھوٹے نظر آئیں، اس کی بڑائی کے آگے انبیاء چھوٹے نظر آئیں، ہمارے آگے بڑے ہیں، اللہ کے آگے بہت چھوٹے ہیں، وہ نبیوں میں بڑے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنی باتوں کے اعتبار سے ہمارے بڑے ہیں، اللہ رب العزت جتنا ہمارے بڑے ہیں اتنے ہی اعتبارات سے محمدؐ کے بڑے ہیں۔ چیونٹی، مچھر، گھوڑا، شیر، پہاڑ، آسمان ایک دوسرے سے بڑے چھوٹے ہیں۔ انبیاء کی بڑائی مخلوقات سے بڑے ہیں لیکن خدا کی ذات کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ دم مارنے کی طاقت نہیں، نبیوں کی بڑائی اس طرح کی نہیں کہ خدا کے محاذات میں کہیں آویں۔ جیسے خدا کے مقابلہ میں ہم چھوٹے ہیں، سارے نبیؑ اسی طرح اللہ کے مقابلہ میں چھوٹے ہیں۔ باپ کسی بیٹے کی بات کو بہت سنتا ہے، بہت سے بچے ہیں۔ خدا کے ساتھ میں ویسی چھوٹائی کا تعلق ہے، ایسے چھوٹے ہیں کہ جو اللہ سے مانگتے ہیں وہ دے دیتے ہیں، وہ بڑے ہیں اسی لئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو چھوٹا مان لیا، جیسے حضرت عیسیٰ کے بارے میں عیسائیوں نے کہا کہ یہ اتنے بڑے ہیں کہ خدا کی جنس سے ہو گئے نہیں بھائی اللہ قادر ہیں، اللہ خالق ہیں، یہ مخلوق ہے، ایک آدمی اپنی لکڑی آگ میں ڈال دے، کہو گے بڑا ظالم ہے؟ نہیں بھائی۔ اللہ اگر چاہیں تو سارے نبیوں کو آگ میں ڈال دیں، یہ سب خدا کی ملک ہے۔ پہلی بات جو ہمیں دی گئی، اپنی پرورش و حفاظت کے واسطے اللہ کی بڑائی کو لے کر در در پھرو۔ صحابہؓ نے کام اسی کو بنا لیا۔ اللہ بہت بڑے ہیں، اللہ کے کہنے کے مطابق چلو گے تو بہت بڑے منافع سے نوازیں گے اور اللہ کا کہنا نہ مانا تو بہت بڑے نقصانات بھگتنے پڑیں گے۔ (خطبات حضرت جی)

اللہ کی پہچان

معرفت کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں:

(۱) صحبت اہل اللہ (۲) کثرت ذکر اللہ (۳) تفکر فی خلق اللہ

صحبت اہل اللہ

کو مقدم اس لئے رکھا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت ہی سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہوتا ہے ان کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آجاتے ہیں ان کی نورانی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے ذکر کی توفیق ہوتی ہے۔

فقر خواہی آں بصحبت قائم است .... نہ زبانت کاری آید نہ دست

یعنی حق تعالیٰ کا راستہ صحبت ہی سے طے ہوتا ہے نہ محض زبان کام آتی ہے نہ ہاتھ کام آتا ہے اسی واسطے حق تعالیٰ جل شانہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو" اب سوال پیدا ہوا کہ ڈریں کیسے ڈرنے کا طریقہ کیا ہے اس کا جواب بھی حق تعالیٰ نے اسی آیت میں آگے دیدیا کہ کونوا مع الصادقین کہ سچوں کے ساتھ رہو جن کا ظاہر اور باطن دونوں خدا کے خوف سے سچے ہوں ان کی صحبت کی برکت سے ان کا صدق فی الاعمال اور ان کا صدق فی الاقوال تمہارے اندر بھی آجائے گا یعنی ان کا اندر باہر ایک ہو جو کہتے ہوں اس پر عمل پیرا ہوں۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیران قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

تو حق تعالیٰ نے کیسا پیارا قانون بتا دیا کہ اللہ والوں کے ساتھ رہو خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑ لیتا ہے اللہ والوں کے ساتھ رہنے اور ان سے تعلق اور رابطہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

کثرت ذکر اللہ

دوسری چیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کو بہت یاد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذکر و تفکر فی الخلق (یعنی اللہ کی مخلوق میں غور و فکر) کے انوار سے نفس کے ظلماتی پردے ہٹتے چلے جاتے ہیں ذکر کے انوار جب دل میں آتے ہیں تو دل کی تاریکیاں انوارات سے بدل جاتی ہیں، پہلے جب دل تاریک تھا تو افکار (سوچیں) بھی تاریک ہوتے تھے اب نورانی دل میں افکار بھی نورانی پیدا ہوتے ہیں، ذکر سے فکر کا جمود (بجھنا) دور ہو جاتا ہے، چوتھے پارہ میں حق تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کاملہ اور عبدیت کاملہ کا ذکر کیا ہے وہاں بھی پہلے یذکرون اللہ ذکر فرمایا کہ وہ لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں پھر بعد میں فکر ارشاد فرمایا کہ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! یہ آسمان بے ستون آسمان میں چاند اور سورج اور اتنے بے شمار ستارے اور زمین کے اتنے بے شمار ذرات کا اکٹھا کر دینا آپ ہی کی قدرت کاملہ کی صفت گری ہے"۔

بہرحال کثرت ذکر کے انوارات سے ان کی سمجھ ایسی نورانی ہوگئی جس سے اپنی غلامی اور بندگی کا اور حق تعالیٰ کی عظمت شان کا استحضار پختہ ہوگیا یہی وجہ ہے کہ عارفین باوجود کثرت ذکر و فکر کے عجب اور خود بینی میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ڈرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یارب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا" کثرت ذکر سے طالب کے اندر جو نور پیدا ہوتے ہیں وہ شیخ کے انوار و برکت کو جذب کر لیتے ہیں یعنی نور کھینچنے کی صلاحیت ذکر کے اہتمام سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

تفکر فی خلق اللہ

(۱) صحبت اہل اللہ سے کثرت ذکر اللہ کی توفیق ہوتی ہے۔ (۲) اور کثرت ذکر اللہ کی

برکت سے فکر حرکت میں آتی ہے۔ (۳) پھر ذاکر حق تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوقات میں غور کرتا ہے اور جہان کا ہر ذرہ ہر پتہ اس کے لئے معرفت کا دفتر بن جاتا ہے۔

ذکر سے زیادہ فکر سے قرب بڑھتا ہے مگر فکر میں نورانیت ذکر ہی سے آتی ہے، حدیث میں ہے کہ ''فکر کا اجر ذکر سے دس درجہ زیادہ ملتا ہے'' اس کی تائید سورہ قمر کی آخری آیات سے بھی ہوتی ہے کہ ''بے شک متقین بندے باغوں میں ہونگے یا عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس'' بیان القرآن میں ہے کہ جنت کے ساتھ قرب بھی نصیب ہوگا۔ جب تقویٰ کی یہ برکات ہیں تو تقویٰ (ڈر) کیسے پیدا ہو، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فکر ہی سے پیدا ہوتا ہے، اس کی تائید سورہ نازعات کی آیت سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ جل شانہ ہمیں ان تینوں چیزوں پر عمل کی توفیق دے آمین ثم آمین یارب العلمین۔ (یکے از مضامین حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ رحمہ اللہ۔ شمارہ نمبر 34)

ایمان کا بچاؤ..کان اور دل ودماغ کی حفاظت

کان کی حفاظت بہت ضروری ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آخر اس میں کیا حرج ہے کہ دوسرے کی بات سن تو لینی چاہئے، حالانکہ یہ نہایت خطرناک بات ہے کہ بعض دفعہ کان میں کوئی ایسی بات پڑ جاتی ہے جس سے ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، کان کے راستے سے جو بات جاتی ہے وہ بھی دل میں جاتی ہے، آنکھ سے دیکھ کر جو تاثرات مرتب ہوتے ہیں وہ دل پر مرتب ہوتے ہیں اور کان کی سنی ہوئی بات وہ بھی دل میں پہنچتی ہے اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔

حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے بعض آدمی کہتے ہیں کہ ہم تو اس کان سے سنتے ہیں اس کان سے نکال دیتے ہیں فرمایا: یہ بھی کوئی عقل مندی کی بات ہے؟ کہ اس کان سے سنا اور اس یہاں سے اس بات کو گزارتے گزارتے پھر یہاں سے اس کو نکالا، ارے اسے سننے ہی کی کیا ضرورت ہے، کیسی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ کان میں داخل ہی کیوں ہونے دیا جائے یہاں سے وہاں تک گذاری تو کیوں گزرنے ہی کیوں دیا جائے؟

آپ فرمایا کرتے تھے جس طرح سننا اختیاری ہے اسی طرح نہ سننا بھی اختیاری ہے، بہر حال کان کی حفاظت بہت ضروری ہے، حضرت حاجی محمد فاروق صاحبؒ نے اپنے مواعظ میں ایک عبرت انگیز واقعہ بیان فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے زمانہ میں گمراہ ملنگوں کا ایک ٹولہ تھا دہلی کے قریب، اور جو بھی ان کے پاس جاتا کم بخت اس کو ایسا مسخر کرتے تھے کہ وہ چار ابرو کا صفایا کر لیتا تھا، سر بھنویں، واڑھی، مونچھ ان کو چار ابرو کہتے ہیں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ میں جا کر ان کو تہس نہس کر دوں گا، ایسی بات سناؤں گا کہ سب توبہ کر لیں گے ورنہ میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے منع فرمایا کہ تم نہ جاؤ تمہارا کام نہیں ہے، بڑوں کی بات مان لینی چاہئے، دیکھئے

بڑوں کی بات ماننے میں بڑی بھلائی ہے اب بتایئے اس زمانہ کا بھی مولوی نہیں ہے بلکہ اس وقت کا جب کہ دہلی میں خانوادہ ولی اللہ ہی غالب تھا کیسے کیسے حضرات اس وقت تھے لیکن وہ مولوی صاحب نہیں مانے چلے گئے وہاں پہنچے اور دیکھتے ہی اس گمراہ ملنگ نے کہا اچھا تو بھی آ گیا ہے چل چار ابرو کا صفایا کر، اور بیٹھ ان کے ساتھ، بس اتنا کہا اس کی آواز کان میں پہنچی اور وہ مولوی صاحب سب کچھ بھول گئے اور وہاں ان کے یہاں جو نائی اس گمراہ ملنگ کی طرف سے بیٹھا رہتا تھا اس کام کیلئے، اس نے ان کی داڑھی مونڈھی، مونچھیں مونڈھیں بھنویں مونڈھیں، سر کے بال مونڈھ کر چار ابرو کا صفایا کرکے ان ملنگوں میں شامل کر دیا، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کو عین اس وقت کشف ہوا اور اپنے درس میں فرمایا کہ میں نے منع کیا تھا ان مولوی صاحب کو کہ تم نہ جانا، تمہارے بس کی بات نہیں ہے، ایسا نہ ہو کہ تم بھی انہیں میں شامل ہو جاؤ مجھے ابھی ابھی منجانب اللہ معلوم ہوا ہے کہ چار ابرو کا صفایا کرکے وہ مولوی صاحب بھی گمراہ ملنگوں میں شامل ہو گئے ہیں۔

اسی طرح ہر کس و ناکس کی کتاب بھی نہیں دیکھنی چاہئے، بعض دفعہ تو ایسی ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو دل میں اتر جاتی ہیں اور شکوک و شبہات دل و دماغ کو ستاتے ہیں، بعض لوگ مطالعہ کے شوقین ہوتے ہیں، ہر کس و ناکس کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ کوئی بات نہیں ہر کتاب کو دیکھنا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ کون کیا لکھتا ہے؟ اور اپنے پاس صحیح اسلامی معلومات ہوتی نہیں تو پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام پر اعتراضات شروع ہو جاتے ہیں۔ الامان والحفیظ۔

ہمارے ایک بزرگ حضرت صوفی بشیر محمد صاحب رحمہ اللہ جنہوں نے اکابر اولیاء کی طویل صحبت اٹھائی تھی، ان کو اخیر عمر میں کسی ملنے والے نے ایک گمراہ شخص کی تصنیف بھجوادی تھی جو بظاہر اسلامی کتاب تھی، حضرت صوفی صاحب" فرماتے تھے کہ گھر میں آ گئی تھی اس لئے کہیں کہیں سے دیکھ لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخری دنوں میں فرماتے تھے کہ ان پڑھی ہوئی باتوں کا یہ اثر ہوا کہ غلط غلط وساوس آتے ہیں، اسی لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی خاص نصیحتوں میں فرمایا:

(۱) غیر مسلک، غیر مشرب لوگوں کی مجالس میں نہ جایا کریں اور نہ غیر کی کتابیں دیکھیں۔

(۲) آپ نے فرمایا اسلام کی تعریف میں لکھی ہوئی کسی غیر مسلم کی کتاب بھی نہ دیکھو کیونکہ اس کی تحریر میں اس کے کفر کی ''ظلمات'' بھری ہوئی ہوتی ہیں۔

(۳) بعض لوگ اسلامی تعلیمات جدید انداز میں اسلاف کی تعبیروں سے ہٹ کر خامہ فرسائی کرتے ہیں ان کے متعلق آپ ارشاد فرماتے ہیں ''ایسے لوگوں کی تحریریں جو بظاہر بہت خوبصورت ہوتی ہیں لیکن ان کی مثال ایسی ہے جیسے گوبر کے اوپر مٹھائی'' اس لئے ایسی کتابوں سے بچئے، اور اپنے بزرگوں کے مشورہ سے کتاب کا مطالعہ کیجئے ان شاء اللہ برکت ہوگی اور دور حاضر کے فتنوں سے حفاظت ہوگی''۔ اللہ پاک ہم سب کو اسلاف کے طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین) (شمارہ نمبر 28)

تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے...... سمجھنا فرض نہیں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

حکما سورج کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے سے روکتے ہیں، آخر سورج کو اس طرح دیکھنے کو کیوں منع کرتے ہیں کیا آپ کے اندر دیکھنے کی قوت نہیں بلکہ وہ اس لئے منع کرتے ہیں کہ اگر سورج کو ٹکٹی لگا کر دیکھو گے تو آنکھ کی بینائی ختم ہو جائے گی کیونکہ تمہاری آنکھ میں آفتاب کو دیکھنے کی تحمل نہیں ہے، اسی طرح بعض علوم اتنے دقیق ہوتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آسکتے، اس لئے ان میں پڑنے سے روکا جاتا ہے، انہیں میں مسئلہ تقدیر ہے اگر اس میں پڑو گے تو ایمان کا خطرہ ہے، بالاجمال تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے مگر اس کی تفصیل معلوم کرنا شرعاً مطلوب نہیں ہے، بالاجمال تقدیر کا مسئلہ عقلی ہے اسلام کے علاوہ کون سا مذہب ہے جو تقدیر پر بحث نہیں کرتا، تقدیر کے معنی ربط حادثات بالقدیم کے ہیں، یعنی مخلوق کو اللہ کے ساتھ کیا رابطہ ہے، دوسرے ادیان نے اس ربط کو بیان نہیں کیا یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اسلام نے اس ربط کو معقول کر کے دکھلایا مگر دوسروں نے دباؤ سے منوایا، لہٰذا جب یہ مسئلہ مشکل ہے تو اس میں کیوں پڑتے ہو اس میں پڑنے سے اسلام نے ممانعت کر دی ہے، الہٰذا یہ کہنا کہ تقدیر کا مسئلہ سمجھ اور عقل میں نہیں آتا ہم کہتے ہیں کہ تمہاری عقل ہی کتنی بڑی ہے جو یہ مسئلہ سمجھ سکے مثلاً ہزار آدمیوں میں نو سو پچاس تو نابینا ہیں اور پچاس بینا یعنی آنکھ والے ہیں اب اگر سارے

بینا کسی کے بارے میں اتفاق کرلیں کہ یہ چیز تو ہے ہی نہیں کیونکہ ہماری نظر میں نہیں آ رہی ہے تو کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہوگا ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ پہلے اپنی اپنی نظروں کا علاج کرلو خرابی تو اپنے اندر ہو اور اس کو ڈال دیں سائل پر یہ کون سی انصاف کی بات ہے۔

تقدیر کا مسئلہ عقلی ہے

سائل کو تو اس طرح سوال کرنا چاہئے کہ اگر تقدیر کا مسئلہ عقلی ہے تو وہ کس درجے تک عقلی ہے کیونکہ عقلی مسئلہ تو ہم بھی سمجھ سکتے ہیں تو پھر سائل کو سمجھایا جائے گا کہ جب آپ خالق سے رابطہ قائم کریں گے تو اس رابطے کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اسکے سمجھنے کی ایک صورت تو یہ ہے جس کو فلاسفہ نے سمجھا ہے کہ حق تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرکے فارغ ہوگئے اب آپ مختار کل ہیں اب ان کا کوئی واسطہ نہیں رہا اور نہ ان کے اندر یہ قدرت ہے کہ آپ کے افعال میں تصرف کرسکیں، آپ خود ہی اپنے افعال کے خالق ہیں اگر آپ نے ایسا ہی سمجھا تو حق تعالیٰ کی ذات میں ایسا نقص مانا کہ جس سے توحید باقی نہیں رہتی اور اگر آپ نے یوں سمجھا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے بندے کو تو کسی قسم کا اختیار اللہ تعالیٰ نے دیا ہی نہیں تو اس سے عدل خداوندی میں تہمت لازم آئے گی اور ذات حق پر اعتراض ہوگا کہ جب بندہ مجبور ہے اور اس کو کوئی اختیار ہی نہیں ہے تو گناہ پر سزا دینا یہ بندے کو مجبور کرنا ہے گناہ بھی وہی کرائیں اور سزا بھی وہی دیں یہ کون سا عدل ہے تو اس عدل خداوندی میں تہمت لازم آئے گی اور وہ اس سے بری ہے تو اسلام سے ہٹ کر جس مذہب والے کی لائن اختیار کرکے جو بھی شکل بناؤ گے اس میں مشکلات پیدا ہوں گی اس لئے کہا جائے گا کہ ہر مذہب والوں کی لائن الگ الگ ہے، البتہ اسلام نے اس کے بارے میں یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو پیدا فرمایا اور اس کو اختیار دیا لیکن وہ قدرت واختیار خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے یہ اس کی مخلوق ہے مگر جتنا اختیار دیا اس میں اس کا حق ہے اس لئے بندے کو جتنا اختیار اور قدرت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اسی کے متعلق سوال ہوگا اور حکم خداوندی کو اپنے اختیار کے مطابق پورا نہ کرنے پر سزا ملے گی رہا خالق اور مخلوق کے درمیان جو دقیق روابط ہیں وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس کا تعلق حقائق الٰہیہ سے ہے اور حقائق الٰہیہ کی کنہہ اور حقیقت تک رسائی محال ہے، بندے اس قابل ہی نہیں ہیں کہ حقائق الٰہیہ کی

کنہ تک پہنچیں اور جب یہ محال ہے تو پھر اس کے سمجھنے کی بندے کو تکلیف بھی نہیں دی گئی تو حقائق الٰہیہ کو اتنا ہی سمجھو جو تمہاری سمجھ میں آ سکے اس لئے اسلام میں تقدیر میں آسانی کر دی اور فرمایا گیا لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا یعنی کسی نفس کو وہ تکلیف نہیں دی گئی ہے جو اس کی وسعت اور طاقت سے باہر ہو نہ عقل میں نہ فعل میں نہ عمل میں لہٰذا تقدیر کا مسئلہ اگر دقیق ہے تو اس کے معلوم کرنے کی تکلیف ہی کہاں دی گئی کہ جس سے آدمی پریشان ہو جائے بس خدا کی یکتائی مانو اس میں کیا اشکال ہے جو سمجھ میں نہیں آتا اس کو چھوڑ دو۔ (مجالس حکیم الاسلام)

اصل دولت...... ایمان پر خاتمہ ہے

آج کل ناگہانی اموات کثرت سے ہونے لگی ہیں، روزانہ خبریں سنی جاتی ہیں کہ فلاں صاحب اچانک انتقال کر گئے، ابھی کل شام ہی ایک وکیل صاحب نے سنایا کہ کل ایک کیس میں ہم دو وکیلوں نے شہادتیں کرائیں، شہادت کی کارروائی سے فارغ ہو کر عدالت سے باہر نکلتے تو میں نے اپنے ساتھی وکیل سے کہا آؤ ملک صاحب نماز پڑھ لیں، انہوں نے کہا نہیں میں گھر جا کر پڑھوں گا، کیونکہ ایک جنازہ میں شرکت کیلئے پہنچنا ہے دیر ہو رہی ہے میں سلام کہہ کر اپنی سیٹ کی طرف چلا، سیٹ تک پہنچا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دیکر کہا ملک شبیر صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، میں حیرت زدہ ہو کر واپس لوٹا کہ ابھی تو وہ ٹھیک ٹھاک تھے اور کسی کے جنازہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ آپ سے سلام کے بعد اپنی موٹر سائیکل کی طرف آئے منشی نے موٹر سائیکل انہیں پکڑائی انہوں نے موٹر سائیکل کو کک لگائی اور پھر نیچے گر پڑے، گرتے ہی روح پرواز کر گئی سارے لوگ حیرت کا مجسمہ بنے دیکھ رہے تھے کہ دیکھو ابھی انہیں کسی اور کے جنازہ میں شرکت کی جلدی تھی اس سے پہلے خود رخصت ہو چلے۔

اسی طرح ایک اور دوست کے بارے میں بتایا گیا کہ گھر سے بچی کی دوائی لینے نکلے ڈاکٹر کے پاس پہنچے تو اچانک اپنے سینہ پر ہاتھ رکھا کہ درد ہے اور وہیں گر پڑے ڈاکٹر کے سنبھلنے سے پہلے ہی روانہ ہو چلے، نہیں معلوم کہ اس طرح کی اموات کے پیچھے کیا وجوہ واسباب ہیں، واللہ اعلم۔ لیکن اس طرح کی اموات ہمارے لئے نشان عبرت ضرور ہیں۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک صاحب کی کہیں عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور دوستی

ہوگئی انہوں نے ملک الموت سے کہا جب میری موت قریب ہو تو مجھے ذرا پہلے اطلاع کردینا انہوں نے کہا ٹھیک ہے لیکن اس آدمی کی موت کا وقت آپہنچا اور عزرائیل نے پہلے کوئی اطلاع نہ دی تو اس آدمی نے کہا آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ پہلے اطلاع کروں گا عزرائیل نے کہا ارد گرد تمہارے علاقے میں جو اموات ہوتی رہی ہیں وہ تیرے لئے اطلاع تھیں۔

ہمیں فوراً سے بھی پہلے اپنی موت کی تیاری اور اپنے خاتمہ بالخیر کی فکر کرنی چاہیے، اتنا بھی بھروسہ نہیں ہے کہ کسی عزیز دوست کے جنازہ میں جارہے ہیں تو یقیناً خود واپس آجائیں گے، یہ ممکن ہے کہ اس کا جنازہ پڑھنے سے پہلے ہمارے جنازہ کی تیاری شروع ہوجائے۔

اس لئے اپنے خاتمہ کی فکر میں لگن سب سے بڑی دانائی ہے، ایک بزرگ اپنی ساری زندگی نہیں ہنسے، کسی نے پوچھا تو فرمایا مجھے اپنے خاتمہ کا علم نہیں کہ کیسا ہوگا اسی لئے اب میں کیسے ہنسوں؟ جب فوت ہوئے تو ہنس رہے تھے گویا بزبان حال بتلا رہے تھے کہ اب میں خوش ہو رہا ہوں کہ میرا خاتمہ ایمان کے ساتھ ہوگیا ہے، اعتبار خاتمہ کا ہے حدیث پاک میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انما الاعمال بالخواتیم کہ اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے اور انسان کا خاتمہ اس کی زندگی بھر کے مشغلے اور دلچسپیوں کے مطابق ہوتا ہے اسی کو حدیث پاک میں بتلایا گیا ہے المرء مع من احب، انسان کا انجام اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ شغف رکھتا ہے اور یہ بھی ارشاد ہے من کثر سواد قوم فھو منہ جس نے جس گروہ کی کثرت بڑھائی وہ اسی کے ساتھ ہوگا یعنی زندگی میں اگر اس نے اپنے آپ کو اچھے لوگوں کی صحبت میں رکھا تو اس کا انجام بھی اچھا ہوگا بروں کے ساتھ شامل رہا اور ان کا ووٹ بڑھایا تو انجام بھی برا ہی ہوگا۔ اور اس بات کی دلیل کئی مشاہدات بھی ہیں۔ ہمارے عم محترم حاجی فدا حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعوت و تبلیغ کے حریص تھے کوئی موقع خالی نہ جانے دیتے تھے چنانچہ ان کی موت بھی تبلیغ و نصیحت کرتے ہی آئی، اپنے عزیز کی تعزیت کے لئے گئے اور انکے لئے طویل دعاء مانگی، دعاء کے بعد نیکی و بھلائی کی نصیحتیں کرنے لگے اتنے میں فرمایا چلو جمعہ کی نماز پڑھیں بس نماز کے لئے اٹھنے لگے اور بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاری عبداللطیف صاحبؒ ملتان والے جو حال ہی میں مدینہ منورہ میں ٹریفک کے حادثہ میں شہید ہوئے ہیں چونکہ ساری زندگی کا مشغلہ قرآن پڑھنا پڑھانا تھا اس لئے آخر وقت بھی قرآن کریم پڑھتے ہوئے جان دی۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی مصروفیات و مشغولیات کا جائزہ لیں کہ کہیں ہماری مصروفیات گناہ و نافرمانی کی تو نہیں ہیں؟ خدانخواستہ اگر ایسا ہے تو پھر خاتمہ بالخیر کی فکر کریں، آج ہی ہمیں ہر قسم کے گناہ سے توبہ کر کے اپنی مصروفیات کو اچھائی کی طرف بدل لینا ضروری ہے، اگر ہم آج اپنے آپ کو نیکیوں میں مشغول رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو انشاء اللہ خاتمہ بالایمان کی قوی امید ہے۔

نماز کی پابندی، تلاوت کی پابندی، اپنے دفتر و کاروبار میں کسی سے بدمعاملگی نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں، رشوت نہ لیں، خیانت نہ کریں، ہر ایک کی خیر خواہی کرتے رہیں اور استغفار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیڑہ پار ہے۔

ایمان پر استقامت اور حسن خاتمہ کیلئے سات نسخے

1۔ ہر فرض نماز کے بعد الحاح (آہ وزاری) سے یہ دعا پڑھنا: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَ ھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (پ۳ ال عمران)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت اور حسن خاتمہ کی درخواست کا بندوں کے لئے سرکاری مضمون نازل فرمایا ہے اور جب شاہ خود درخواست کا مضمون عطا فرمائے اس کی قبولیت یقینی ہوتی ہے لہٰذا اس دعا کی برکت سے استقامت اور حسن خاتمہ ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور عطا ہوگا۔

2۔ اس دعا کا معمول بنالیں جو حدیث پاک میں ہے، استقامت اور حسن خاتمہ کے لئے کثرت سے پڑھتے رہیں۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث (مشکوٰۃ)

3۔ مسواک کرنا: علامہ شامی ابن عابدین ج ا ص ۸۴ پر رقم طراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: سنت مسواک کی برکت سے موت کے وقت کلمہ شہادت یاد آجائیگا۔

4۔ ایمان موجودہ پر شکر ہے۔ یعنی ہر روز موجودہ ایمان پر شکر ادا کرنا اور وعدہ ہے کہ: لئن شکرتم لا زیدنکم (سورۃ ابراہیم) اگر تم لوگ شکر ادا کرو تو ہم اپنی نعمتوں میں ضرور ضرور اضافہ کرینگے، پس ایمان پر شکر ایمان کی بقا، بلکہ ترقی کا ذریعہ ہے۔

5۔ بدنظری سے حفاظت: بدنظری سے حفاظت پر حلاوت ایمان عطا ہونے کا وعدہ ہے، حلاوت ایمان جب دل کو ایک بار عطا ہو جائے گی پھر کبھی واپس نہ لی جائے گی۔

پس حسن خاتمہ کی بشارت اس عمل پر بھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: تحقیق نظر ابلیس کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے جس بندے نے میرے خوف سے اپنی نظر کو (نامحرم لڑکی سے حسین لڑکے سے) محفوظ رکھا اس کو ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی حلاوت وہ قلب میں محسوس کرے گا۔

یہ دولت حسن خاتمہ آج کل سڑکوں پر تقسیم ہو رہی ہے نظر کی حفاظت کیجئے اور یہ دولت حاصل کیجئے۔

6۔ اذان کے بعد کی دعاء: جس کو دعائے وسیلہ بھی کہتے ہیں اذان کے کلمات کا جواب دے دیجئے، پھر جب اذان ختم ہو آپ درود شریف پڑھ کر دعائے وسیلہ پڑھئے:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ ات محمدن الوسیلۃ و الفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودا ن الذی وعدتہ (بخاری)

انک لا تخلف المیعاد یہ آخری جملہ مسند امام بیہقی میں ہے۔

اس دعا پر وعدہ ہے کہ حلت لہ شفاعتی۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اس دعاء کو پڑھے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی اور جب اس دعاء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو گی تو ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

اس میں حسن خاتمہ کی بشارت موجود ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا، کیونکہ شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کافر کو نہیں مل سکتی (مرقاۃ، باب الاذان)

7۔ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا۔ بخاری شریف کی دو روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس عمل مذکور سے حسن خاتمہ کا فیصلہ مقدور ہو جاتا ہے۔

روایت ۱: اہل ذکر یعنی صالحین اور اہل اللہ کی شان میں حدیث وارد ہے کہ ایک شخص مجلس ذکر میں صالحین اور اہل اللہ کے مجمع میں کسی حاجت کیلئے جاتے ہوئے تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے ان ذاکرین کی مغفرت کا اعلان کیا تو ایک فرشتے نے کہا کہ فلاں شخص تو کسی ضرورت سے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا اور وہ خطا کار بھی ہے، ارشاد ہو یہ ایسے مقبولان حق ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم اور شقی نہیں رہ سکتا ولہ قد غفرت میں نے اس کو بھی بخش دیا۔

۲: بخاری و مسلم ہے کہ تین خصائل جس میں ہونگے وہ ان کی برکت سے ایمان کی حلاوت پائے گا۔

۱۔ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے محبوب ہوں۔

۲- جو کسی بندہ سے محبت کرے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے۔
۳- اور جو ایمان عطاء ہونے کے بعد کفر میں جانا اتنا ناگوار سمجھے جیسا کہ آگ میں جانا۔
ایمان پر خاتمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کیلئے کسی سے محبت کرنا ایک عظیم ذریعہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ محبت اللہ والوں ہی کے ساتھ اعلیٰ اور کامل درجہ کی ہوتی ہے پس اس کا کامل نسخہ کسی اللہ والے سے محبت کرنا ہے (قرآن وحدیث کے انمول خزانے) (شمارہ نمبر 42)

اللہ اکبر

چاند پر سب سے پہلے قدم رکھنے والا ''نیل آرم سٹرانگ'' مصر گیا، وہ صبح تڑکے بستر پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، کمرے سے باہر نکل کر پریشانی کے عالم میں لان پہنچا ہوٹل کے اسٹاف نے پریشان دیکھ کر اس سے وجہ پوچھی اس نے کہا ''میں کہاں ہوں'' اور جب اسے بتایا گیا کہ ''آپ مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ہیں، تو کہنے لگا'' قاہرہ میں یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟'' اسے کہا گیا کہ قاہرہ کی مسجد سے صبح کی اذانیں بلند ہورہی ہیں تب اس نے اپنی بدحواسی کی وجہ بتائی کہ میں نے چاند پر اس طرح کی آوازیں سنی تھیں، یہاں دوبارہ سن کر مجھے شک ہوا کہ ''میں چاند پر ہوں یا زمین پر''...... خاک سے اٹھ کر گردوں پر گذر رکھنے اور جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ضرب لگانے والی ''اللہ اکبر'' کی یہ ایمانی صدا، مومن کی حوصلہ بخشی، سرمدی جذبوں کو حرارت عطا کرتی، مخالف سمتوں کے سامنے ڈٹ جانے اور انجام سے ظالم کے دوچار ہونے تک اس میں صبر کی قوت پیدا کرتی ہے۔ (شمارہ نمبر 48)

حیا اور غیرت ایمانی

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اجزاء ایمان میں ایک بڑا اور اہم جزو شرم و حیا ہے، یہ ایک بڑا شعبہ ہے ایمان کا حدیث شریف کا مضمون ہے کہ حیا ایمان کا نصف ہے جب یہ ختم ہو جاتا ہے کہ تو دوسرا حصہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے، ذرا غور کیجئے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے پاس حیا کہاں ہے کس کے پاس ہے، معاشرہ کی لعنتوں نے حیا کا مفہوم ہی ہمارے ذہنوں سے نکال دیا ہے اور ہم کو اس کا ذرا احساس نہیں نصف ایمان کو تو ڈھایا جا چکا ہے پھر نصف کی بقاء کی کیا صورت ہوگی؟ کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا ہے؟

اب ڈھونڈیے چل کر حیا کہاں ہے؟ کس جگہ ہے سب سے پہلے اپنی طرف نظر ڈالیے آپ کے نفس نے آپ کو اس چکر میں ڈال رکھا ہے کہ آپ تھوڑے بہت دیندار آدمی ہیں، نماز روزہ فرائض واجبات ادا کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود کیا آپ نے غور کیا ہے کہ آپ کہاں کہاں حیا سے کام لیتے ہیں؟ کہاں کہاں آپ کی نظر بھٹکتی ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی صریح خلاف ورزی دیکھ کر کب آپ کو غیرت آتی ہے خلاف شرع کام کرنے میں کب خود آپ کو شرم محسوس ہوتی ہے؟ بلکہ اس کے برخلاف جانتے بوجھتے غیر شرعی باتوں میں کتنی رغبت اور دلکشی محسوس کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی جتنی غیرت ایمانی ہمارے پاس ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، اب ہم اس کی کیا تشریح کریں؟ ہر شخص خود اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے اپنی ہی ذات کو پہلے دیکھ لیں پھر اپنے اہل و عیال پر نظر کریں، کیا ہمارے لڑکوں میں حیا ہے؟ کیا ہماری لڑکیوں میں حیا و شرم ہے، حیا تو کہیں بھی نہیں ہے، شرم و حیا سے سب کے سب بیگانہ اور آزاد ہیں نفس و

شیطان نے سب سے پہلے ہماری حمیت اور غیرت ایمانی پر ڈاکہ ڈالا ہے، آدھا ایمان تو جاچکا ہے، اب اعمال وطاعات میں جان آئے کہاں سے؟ عورت کا سب سے بڑا شرف نسوانیت حیا ہے، جس عورت میں حیا نہیں ہے اس میں نسوانیت ہی باقی نہیں سارے کا سارا پردہ اب تو قریب قریب اتر گیا ہے عقلوں پر پڑ گیا ہے اب لباس پوشاک ہی دیکھ لیجئے، کھلا ہوا سر اور سینہ، غیر محرموں سے بے محابہ ملنا جلنا، حیا کا تو نام بھی باقی نہیں رکھا اور یہ بے حیائی کے مناظر آج اچھے خاصے دیندار اور شریف گھرانوں میں بھی عام ہیں۔ الا ماشاء اللہ

اس کثرت کی بے حیائی نے ہمیں بے حس بنا دیا ہے، نہ گھروں میں حیا و شرم دکھائی دیتی ہے، نہ گھروں کے باہر، عورت کے منہ پر آج یہ الفاظ ہیں کہ وہ دن ختم ہوئے جب عورت گھروں کی چار دیواری میں چھپی بیٹھی رہتی تھی اب ہم بیدار ہو گئے ہیں، گھروں سے باہر نکلیں گے، ہر کام میں مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لیں گے، ہم ہر طرح آزاد ہیں، ہم ترقی کی راہ میں مردوں سے آگے بڑھ کر اپنا مقام پیدا کر لیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسکولوں کالجوں میں مخلوط تعلیم

جوان لڑکے جوان لڑکیاں سر کھلا، سینہ کھلا، نیم برہنہ لباس شرم وحیا سے بے نیاز بے باکانہ آپس میں ملتے جلتے ہیں اس طرح تمام تعلیم گاہیں ایمانی و اسلامی حمیت و غیرت سے بیگانہ ہو چکی ہیں اور اس کو تہذیب حاضر کا سرمایہ ناز سمجھا جاتا ہے کوئی ان سے پوچھے کیا تم مسلمان ہو اور کیا اسلام کا یہی تقاضہ ہے؟ تجارت گاہوں پر نظر ڈالو ناقص اشیاء، چور بازاری، ملاوٹ ذخیرہ اندوزی کا بازار گرم ہے ان لوگوں میں انسانی محبت وغیرت کا شائبہ تک نہیں، دفاتر میں جا کر دیکھ لو؟ دھڑلے کے ساتھ بے بانگ دہل رشوتیں لی جارہی ہیں، مخلوق خدا کو ستایا جارہا ہے، کیا ان کے پاس شرم وغیرت کا نام بھی ہے؟ جو محکمے عوام الناس کی فلاح وحفاظت کے لئے تھے چاہے وہ ہسپتال ہوں، میونسپل ادارے ہوں، عدالتیں ہوں، ان سب میں حقوق تلفی ستم رانی اور ظلم کا دور دورہ ہے، شرم وحیا سب مٹ گئی ہے نہ شرافت ہے نہ انسانیت، نہ ایمان ہے نہ اسلام۔

ہمارا آدھا ایمان تو ماؤف ہو چکا ہے

ہم بڑے دھوکے میں ہیں اگر کچھ عبادات طاعات کا موقع خدا نے دیدیا تو سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہے اس میں تو شک نہیں کہ اس زمانے میں اتنا کچھ بھی بہت کچھ ہے مگر بندہ نواز! ذرا سوچئے تو سہی آپ کو ایک سو روپے کا نوٹ دیدیا جائے اس کے ایک طرف سارے نقش ونگار نوٹ کی تمام تر خصوصیات موجود ہوں اور دوسری طرف آپ پلٹ کر دیکھیں تو کورا کاغذ جناب اس نوٹ کا کیا کریں گے؟ اس نوٹ کی کیا قیمت ہے؟ کیا یہ ردی کی ٹوکری کی زینت بننے کے قابل نہیں؟ کیا یہ پھاڑ ڈالنے اور جلا دینے کے مطلب نہیں؟ تو صاحبو! پھر ہمارے اس ایمان کی کیا قیمت ہوگی جس کا نصف حصہ یعنی شرم وحیا ہم سے بالکل ہی حذف ہو چکا ہو ہم دوسری طرف سے بالکل کورے ہوں تو ان اعمال کا کیا وزن ہوگا؟ خدائے پاک کے سامنے کیا لے کر جاؤ گے کیا منہ دکھلاؤ گے اس پر بھی غور کیا؟ دنیا میں جتنی بھی بری چیزیں ہیں جتنی بھی گمراہیاں ہیں ساری کی ساری شروع ہوتی ہیں بے حیائی اور بے شرمی سے، ہم کیسے غافل ہیں کہ نہ ہم کو ان اعمال سے ذرمعلوم ہوتا ہے کہ جس میں ہم مبتلا ہیں نہ ان اعمال سے جس میں ہمارے اہل وعیال، ہمارا ماحول سب مبتلا ہیں کیا وزن ہوگا ہمارے اس آدھے ایمان کا جس میں سے شرم وحیا کا بنیادی جزو نکل گیا ہو، ارے کچھ اعمال ہماری زندگی میں ایسے ہوں گے جن کی وجہ سے اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہم اعلانیہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوئے مگر وبال اور شامت اعمال کیا کچھ کم ہیں۔

آپ نے جائزہ لے لیا، متذکرہ بالا باتوں کا اب اس کو سنکر اور دیکھ کر ہی رہ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ اس کو اپنے اوپر ڈھالنا ہے کچھ نہ کچھ تغیر کرنا ہے اپنی زندگی میں، یہ کہہ دینا کہ ہمارا ماحول اور معاشرہ شیطانی ہے یہ کیسے بدلے گا یہ خود ایک شیطانی وسوسہ ہے یہ بڑی کم ہمتی کی بات ہے تم خود اپنی ذات میں تغیر پیدا کرلو، کیوں فکر میں پڑتے ہو سارے جہان کی بس ذرا ہمت سے کام لو اللہ پاک ایسی راہیں کھول دیں گے جنکا وہم وگمان بھی ہم کو نہ ہو، یہ تصور سامنے رکھ کر مانو کہ ہمارا اعمال کا سکہ ایک طرف سے بالکل کورا ہے اس کی

کیا قدر و قیمت ہوگی حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ ہوں اللہ پاک ایسے ہی غفور و رحیم اور قادر مطلق ہیں کہ حالات کو بدلنے کیلئے ان کو ذرا دیر نہیں لگتی ان کی بارگاہ میں عرض کرو مناجات کرو ندامت کے ساتھ مانگو، یا اللہ ہماری بے غیرتی کو معاف فرما دیجئے اور ہمارے اہل و عیال تمام مسلمان بھائیوں کو معاف فرما دیجئے ہماری قوم کو اس بے حسی اور غفلت کا احساس عطا فرما دیجئے یا اللہ جن لعنتوں میں ہم گرفتار ہیں ان سے ہم کو رہائی دلا دیئے ہم کو شامت اعمال سے بچا لیجئے، معاشرہ کی ہلاکت خیزیوں سے ہم کو بچا لیجئے دنیا و آخرت کی ہلاکت و بربادی سے بچا لیجئے ہمارے ایمان کی حفاظت فرمایئے ہماری قوم کے غیور جوانمرد جو ہماری بے حسی اور بے غیرتی کی وجہ سے کافروں کی قید و بند میں سختیاں برداشت کر رہے ہیں ان کو رہائی عطا فرما دیجئے ہمارے ہر طبقے کے لوگوں کو ہدایت فرما دیجئے ہماری زندگیوں کو خوشگوار بنا دیجئے ہم کو حیات طیبہ عطا فرما دیجئے، ہماری جملہ حاجات کو پورا فرما دیجئے ہم کو اسلام پر قائم اور خاتمہ ایمان پر فرمایئے۔ آمین (عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارف رحمہ اللہ شمارہ نمبر 49)

ایمان... سب سے بڑی دولت

کوئی آدمی ٹرین میں سفر کر رہا ہے اور اس کے پاس ٹکٹ نہیں ہے تو فرسٹ کلاس میں موٹے گدے پر ہونے کے باوجود وہ بے چینی محسوس کرے گا اور اگر اس نے دیکھا کہ کوئی کالا سوٹ پہن کر آیا تو اس کی بے چینی اور بڑھ جائے گی اور دھڑ دھڑ کی کیفیت شروع ہو جائے گی پھر بیت الخلاء میں پہنچنے کے بعد ہی اس کو سکون نصیب ہوگا اور وہاں سے نکلنا ہی نہیں چاہے گا، سمجھے گا کہ عافیت اسی مقام پر ہے تو ٹکٹ نہ ہونے کی وجہ سے ٹرین کے ایئر کنڈیشنڈ ڈبے میں بھی اسے اطمینان نصیب نہیں ہے اور اگر ٹکٹ آپ نے لیا ہے تو پھر چاہے دروازے پر لٹکنا پڑے اور پھر ایک گارڈ نہیں بلکہ پوری پولیس پارٹی چیکنگ کے لئے آ جائے تب بھی آپ کو اطمینان رہے گا اس لئے کہ آپ کے پاس ٹکٹ موجود ہے، اسی طرح ایمان کی حیثیت ٹکٹ ہی کی ہے جس سے اس دنیا میں اطمینان و سکون وابستہ ہے اور آخرت میں بھی۔

ایک قصہ

عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک نواب کا انتقال ہو گیا اس کا چھوٹا بیٹا تھا ایک

وزیر چاہتا تھا کہ بچے کو بادشاہ کی جگہ بٹھائے اور دوسرے لوگ چاہتے تھے کہ کوئی اور بیٹھ جائے ، ان میں اختلاف ہوا پھر یہ طے پایا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاکر فیصلہ کریں گے راستے میں وزیر بچے کو مختلف سوالات کے جوابات سمجھاتا رہا، جب قریب پہنچ گئے تو بچے نے کہا کہ آپ نے جتنے سوالات کے جوابات سکھائے ہیں اگر بادشاہ ان کے علاوہ کوئی اور سوال کرلے تو کیا جواب دوں اس نے کہا جس نے یہ سوال تمہارے ذہن میں ڈالا ہے وہی عین وقت پر تمہارے ذہن میں اس کا جواب بھی ڈال دے گا خیر! وہاں پہنچے تو عالم گیر حوض میں پیر ڈالے ہوئے بیٹھے تھے، وزیر نے صورتحال بیان کی تو بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے لاؤ بچے کی آزمائش کرلیں، بچے کو بلایا اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر حوض کے اوپر لٹکا دیا اور پوچھا کہ تجھے ڈبودوں؟ تو بچے نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ صرف ہنسا تو بادشاہ نے بچے کو ہٹالیا، پھر بچے سے پوچھا تم نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہنسے، تو بچے نے جو جواب دیا، وہ چاندی کی تختی پر آب زر سے نہیں بلکہ لوح قلب پر نقش کرنے کے قابل ہے، بچے نے کہا حضور جہاں پناہ! آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں کہ اگر کسی کا ایک ہاتھ پکڑ لیں تو وہ ڈوب نہیں سکتا جبکہ آپ نے تو میرے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے میں کیسے ڈوب سکتا تھا، کاش! ہم بھی اللہ تعالیٰ کی دست گیری پر ایسا ہی اعتماد پیدا کرلیں اور ایمان لے آئیں، جیسا کہ بچے کو بادشاہ کی دست گیری پر حاصل تھا، اگر حق تعالیٰ کی رحمت کسی کی دست گیری کرے تو وہ کیسے ڈوب سکتا ہے؟

ایمان... محدثین وفقہائے کرام کی نظر میں

ایمان کا لغوی معنی

ایمان یہ باب افعال کا مصدر ہے بمعنی تصدیق اور مجرد میں امن سے ماخوذ ہے۔ ایمان بمعنی تصدیق سے ماخوذ ہے اور امن ماخوذ منہ ہے۔

ایمان کا اصطلاحی وشرعی معنی

ایمان کا شرعی معنی التصديق بجميع ماعلم كونه من دين محمد صلى الله عليه وسلم بالضرورة۔ ان تمام امور کی تصدیق کرنا جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہو۔

باقی رہی یہ بات کہ بالضرورۃ کا مطلب کیا ہے؟ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ نمبر (۱) ان امور کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہونا جو عوام وخواص کے درمیان مشہور ہوں۔

سوال: ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی امر ایسا ہو جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہو لیکن عوام وخواص میں مشہور نہ ہو تو اسکے معلوم نہ ہوتے ہوئے بھی مومن ہو؟۔

جواب:۔ عوام سے مراد عوام کالانعام نہیں بلکہ عوام سے مراد علماء ہیں اور خواص سے مراد مجتہدین ہیں اور ان دونوں حضرات کو وہ امور معلوم ہوتے ہیں۔

نمبر (۲) بالضرورۃ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان امور کا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو۔

پہلا مطلب علامہ زمخشری نے بیان کیا ہے دوسرا مطلب علامہ تفتازانی نے بیان کیا ہے۔

سوال:۔ حدیث جبرئیل سے معلوم ہوتا ہے ایمان شرعی کیلئے صرف چند امور کی تصدیق کافی ہے لہٰذا امور کہاں سے نکال لئے۔

جواب:۔ حدیث جبرئیل میں بعض امور ایسے ہیں جو دین کی تمام ضروریات کو اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں تو ایمان شرعی کے لئے تمام ضروریات دین کے امور پر (ایمان) لانا واجب ہے۔ گویا یہ نکاح کا ایجاب و قبول ہے۔

ایمان کا مرکب یا بسیط ہونا

پہلا مذہب: جمہور متکلمین اور احناف کا ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے (تصدیق سے مراد مطلق نہیں بلکہ چند شرائط مذکورہ کے ساتھ خاص ہے یعنی اس کا متعلق خاص یعنی امور شرعیہ ہوں اور تصدیق بالاختیار ہو اور علی وجہ التسلیم ہو ان تمام شرائط سے مقید تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے) نہ اقرار لسانی حقیقت ایمان کا جزء ہے اور نہ ہی اعمال ارکانی حقیقت ایمان کا جزء ہیں۔ بلکہ اقرار لسانی احکام دنیوی کے اجراء کیلئے شرط ہے اور اعمال ارکانی اگرچہ حقیقت ایمانی کا جزء نہیں لیکن بایں ہمہ بے فائدہ بھی نہیں بلکہ مکملات ایمان کا ذریعہ ہیں۔ دخول جنت بدخول اولی کا ذریعہ ہے اور درجات عالیہ کا ذریعہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ انکے دلائل کیا ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

اہل جمہور کی پہلی دلیل:۔ کلام میں اصل اور اولی وراجح یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو اس کے معنی لغوی وحقیقی کے قریب ہو اور (جو جس معنی سے) زیادہ مناسبت ہو الا یہ کہ دلائل قطعیہ سے کسی لفظ کا معنی لغوی وحقیقی سے کسی دوسرے معنی کی طرف نقل ہونا ثابت ہو جائے۔ (تو الگ بات ہے ورنہ حقیقت اور اصل یہی ہے) اور ظاہر ہے کہ ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے اور کسی دوسرے معنی کی طرف نقل ہونا بھی ثابت نہیں ہے اور اس کی مناسبت زیادہ ہے۔ بنسبت اقرار لسانی اور اعمال ارکانی سے فرق صرف اتنا ہے کہ تصدیق شرعی خاص ہے اور معنی لغوی عام ہے اور فرق صرف تقیید اور عدم تقیید کا ہے تو چونکہ اس کی سرحد ایمان کی سرحد کے ساتھ زیادہ ہے اس لئے اس کو اسی معنی لغوی تصدیق قلبی پر محمول کیا جائے۔

دوسری دلیل:۔ حدیث جبرئیل میں جبرئیلؑ نے ایمان کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند امور ذکر کئے ان تؤمن باللہ و ملٰئکتہ و کتبہ الخ تو اس سے معلوم ہوا کہ فقط تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے۔

تیسری دلیل:۔ وہ نصوص جن میں اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جیسی متعدد آیات ہیں۔عطف میں اصل مغایرت ذاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی نظر میں ایمان الگ چیز ہے اور اعمال الگ چیز ہے اس کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزء نہیں ہیں۔ طریق استدلال یہ ہے کہ اگر اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزء ہوں تو لازم آئے گا جزء (اعمال صالحہ) کا عطف کل (ایمان) پر ہو اور جزء کا کل پر عطف یہ کلام عرب میں مروج نہیں ہے۔ لیکن متعدد نصوص ایسی ہیں جن میں اعمال صالحہ کا عطف ہے ایمان پر اور یہ قرآن میں معروف ہے تو معلوم ہوا اعمال صالحہ کی قید کے بغیر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

چوتھی دلیل:۔ وہ نصوص جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ ملایا گیا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بسیط ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ شئی کا اپنی جزء کی ضد کے ساتھ اقتران نہیں ہوتا حالانکہ قرآن میں متعدد نصوص ایسی ہیں جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ ملایا گیا ہے جیسے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اگر اعمال صالحہ کو حقیقت ایمان کا جزء مان لیا جائے تو اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز بنتے ہیں اور معصیت اعمال صالحہ کی ضد ہے تو ایمان اعمال صالحہ کی ضد یعنی معصیت کے ساتھ اقتران لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے تو گویا معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔ ورنہ شئی (ایمان) کی جز (اعمال صالحہ) کی ضد (معصیت) کا شئی (ایمان) کیساتھ اقتران لازم آئیگا جو کہ جائز نہیں۔

پانچویں دلیل:۔ تارکین اعمال صالحہ کے ساتھ مومنین جیسا معاملہ کیا جاتا جیسے ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مومنین کے قبرستان میں دفن کرنا وغیرہ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے ورنہ تارک اعمال صالحہ کے ساتھ مومن جیسا معاملہ نہ کیا جاتا تو مومنین جیسا معاملہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز نہیں ہیں۔

سوال:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کا جنازہ نہیں پڑھایا اس کی وجہ یہ تھی کہ شخص اس نے قرضہ دینا تھا۔ تو یہاں معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں؟

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جز کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم نہیں آتا۔ لہذا ایسا اعمال صالحہ کے ایک جز کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔

چھٹی دلیل:۔ قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ خطاب کر کے معاصی سے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

دوسرا مذہب مرجیہ کا ہے۔ مرجیہ یہ ارجاء سے ماخوذ ہے بمعنی موخر کرنا پس پشت ڈالنا تو مرجیہ اپنے عقیدہ فاسدہ پر قائم رہنے اور اپنے باطل نظریے پر قائم رہنے کے لئے نصوص کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اس لئے ان کو مرجیہ کہتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے نہ کہ اقرار لسانی ایمان کا جز ہے اور نہ اعمال ارکانی اور نہ ہی اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں۔

سوال: جب ان کے نزدیک بھی ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے تو پھر جمہور متکلمین احناف اور مرجئہ کے مذہب کے درمیان فرق کیا ہوا۔

جواب: زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے کہ جمہور متکلمین و احناف اقرار باللسان کی حیثیت کو شرط ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں اور اعمال ارکانی کو تکمیل ایمان ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں بخلاف مرجیہ کے کہ وہ کہتے ہیں اقرار لسانی اور اعمال ارکانی کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ کا ہونا مفید اور نہ ہونا نقصان دہ ہے اور مرجیہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔

دلیل مرجیہ:۔ ان حضرات کی دلیل وہ نصوص ہیں کہ جن میں محض تصدیق قلبی کے پائے جانے پر دخول جنت کو مرتب کیا گیا ہے مثلاً مشکوۃ شریف کی ایک روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس طرح اور احادیث بھی ہیں تو ان سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اس دلیل کا جواب:۔ دخول جنت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مطلق دخول جنت یعنی خواہ سیدھا جنت میں جائے خواہ کچھ دیر دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگت کر بعد میں جنت میں جائے۔

(۲) دخول جنت اولی یعنی دوزخ میں جائے بغیر سیدھے جنت میں جانا نصیب ہو جائے۔ تو نفس تصدیق قلبی پر مطلق دخول جنت کا مرتب ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دخول جنت بدخول اولی مطلق نفس تصدیق قلبی پر مرتب ہو جائے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے جو جنت کی بشارات ہیں وہاں مطلق دخول جنت مراد ہے۔ دخول اولی نہیں دخول اولی کا وعدہ اس صورت میں ہے جب کہ تصدیق قلبی کے ساتھ اعمال صالحہ بھی مل جائیں اس طرح سے سب نصوص میں تطبیق ہو جائے گی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اگر اس فاسد نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص دالة على ترغيب الاعمال الصالحه اور دالة على ترهيب ارتكاب المعاصي بے فائدہ ہو جائیں گی اور یہ بہت بڑی خرابی ہے۔

تیسرا مذہب کرامیہ کا ہے۔ محمد بن کرام ایک شخص تھا جو کہ اس فرقہ کا رہبر تھا اس لئے اس کو کرامیہ کہتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت فقط اقرار لسانی ہے۔ تصدیق قلبی ہو یا نہ ہو اعمال صالحہ ہوں یا نہ ہوں۔

دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی شخص کے مومن ہونے کے لئے فقط اقرار لسان کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور وہ ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھنے لگ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قصہ بتایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا هل شققت قلبه کہ کیا تو نے اس کے دل کو پھاڑ لیا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس نے چونکہ اقرار لسانی کر لیا تھا اس لئے اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے تھا اور وہ مومن تھا۔

الزامی جواب یہ ہے کہ اگر ایمان کی حقیقت صرف اقرار باللسان ہو تو اس میں منافقین بھی شامل ہو جائیں گے جو صرف اقرار لسانی کے علاوہ نماز وغیرہ بھی پڑھتے تھے۔ ان کا مومن ہونا ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا جو جواب آپ دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔

تحقیقی جواب: ایمان دو قسم پر ہے ۱۔ المنجي عن العذاب الابدی۔ ۲۔

المنجی عن السیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقرار لسانی کوکافی سمجھا جاتا تھا وہ ثانی کے حق میں ہے یعنی المنجی عن السیف کے لئے تھا اور وہ محل نزاع نہیں ہے محل نزاع ایمان کی قسم اول ہے اور اس میں فقط اقرار لسانی کافی نہیں بلکہ تصدیق قلبی ضروری ہے۔

فائدہ:۔ محققین نے یہ کہا ہے کہ یہ اقرار لسانی اگر تصدیق قلبی کے موافق ہو تو نجات دہندہ ہے اور اگر یہ اقرار لسانی تصدیق قلبی کے مخالف ہو تو ہلاک کرنے والا ہے۔ تو کوئی معتد بہ اختلاف نہیں ہے۔ (شیخ ابن ہمام)

چوتھا مذہب بعض محققین اشاعرہ اور احناف کا دوسرا قول ہے:۔ ایمان مرکب ہے یعنی ایمان کی حقیقت وماہیت میں دو چیزیں داخل ہیں۔ (۱)۔ تصدیق قلبی (۲)۔ اقرار لسانی اور یہ دونوں ماہیت ایمان کا رکن ہیں البتہ فرق اتنا ہے کہ تصدیق قلبی رکن لازم ہے یعنی کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن اقرار لسانی حالت عجز میں ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ دل ایمان سے مطمئن ہو۔ وقلبہ مطمئن بالایمان (الایہ)

دلیل (۱) مشکوۃ شریف کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ (کما قال) تو قول اقرار لسانی سے ہوگا تو اس حدیث کے مضمون سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اقرار لسانی ضروری ہے۔

جواب:۔ جمہور متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ احکام دنیوی کے اجراء کے لئے اقرار لسانی کا پایا جانا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرینہ اس پر یہ ہے کہ یہاں اقرار لسانی پر انتہائے جنگ وقتال اور جہاد کو مرتب کیا گیا ہے یہ اس بات پر دال ہے کہ اقرار لسانی دنیوی احکام کے اجراء کے لئے ہے کیونکہ قتال یہ دنیوی حکم ہے (یعنی اس حدیث میں اقرار لسانی پر قتال کے موقوف ہونے کو مرتب کیا گیا ہے) جواب دینے کی ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ یہ احناف کا قول بھی ہے۔

دلیل نمبر۲۔ اقرار لسانی میں دو احتمال ہیں (۱) حقیقت ایمان میں داخل ہو (۲) خارج ہو۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اقرار لسانی کو حقیقت ایمان میں داخل قرار دیا جائے۔ کیونکہ ادخال میں نفع ہے اور اخراج میں نقصان ہے۔ اس لئے کہ اگر حقیقتاً اقرار لسانی خارج ہو اور

ہم اس کو حقیقت ایمان میں داخل کریں تو فائدہ ہوگا اور مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر بالفرض داخل ہے اور ہم اگر اس کو حقیقت ایمان سے خارج کر دیں تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ اس لئے اس کو حقیقت ایمان میں داخل مانیں گے خارج نہیں مانیں گے۔

پانچواں مذہب جمہور محدثین اور فقہائے شوافع و مالکیہ کا ہے:۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان مرکب ہے یعنی حقیقت ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے (۱) تصدیق قلبی (۲) اقرار لسانی (۳) اعمال جوارح سے۔ یہ تینوں ایمان کا جزو ہیں۔

دلیل:۔ وہ نصوص ہیں جن میں اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے جیسے قرآن پاک کی آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ای صلاتکم اور حدیث وفد عبد القیس (جو کہ مشکوٰۃ میں ہے) وہاں بھی ایمان کا اطلاق اعمال صالحہ پر ہوا ہے۔ تو ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اقرار لسانی اور اعمال جوارح کا ایمان کے لئے ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں۔

جواب:۔ جمہور متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ آپ کا استدلال تب تام ہوتا جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اطلاق الجز علی الکل کے قبیل سے ہے حالانکہ اس میں یہ احتمال بھی تو ہے کہ اطلاق الاصل علی الفرع یا اطلاق الاثر علی الموثر کی قبیل سے ہو۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ لہٰذا یہ دلیل قابل استدلال نہیں۔

سوال: فرق باطلہ کا اختلاف تو کوئی باعث تعجب نہیں لیکن اہل حق کا خصوصاً اصل الاصول کا ایمان کے مسئلے میں کیسے اختلاف ہو سکتا ہے؟

جواب۔ کوئی اختلاف نہیں محض تعبیر اور عنوان کا اختلاف ہے یعنی ایمان کی تعبیر بسیط ہونے کے ساتھ کی جائے یا مرکب ہونے کے ساتھ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور متکلمین فرماتے ہیں کہ بسیط کے ساتھ کی جائے اور جمہور محدثین اور فقہائے شوافع و مالکیہ فرماتے ہیں مرکب کے ساتھ کی جائے۔ باقی اس بات میں اتفاق ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

سوال:۔ باقی رہی یہ بات کہ عنوان میں کیوں اختلاف ہوا ہے؟ اور اس اختلاف کا پس منظر کیا ہے؟

جواب:۔ ہر فریق کا مقصود اپنے زمانے کے فرق باطلہ پر علی وجہ المبالغہ رد کرنا ہے تو

جس کے زمانے میں جس کا مقتضی تھا اس نے اسی تعبیر وعنوان کے اختیار کر دیا ہے چونکہ جمہور متکلمین کا مقصود فرق باطلہ میں سے خوارج پر رد کرنا ہے جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اعمال صالحہ کا تارک کافر ہوتا ہے تو ان پر علی وجہ المبالغہ رد کیا ہے کہ ایمان تو ہے ہی بسیط۔ اعمال صالحہ اس میں داخل ہی نہیں ہیں اور جمہور محدثین اور فقہاء کا مقصود فرق باطلہ میں سے معتزلہ پر رد کرنا تھا جن کا عقیدہ یہ تھا کہ تارک اعمال صالحہ مومن باقی نہیں رہتا اگرچہ کافر بھی نہیں ہوتا اور فرقہ مرجیہ پر رد کرنا مقصود تھا جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں تو جمہور محدثین نے ان پر رد کرنے کے لئے کہ علی وجہ المبالغہ کہا کہ اعمال صالحہ تو ایمان کا جزو ہیں۔ تو حاصل یہ ہے کہ زمانے کے حالات کے مطابق اور مقتضی کے مطابق تعبیر کو اختیار کیا ہے۔

بعنوان ثانی یوں کہا جائے کہ ایمان کے دو درجے ہیں۔ (۱) نفس ایمان (۲) کامل ایمان۔ جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں یعنی نفس ایمان کا جزو نہیں اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہے یعنی کامل ایمان کا جزو ہے اب اس میں کوئی اشکال نہیں۔

بعنوان ثالث یوں کہا جائے گا کہ ایمان دو قسم پر ہے (۱) المنجی عن دخول النار (۲) المنجی عن الخلود فی النار۔ جن اہل حق نے یہ کہا ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں ہے تو اس سے مراد وہ ایمان ہے جو المنجی عن الخلود فی النار ہو۔ اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ حقیقت ایمان کا جزو ہے تو المنجی عن دخول فی النار ہو۔ یعنی وہ ایمان جو جہنم میں داخل ہونے سے بچائے وہ ایمان ہے جو اعمال صالحہ کے ساتھ ہو۔

بعنوان رابع یوں کہا جائے گا کہ اجزاء دو قسم پر ہیں (۱) اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ جن کے انتفاء سے کل منتفی ہو جاتا ہے مثلاً درخت کی جڑوں کو بالکل کاٹ دینے سے درخت باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح انسان کا سر کاٹ دینے سے انسان باقی نہیں رہتا (۲) اجزائے عرفیہ تزئینیہ کہ جس کے انتفاء سے شئی تو منتفی نہیں ہوتی لیکن شئی کی چمک دمک ختم ہو جاتی ہے۔ حسن وجمال منتفی ہو جاتا ہے مثلاً درخت کی شاخیں کاٹ دیں تو درخت منتفی تو نہیں ہوگا لیکن اس کا حسن وجمال ختم ہو جائے گا اور اسی طرح انسان کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں تو انسان ختم تو نہیں ہوگا لیکن اس کا حسن

وجمال منتفی ہوجائے گا۔اس کے بعداب ہم کہتے ہیں جن اہل حق نے کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں یعنی اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ نہیں کہ ان کے انتفاء سے ایمان منتفی ہوجائے اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں یعنی اجزائے عرفیہ تزیینیہ ہیں۔

چھٹا مذہب خوارج اور معتزلہ کا ہے:۔ وہ کہتے ہیں ایمان امور ثلثہ سے مرکب ہے۔ ۱۔ تصدیق قلبی ۲۔ اقرار لسانی ۳۔ اعمال جوارح۔

سوال:۔ جمہور محدثین اور معتزلہ وخوارج کے مذہب کے درمیان فرق کیا ہوا جبکہ جمہور کے نزدیک بھی ایمان امور ثلثہ سے مرکب ہے اوران کے نزدیک بھی امور ثلثہ سے مرکب ہے۔

جواب۔ زمین وآسمان کا فرق ہے اس لئے کہ جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ اجزائے عرفیہ تزیینیہ ہیں اور خوارج ومعتزلہ کے نزدیک اعمال صالحہ یہ اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ ہیں کہ جن کے ختم سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ وخوارج کے نزدیک اعمال صالحہ کا تارک اور کبائر کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور پھر فرق یہ ہے کہ آیا وہ کافر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا تو معتزلہ منزلۃ بین المنزلتین کے قائل ہیں اور خوارج اسکے قائل نہیں لیکن جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ کا تارک اور مرتکب کبائر ایمان سے بھی خارج نہیں ہوتا۔ لہٰذا فرق واضح ہے۔

خوارج ومعتزلہ کی دلیل۔ انکی دلیل یہ ہے وہ نصوص کہ جن میں اعمال صالحہ کے تارک سے ایمان کی نفی کی گئی ہے جیسے لا ایمان لمن لہ امانۃ لہ۔ اسی طرح حدیث ابوہریرہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا زنی العبد خرج منہ الایمان تو معلوم ہوا کہ یہ مومن نہیں رہیگا۔ زانی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔

جواب۔ یہ نصوص زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہیں یا مستحل پر محمول ہیں یعنی وہ شخص جوان کاموں کو جائز اور حلال سمجھتا ہے اسکے بارے میں فرمایا ہے۔

ایمان کے ساتھ اقرار کے تعلق کی کیفیت کا بیان

اس میں متعدد قول ہیں (۱) اقرار لسانی کا ایمان کے ساتھ احکام دنیوی کے اجرا کے لئے شرطیت کا تعلق ہے۔ جیسا کہ مذہب جمہور متکلمین واحناف کا ہے۔

(۲) اقرار لسانی نسیا منسیا نہ شرطیت کی حیثیت معتبر ہے اور نہ شطریت کی حیثیت معتبر ہے جیسا کہ مذہب مرجیہ ہے۔

(۳) اقرار لسانی تو عین ایمان ہے۔ جیسا کہ کرامیہ کا قول ہے۔ (۴) اقرار لسانی کا ایمان کے ساتھ رکن ہونے کا تعلق ہے۔ جو رکن حالت اضطراری میں ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ اشاعرہ کا قول ہے (۵)۔ اقرار لسانی ایمان کا جزو عرفی ہے۔ جیسا کہ جمہور محدثین وفقہاء کا قول ہے۔

(۶)۔ اقرار لسانی ایمان کا جزو حقیقی اور ترکیبی ہے۔ جیسا کہ معتزلہ وخوارج کا قول ہے۔

ایمان کے ساتھ

اعمال صالحہ کے عمل کی کیفیت

۱۔ اہل حق کے ہاں عمل لا ایمان ہونے کا تعلق ہے۔ ۲۔ جمہور محدثین حضرات کے نزدیک اجزاء عرفیہ تزئینیہ ہونے کا تعلق ہے۔

۳۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک اجزاء حقیقیہ ترکیبیہ ہونے کا تعلق ہے۔ ۴۔ مرجیہ کے نزدیک کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔

ایمان میں کمی وزیادتی

اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ احناف فرماتے ہیں: الایمان لا یزید ولا ینقص۔

(ایمان نہ زیادتی کو قبول کرتا ہے اور نہ نقصان کو)

۲۔ مالکیہ فرماتے ہیں الایمان یزید ولکن لا ینقص ۔ یزید بالطاعات ۔ (ایمان زیادتی کو تو قبول کرتا ہے لیکن نقصان کو قبول نہیں کرتا) اور ایمان میں زیادتی نیک اعمال کے ساتھ ہوگا۔

۳۔ جمہور محدثین فرماتے ہیں الایمان یزید و ینقص یزید بالطاعات وینقص بالمعاصی ۔ (ایمان زیادتی کو قبول کرتا ہے طاعات کے ساتھ اور نقصان کو قبول کرتا ہے گناہوں کے ساتھ)

دلیل۔ احناف کے نزدیک ایمان کی حقیقت فقط تصدیق قلبی ہے اور تصدیق قلبی نہ بڑھتی ہے اور نہ کم ہوتی ہے لہٰذا الایمان لایزید و لا ینقص۔

اور مالکیہ کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے لیکن کم نہیں ہوتا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ نصوص میں زیادتی ایمان کا ذکر ہے جیسے وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا اس لئے ایمان میں زیادتی مانتے ہیں کہ تسلیم نعم چونکہ ایمان کے کم ہونے کا ذکر نہیں اس لئے ایمان نہیں کم ہوتا۔ نصوص میں نقصان ایمان کا ذکر نہیں ہے۔

جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان بڑھتا بھی ہے طاعات کے ذریعہ اور کم بھی ہوتا ہے معاصی کے ذریعہ سے۔

دلیل۔ یہ ہے کہ چونکہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اعمال ارکانی اور اقرار لسانی کے مجموعے کا۔ اور نیز زیادتی کا ذکر تو نصوص میں ہے اور قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ کل مایقبل الزیادۃ یقبل النقصان لہٰذا ایمان زیادتی اور نقصان دونوں کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور دونوں کو قبول کرتا ہے۔ یہ قابل للزیادۃ والنقصان ہے۔

یہ بھی کوئی حقیقی اختلاف نہیں لفظی اختلاف ہے۔ جنہوں نے کہا ایمان بسیط ہے انہوں نے کہا الایمان لایزید و لا ینقص اور جنہوں نے مرکب ہونے کا قول کہا انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص. بعنوان آخر ایمان کے دو درجے ہیں۔

نمبر (۱)۔ نفس ایمان۔ (۲)۔ کامل ایمان۔ جنہوں نے نفس ایمان کا اعتبار کیا ہے انہوں نے کہا الایمان لایزید و لا ینقص اور جنہوں نے کامل ایمان کا اعتبار کیا ہے انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص۔

بعنوان ثالث تصدیق میں دو اعتبار ہیں۔ ۱۔ قولہ کم میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے۔ ۲۔ قولہ کیف میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے۔ کم کا مطلب یہ ہے کہ مقدار اور کیف کا مطلب یہ ہے کہ قوۃ وضعف ہو۔ تو جن حضرات نے مقولہ کم میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے کیا انہوں نے کہا الایمان لایزید و لا ینقص اور جنہوں نے مقولہ کیف میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے کیا انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص

یعنی ایمان قوی اور ضعیف ہوتا ہے کہاں ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ہے اور کہاں دیگر صحابہؓ کا اور باقی عوام کا ایمان ہے۔ (اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کم ہے یا زیادہ)

بعنوان رابع:۔ زیادتی میں دو اعتبار ہیں (۱) نفس تصدیق کے اعتبار سے زیادتی ہو (۲) مصدق بہ مومن بہ کی تصدیق کی اعتبار سے زیادتی ہو۔ نیز متعلقات تصدیق میں اضافہ تدریجاً ہوتا رہا ہے تو جنہوں نے نفس تصدیق کی زیادتی کا اعتبار کیا وہ انہوں نے کہا الایمان لایزید ولاینقص اور جنہوں نے متعلقات تصدیق کی زیادتی کا اعتبار کیا انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص اور متعلقات تصدیق تدریجاً فتدریجاً بڑھتے رہے ہیں اور اس قسم کی زیادتی کوئی باعث فضیلت نہیں ہے۔ اس لئے اب یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا کہ پہلے وفات پانے والے صحابہ کرام کا ایمان تھوڑا ہوا۔ لیکن یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک تھا اس کے بعد تو نسخ وغیرہ کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔ (خیر الفتاویٰ جلد اول)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبات سے ایمان افروز اقتباسات

ایمان اور تردد

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ جتنا رزق تمام عمر کے اندر میری قسمت میں لکھا ہے وہ مجھے ایک دم سے مل جاوے۔ اس پر خطاب ہوا کہ کیا ہمارے وعدہ پر وثوق نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ وثوق تو پورا ہے مگر شیطان پریشان کرتا ہے جب عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو کہتا ہے کہ تو کھائے گا کہاں سے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ دے گا تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ اللہ دے گا مگر یہ تو معلوم نہیں کہ کب دے گا۔ وہ مجھے پریشان کرتا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ساری عمر کا ایک دم سے مل جاوے تو اس کو کوٹھری میں مقفل کردوں۔ جب شیطان کہے گا کہاں سے کھائے گا تو فوراً کہہ دوں گا کہ اس کوٹھری کے اندر سے کھاؤں گا۔ بس پھر وہ وسوسہ نہ ڈالے گا۔ وہ بزرگ عقلاً تو غالب تھے شیطان پر لیکن طبعاً غالب نہ تھے۔

اس حکایت کو سن کر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ کیسے بزرگ تھے کہ ان کو حق تعالیٰ پر اطمینان نہ تھا یہ بات تو بزرگی کے خلاف ہے مخلوق کے وعدہ پر تو ایسا وثوق ہو جاوے کہ وسوسہ بھی نہ آوے اور خدا تعالیٰ کے وعدہ پر اتنا بھی وثوق نہ ہو۔ یہ تعجب کی بات ہے اور یہی شبہ اکثر واعظوں کی زبان پر عام مسلمانوں کے حق میں دائر ہوتا ہے کہ کوئی دعوت کر جاوے تو کیسے بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے وعدہ پر ایسا بھروسہ نہیں۔ مگر سمجھ لیجئے کہ یہ

الزام ہے مسلمانوں پر۔ وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وقت معین نہیں ہے اور ابہام میں خاصیت طبعیہ ہے بے اطمینانی نہ کہ بے یقینی اور مخلوق کی طرف سے وقت معین ہوتا ہے اور تعیین میں خاصیت طبعیہ ہے۔ اطمینان چنانچہ اگر مخلوق کی طرف سے بھی وقت معین نہ ہو۔ مثلاً کوئی اس طرح دعوت کرے کہ ہم جب دل چاہے ایک وقت کا کھانا بھیجیں گے تو ان کے وعدہ سے بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ یہ وجہ ہے کہ مخلوق کی طرف سے تو اطمینان ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔ یہ کوئی الزام کی بات نہیں یہ تو امر طبعی ہے ہاں اگر حق تعالیٰ کا وعدہ معین ہوتا پھر اگر کوئی یقین نہ کرتا تو الزام تھا۔

پس چونکہ خدا تعالیٰ کے وعدہ میں تین قسم کا ابہام ہے ایک یہ کہ کب ملے گا۔ ایک یہ کہ کس وجہ سے ملے گا۔ زراعت سے یا تجارت سے یا اور کسی طریقہ سے۔ ایک یہ کہ کتنا ملے گا پیٹ بھی بھرے گا یا نہیں۔ چنانچہ بھی کم ملتا ہے اور کبھی زیادہ ملتا ہے۔ اس واسطے تردد ہوتا ہے کیونکہ طبعی بات ہے کہ ابہام سے تردد ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ حق تعالیٰ پر وثوق نہیں اور یہ تردد ایمان کے منافی نہیں بلکہ کمال ایمان کے بھی منافی نہیں۔

سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کا ایمان ہے۔ وہ سب سے زیادہ کامل الایمان ہیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ہے کہ وہ عرض کرتے ہیں۔ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ۔ (اور لیکن میرے دل کی تسلی کے لئے) آخر لِيَطْمَئِنَّ کا کیا مطلب ہے خود واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو کسی وجہ کا تردد تھا۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ میں دیکھ لوں۔ فرمایئے کہ ابراہیم علیہ السلام کو کون سا تردد تھا۔ ظاہر بات ہے کہ وہ تردد تو ہو نہیں سکتا جو منافی ایمان ہو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مطلق تردد منافی ایمان کے نہیں۔ ایک فرد تردد کی وہ بھی ہے جو منافی ایمان نہیں۔ تردد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ تردد جو حضرت ابراہیم کو تھا ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ اول تو ابراہیم علیہ السلام کی شان ایسی ہے کہ ان کی نسبت یہ گمان ہو ہی نہیں سکتا کہ ان میں ایسا تردد تھا جو کہ ایمان کے منافی ہے اور پھر قرآن میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کہ کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بلٰی یعنی ایمان کیوں نہیں۔ میں تو صرف اس لئے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو

اطمینان ہو جاوے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقین آپ کو پورا تھا۔ شک ذرا بھی نہ تھا۔ ہاں تردد کا وہ زمانہ تھا جو اطمینان کے مقابل ہے اور وہ منافی ایمان نہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کہ آپ کس کیفیت سے مردوں کو زندہ کریں گے۔ اس کی کوئی نظیر دکھا دیجئے۔ اس پر حکم ہوا۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ الخ (پس چار پرندے پکڑو) ان کو پالو۔ پھر ذبح کر کے خوب ان کا قیمہ کرلو اور چار حصے کر کے چار جگہ رکھ دو۔ پھر ان کو پکارو سب دوڑے چلے آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور پکارا۔ بس سب زندہ ہو کر ان کی طرف چلے آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے تماشا دیکھ لیا بس اس سے معلوم ہو گیا کہ مطلق تردد نہ ایمان کے منافی ہے اور نہ کمال ولایت کے۔

یہ سالکین کے کام کی بات ہے ان کو بعض اوقات وسوسے گھیرتے ہیں تردد پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے سمجھتے ہیں کہ پہلی حالت کی طرف عود ہو گیا ہم مردود ہو گئے۔ یہ غلطی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وساوس کے آنے میں بھی حکمت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ پہلے اطمینان کی حالت پیش آ گئی تھی۔ اس وقت ناز ہونے لگا تھا۔ حق تعالیٰ اس کی اصلاح کے واسطے تردد میں گرفتار کر دیتے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ تردد خطرات وساوس مطلق منافی نہیں کمال کے۔ یہ علامت ضعف کی نہیں۔

خیر ان بزرگ کی حکایت یہ ہوئی کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ مجھے ساری عمر کا رزق ایک دفعہ دے دیجئے تا کہ وسواس سے نجات ہو جاوے۔ تو یہ حضرت جمعیت قلب کے لئے اسباب دنیا اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کا وظیفہ عیال کے لئے جمع کر لیتے تھے۔ آپ نے ہماری تعلیم کے لئے ایسا کیا۔ آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ امت کے ضعف کی رعایت فرمائی اگر آپ ایسا نہ کرتے تو امت یوں سمجھتی کہ جائز تو ہے مگر کمال کے خلاف ہے آپ نے عمل کر کے بتلا دیا کہ یہ کمال کے بھی خلاف نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذاق کے خلاف امت کے مذاق کی رعایت فرمائی۔ اگر آپ اسباب کو ترک فرما دیتے تو باوجود ہونے کے بھی ذخیرہ رکھتے ہوئے بہت سے متبعین کی طبیعت رکتی...... کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بڑا فصیح ہو اور وہ بچہ کی رعایت کر کے توتلا بولنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ضعف کی رعایت فرمائی۔ اسباب کو اختیار نہ فرماتے تو آپ کا کوئی ضرر نہ تھا۔ بس صرف شفقت تھی جس کی وجہ سے ایسا کیا۔ مگر آپ نے اسباب کو ایک حد کے اندر رکھا۔ (خطبات حکیم الامت ج ۸)

ایک اہم ایمانی نکتہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(اور اسی طرح جیسا کہ اوپر بشر کے ساتھ ہمکلام ہونے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے) ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (چنانچہ اس سے پہلے آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ (مفصلاً) یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے ولیکن ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کر دیتے ہیں اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آپ (اس قرآن وحی کے ذریعہ) ایک سیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہیں (من بیان القرآن ملخصاً)

یہاں حق تعالیٰ نے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ فرمایا ہے جس کا ترجمہ بے خبری اور ناواقفی ہی سے کیا جاتا ہے یہی معنی ہیں ووجدک ضالا کے مگر ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ضالا یا گمراہ کا استعمال کس کس معنی میں آتا ہے اس لئے ان کو وحشت نہیں ہو سکتی اور جاہل کے ذہن میں گمراہ کے ایک ہی معنی ہیں اس لئے اس کو خلجان پیش آئے گا۔ اس لئے ایسے لوگوں کو ترجمہ دیکھنا جائز نہیں۔

فطرت سلیمہ کا تقاضا

اب میں استطراداً ایک اشکال کا اور جواب دینا چاہتا ہوں جو دوسری آیت مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ پر واقع ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ

آپ کو کچھ خبر نہ تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے۔ جس سے بظاہر ایمان کی نفی ہوتی ہے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا جس میں آپ کو ایمان حاصل نہ تھا۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو نفس ایمان ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے جس سے مراد صانع عالم کا اعتقاد اور توحید کا قائل ہوتا ہے کہ اس سے کوئی نبی کسی وقت بھی خالی نہیں ہو سکتا کیونکہ وجود صانع اور توحید صانع کا علم فی نفسہ فطری ہے اگر ایک بچہ کو الگ مکان میں پرورش کیا جائے جہاں اس کے سامنے کسی مذہب کا تذکرہ اثباتاً یا نفیاً نہ کیا جائے پھر جب وہ بلوغ کو پہنچ جائے اس وقت اس کو جنگل میں کھڑا کر کے پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کس طرح پیدا ہوئے تو وہ ضرور کہے گا کہ انکا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور وہ واحد ہے فطرت سلیمہ وجود و توحید صانع کا انکار نہیں کر سکتی۔ اور انبیاء علیہم السلام کی فطرت سب سے زیادہ سلیم ہوتی ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ توحید کے قائل نہ ہوں۔ یہ علم ان کے لئے ضروریات سے ہے۔ استدلال کی بھی حاجت نہیں الا للتقویۃ۔ پس مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ کا یہ مطلب نہیں کہ کسی وقت آپ کو ایمان حاصل نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ایمان کو جانتے نہ تھے اور عدم درایت عدم وجود کو مستلزم نہیں کیونکہ بعض دفعہ ایک آدمی کے پاس کوئی چیز موجود ہوتی ہے مگر اس کو خبر نہیں ہوتی کہ میرے پاس یہ چیز موجود ہے۔

مثلاً ایک ناواقف کے ہاتھ کہیں سے یاقوت یا زمرد کا ٹکڑا لگ جائے تو اس وقت یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو یاقوت و زمرد کی خبر نہیں۔ اسی طرح سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا جس میں آپ ایمان سے مشرف نہ ہوں۔ نبوت سے پہلے آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ ایمان اسی کیفیت کا نام ہے جو میرے اندر موجود ہے جیسے احکام ناسوتیہ میں حکماء اس کے قائل ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ اسی وقت سے اس میں عقل و شعور وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اس وقت مرتبہ استعداد میں یہ امور ہوتے ہیں اس وقت بچہ کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ میرے اندر کیا کیا جواہرات ہیں۔ پھر بالغ ہونے کے بعد اس کی عقل وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس وقت اس کو بھی علم ہو جاتا ہے کہ ہاں میرے اندر عقل و فہم موجود ہے۔

ایمان اور نبوت

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔ آپ کے اندر اور کمالات کا مادہ بھی سب موجود تھا۔ آپ ابتداء ہی سے معرفت وانوار کے جامع تھے مگر آپ کو اس کی خبر نہ تھی۔ بعد نبوت کے حق تعالیٰ نے ان کمالات سے واقف کر دیا' تب معلوم ہوا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دولت دے رکھی ہے اور اب خبر ہوئی کہ جو کیفیت میرے اندر ابتداء سے موجود ہے اس کا نام ایمان و معرفت وغیرہ ہے۔

خوب سمجھ لو کہ ماتدری سے خبر کی نفی ہوتی ہے حصول کی نفی نہیں اور یہ بے خبری کچھ نقص نہیں بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت وعنایت زیادہ ظاہر ہوتی ہے کہ پہلے آپ بے خبر تھے پھر دفعۃً علوم کا دریا بہا دیا۔ اگر آپ پہلے سے باخبر ہوتے تو وحی نازل ہوتی تو آپ کو حق تعالیٰ کی محبت وعنایت کا کیا پتہ چلتا۔ اس صورت میں محبت حق کی کوئی دلیل نمایاں طور پر نہ ہوتی اور جب پہلے آپ بے خبر تھے تو دفعۃً تمام عالم سے زیادہ علوم آپ کو عطا کر دیئے گئے۔ اب آپ کے پاس عنایت ومحبت حق کی نمایاں دلیل ہوگی کہ واقعی حق تعالیٰ مجھے بہت ہی چاہتے ہیں۔

دونوں صورتوں کا فرق ایک مثال سے سمجھئے۔ مثلاً ایک تو وہ آدمی ہے جس کے گھر میں سونا چاندی بھرا ہوا ہے جو بادشاہ نے اس کے بزرگوں کو دیا تھا اور اس کو میراث میں پہنچا۔ بادشاہ اس کو بلا کر یہ کہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ہمارا ہی دیا ہوا ہے مگر تم کو خبر نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ یہ میرا موروثی سرمایہ ہے اور میرے بزرگوں کا کمایا ہوا ہے اور ایک وہ آدمی ہے جس کو بادشاہ نے گھر دیا جس میں سونا چاندی مدفون ہے مگر اس کو خبر نہیں اس کو بلا کر بادشاہ نے اسی دفینہ پر مطلع کر دیا اور اس کے نکالنے اور برتنے کی اجازت دے دی۔ بتلایئے ان دونوں میں سے عنایت سلطانی کا زیادہ احساس کس کو ہوگا۔ یقیناً اس دوسرے کو پہلے شخص سے زیادہ احساس ہوگا۔ معلوم ہوا کہ بے خبری کے بعد جو دولت کی خبر ہوتی ہے اس سے محسن کی محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی شفقت زیادہ واضح ہوئی۔ (حکیم الامت ج ۵)

ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امنو بہ کے ساتھ واعملو صالحا (اور نیک کام کرو) کیوں نہیں فرمایا یہاں سے تو گویا سہارا ملے بعض کو کہ ایمان کافی ہے اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھو کہ اس کے ذکر نہ کرنے سے یہ بتلاتا ہے کہ عمل صالح تو ایمان کے لئے لازم غیر منفک (جدا نہیں) ہے کہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں دیکھو اگر حاکم کہے کہ رعیت نامہ داخل کرو تو اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون پر عمل بھی کرنا میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی شخص نے قاضی کے کہنے سے کہا کہ کیا میں نے اس عورت کو قبول کیا کچھ دنوں تک دعوتیں ہوتی رہیں اس لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوئی لیکن دو چار روز کے بعد نمک لکڑی کی ضرورت ہوئی تو بیوی نے فرمائش کرنی شروع کیں۔ اب وہ گھبرایا اور پہلوتہی کرنی شروع کی جب بیوی نے بہت دق کیا تو کہنے لگا سنو بیوی میں نے صرف تمہیں قبول کیا تھا نمک لکڑی کو قبول نہیں کیا تھا تو اگر آپ کے سامنے اس کا فیصلہ آوے تو آپ فیصلہ میں کیا کہیں گے ظاہر ہے کہ بیوی کا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے تو اسی طرح ایمان لانا سب چیزوں کا قبول کرنا ہے اس لئے اٰمِنُوْا بِہٖ (اس پر ایمان لاؤ) کہنا کافی ہو گیا اور وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اور نیک کام کرو) کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ خدا اور رسول ﷺ کو مانے گا اس کو سب کو سب کچھ کرنا پڑے گا آگے اس کا ثمرہ مرتب کرتے ہیں کہ یَغْفِرْ لَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ (اگر ایسا کرو گے تو تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اس آیت میں من یا تو ابتدائیہ ہے کہ گناہوں سے مغفرت شروع ہو گی اور اس میں اشارہ ہے کہ اتصال ہو گا یعنی ایک سرے سے گناہ معاف ہوتے چلے جائیں گے یا من تبعیضیہ ہو کہ جن گناہوں کا اب تدارک نہیں ہو سکتا مثلاً شراب خوری وغیرہ وہ معاف ہو جائیں گے باقی جن کا تدارک ہو سکتا ہے معاف نہیں ہوں گے جیسے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی سے ہزار روپے چھین لئے اور اگلے دن ہو گئے مسلمان تو وہ روپیہ ادا کرنا پڑے گا۔ معاف نہ ہو گا۔ اب میری تقریر سے یہ اشکال جاتا رہا کہ کیا نرے ایمان پر گناہ معاف ہو جاویں گے کیونکہ معلوم ہو گیا کہ

ایمان کیلئے عمل لازم ہے اور یہ بھی ایک جواب ہے کہ صرف ایمان میں بھی کبھی نہ کبھی تو مغفرت ہوگی گو دخول نار کے بعد ہی سہی مگر یہ طالب علمانہ جواب ہے آگے فرماتے ہیں وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (اور دردناک عذاب سے تم کو محفوظ رکھیں گے) اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کیا جاوے تو عذاب الیم سے عذاب مطلق مراد ہوگا کہ ہر طرح کے عذاب سے پناہ دیں گے اور اگر نرا ایمان لیا جاوے اور اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو تو عذاب سے مراد عذاب مخلد ہوگا کہ ہمیشہ عذاب نہیں ہوگا۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۱)

دین میں رائے زنی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ صاحبو! آج کل جو لوگ قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں ان کو ایمان عزیز نہیں ورنہ اگر جان کی طرح ان کو ایمان بھی عزیز ہوتا تو قرآن میں اپنی رائے کو نہ ٹھونستے نہ علماء سے مزاحمت کرتے جیسا کہ اطباء سے مزاحمت نہیں کرتے اور اگر وہاں طبیب یا ڈاکٹر کی رائے سے مزاحمت کریں گے تو وہ نکال باہر کردے گا پھر نہ معلوم دین ہی اتنا سستا کیوں ہے کہ اس میں ہر شخص اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

ایمان کی قدر و منزلت

بس ایمان کو تو یوں سمجھ لیا ہے کہ ہم کو خود لپٹتا پھرتا ہے کہ جب لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ۔ کہہ لیں گے بس ایمان آجائے گا اور اگر کبھی چلا بھی جائے گا تو پھر کلمہ پڑھ لینے سے واپس آجائے گا اسی لئے بیوی کا نکاح ٹوٹنے کا تو لوگوں کو خوف ہوتا ہے مگر ایمان جانے کا خوف نہیں ہوتا۔ سو یاد رکھو بیشک ایمان لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کہہ لینے سے ہر بار لوٹ آتا ہے اور چاہے کتنی دفعہ کفر کرے اس سے ایمان تازہ ہو جائے گا مگر اس بیوفائی میں خاصیت یہ ہے کہ پھر ایمان کی توفیق ہی نہ ہوگی۔ قرآن میں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا۔

(جو لوگ ایمان پہلے لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں رہے تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو سیدھی راہ دکھائے گا)

حالانکہ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا کے بعد بھی ثُمَّ آمَنُوْا کی گنجائش تھی مگر اس کے بعد حق تعالیٰ نے ثم آمنوا نہیں فرمایا، کیونکہ اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے، کہ اس فعل بد کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے بعد اکثر توفیق ایمان نہیں ہوتی پس ایمان کی قدر کرو اور اس کی حفاظت کی کوشش کرو قرآن وحدیث میں اپنی رائے کو دخل نہ دو اور نہ علماء سے مزاحمت کرو بلکہ خود کو محققین کے سپرد کرو اس سے شبہات وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا چونکہ آج کل یہ مرض عام ہے۔اس لئے میں نے اس پر تنبیہ کر دی۔(خطبات حکیم الامت ج ۲۰)

ایمان اور عمل صالح پر محبوبیت خداوندی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورہ مریم آیت ۹۶)

(بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کیلئے محبت پیدا کر دیگا)

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے ایک بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بھی بتلایا ہے، یا یوں کہئے کہ ایک عمل کا ذکر کر کے اس کا ثمرہ بتلایا ہے، خلاصہ یہ کہ اس جگہ یا تو ایک مقصود اور اس کا ثمرہ مذکور ہے یا ثمرہ مقصودہ اور اس کا طریق مذکور ہے فرق صرف یہ ہے کہ ایک صورت میں مطمح نظر مقصود ہے اور طریق تابع ہے اور دوسری صورت میں مطمح نظر طریق ہے اور اس کی تسہیل کے لئے ثمرہ کا ذکر ہے یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے) میں طریق کا ذکر ہے اور سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا) میں مقصود کا ذکر ہے اور یہی ثمرہ بھی ہے، بہرحال یہاں حق تعالیٰ نے ایمان وعمل صالح پر محبت کو متفرع فرما دیا ہے یعنی اس سے محبت پیدا ہوتی اور محبوبیت حاصل ہوتی ہے مگر دونوں عنوانوں کے اعتبار سے اس مضمون کی تعبیر میں ذرا سا فرق ہوگا ایک صورت میں تو ایمان وعمل صالح کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ثمرہ محبت کا ذکر اس کی طرف سہولت سے رغبت کرنے کے لئے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا) کیا گیا، اس وقت مقصود بالذکر ایمان وعمل صالح ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اے ہمارے

بندو! تم ایمان و عمل صالح حاصل کرو یہ مقصود ہے آگے ترغیب و تسہیل کے لئے فرمایا کہ ہم تم کو محبت عطا کریں گے محبت کی تعریف میں نے ابھی نہیں کی انتظار کیجئے ابھی میں مسوق لہ الکلام کی تعیین کر رہا ہوں یا یوں کہیے کہ مقصود نعمت محبت کا ذکر ہے اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے) میں ایمان و عمل صالح کو اس کا طریق بتلایا ہے اس صورت میں مراد کی تعبیر اس طرح ہوگی کہ اے مسلمانو! نعمت محبت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کا طریقہ ایمان و عمل صالح ہے خلاصہ یہ کہ یہاں دو کام ہیں ایک ہمارے کرنے کا دوسرا حق تعالیٰ کے کرنے کا اور جو کام ہمارے کرنے کا ہے وہ دو قسم پر ہے ایک ظاہری ایک باطنی ایمان عمل باطن ہے اور عمل صالح ظاہر ہے تو کل تین کام ہوئے جن میں دو ہمارے کرنے کے ہیں اور ایک حق تعالیٰ کے کرنے کا اور تینوں فی نفسہ حاصل کرنے کی چیزیں ہیں چاہے محبت کو مقصود کہو اور اس کے واسطے ایمان و عمل کو اختیار کرو، یا ایمان و عمل صالح کو مقصود سمجھو اور اس کے اختیار کرنے کے بعد محبت کی امید رکھو حاصل دونوں کا ایک ہی ہے گو ملتفت الیہ بالذات و بالعرض کا فرق ہوگا مگر ضروری تینوں میں چاہے پہلے وہ حاصل ہو یا یہ ہر صورت میں مدعا حاصل ہے عارف شیرازی خوب کہتے ہیں۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(بخت اگر مدد کرے تو اس کا دامن تھام لوں اگر وہ مجھے اپنی طرف کھینچے تو باعث مسرت اور اگر میں اس کو کھینچوں تو باعث مسرت)

یعنی مقصود تو وصال ہے چاہے وہ کھینچ لیں یا ہم کھینچ لیں اسی طرح یہاں مقصود رضا حق ہے چاہے محبت اول ملتفت الیہ ہو اور اعمال ملتفت الیہ ثانیاً ہوں یا اعمال .... ملتفت الیہ اولاً ہوں محبت ثانیاً تینوں چیزیں حاصل کرنے کے قابل ہیں نہ وہ قابل ترک ہے نہ یہ مقصود اصلی بہر صورت متحد ہے گو دونوں کی تعبیروں میں فرق ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ محبت کیا چیز ہے اور ایمان و عمل صالح اس کا طریق کیونکر ہے ایمان و عمل صالح کی تفسیر کی تو ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ان کی تفسیر کو سب جانتے ہیں اس کا مقتضا تو یہی تھا کہ ان کی تفسیر نہ کی جائے صرف یہ بتلانا ضروری ہے کہ محبت کا ترتب ایمان و عمل صالح پر کیونکر ہے اور کیسا ہے مگر اس وجہ سے ان

کی تفسیر کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ گو لوگ ان کے جاننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر چونکہ ان پر توجہ کا ترتب نہیں ہوتا اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ شاید حقیقت ہی کو نہ جانتے ہوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص اختلاج قلب کا مریض ہو اور اس کے سامنے سیب رکھا ہوا ہو مگر وہ اس پر توجہ نہیں کرتا تو اس سے شبہ ہوگا کہ شاید اس کو سیب کی حقیقت اور منفعت معلوم نہیں۔

صاحبو! اگر ایک بچہ روپے اور پیسے میں عملی فرق نہ کرے تو جائے تعجب نہیں لیکن اگر کوئی بڑا آدمی ایسا ہی کرنے لگے تو ضرور شبہ ہوتا ہے کہ اس کو روپیہ اور پیسہ میں فرق معلوم نہیں جبھی تو روپیہ دے کر پیسہ لیتا ہے اس وقت بعینہ یہی حالت ہماری ہے کہ اکثر لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہیں، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان کو ایمان وعمل صالح کی حقیقت معلوم نہیں جبھی تو دنیا کے لئے ان کو برباد کیا جارہا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

مبادا دل آں فرومایہ شاد کہ از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینہ کے دل کو خوشی نصیب نہ ہو کہ دنیا کے واسطے دین کو برباد کرتا ہے)

(خطبات حکیم الامت جلد ۱۲)

ایمان کے مراتب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خوف کے مراتب مختلف ہیں ایک خوف وہ ہے جو درجہ اعتقاد میں ہو یہ تو ادنیٰ درجہ ہے اور ایک وہ ہے جو درجہ حال میں ہو اور جبکہ مدار ایمان کا خوف پر ہے تو ایمان کے بھی اسی طرح دو مرتبے ہیں ایک وہ ایمان جو صرف درجہ اعتقاد تک محدود رہتا ہے یہ تو عوام کا ایمان ہے کہ جب قلب میں ٹٹولتے ہیں تو قیامت جنت دوزخ حساب کتاب سب کا حق ہونا قلب میں پاتے ہیں اور تحریک وتذکیر وترغیب وترہیب کے وقت ہی مستحضر ہو جاتا ہے اور باقی اوقات میں اس سے غافل ہیں ہو یہ ایمان اعتقادی موقوف ہے خوف اعتقادی پر اور دوسرا درجہ ایمان کا وہ جو اعتقاد سے متجاوز ہو کر درجہ حال میں آ گیا ہے یہ خواص کا ایمان ہے کہ ایک خاص حالت ان پر رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ علوم اجمال کے درجہ میں ان کو ہر وقت مستحضر رہتے ہیں کسی وقت نہیں بھولتے ان کو ایک ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے جس کو یادداشت کہا جاتا ہے جیسے کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو دیکھئے کہ

ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے یا کسی مقدمہ کا خوف ہو جاتا ہے ہر وقت اس کا دھیان رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بیٹھے لیٹے کھانا کھانے میں سونے میں کسی وقت اس کو نہیں بھولتا یا کوئی مرض وبائی پھیلتا ہے تو بعض لوگوں کو ہر وقت اسی کا اندیشہ ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو اس خوف کی وجہ سے مر بھی جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے تو وہ کسی وقت بھولتا نہیں اور یہ ایمان حالی موقوف ہے خوف حالی پر بس یہ شبہ جاتا رہا اور اس استحضار کا جو ایمان حالی و خوف حالی سے ہوتا ہے یہ اثر ہے کہ آدمی اس سے ہر وقت متاثر رہتا ہے ایسے بندے مقبول اور اہل نسبت کہلاتے ہیں ایسے لوگوں کا ایمان ہر وقت تازہ رہتا ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

تازہ کن ایمان نہ از گفت زباں   اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

(یعنی ایمان کو صدق دل سے تازہ کرو صرف زبان سے کہنا کافی نہیں تم نے تو باطن میں خواہشات نفسانی کو تازہ کر رکھا ہے)

ایمان تازہ رکھنے کا حکم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایمان کے تازہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان حضرات کی حالت و عمل بالکل اسی کے موافق رہتی ہے اور اسی لیے وہ ہر وقت خدمت حق کے لیے تازہ رہتے ہیں کسی وقت ملول نہیں ہوتے۔ یوں طبعی تکان تو ان حضرات کو بھی بمقتضائے بشریت ہو جاتا ہے مگر قلبی تکان نہیں ہوتا جیسے شوقین طلبہ کسی وقت ملول نہیں ہوتے یعنی جی نہیں اترتا تھک جاتے ہیں اور جیسے کسی محبوب کی طلب میں عاشق ہر وقت تازہ رہتا ہے تھک بھی جاتا ہے اور اسی تازگی کے سبب کبھی یاس اور ناامیدی ان کے پاس نہیں آتی۔ جیسے مولانا فرماتے ہیں:

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست   سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(یعنی ناامیدی کی راہ مت چلو اللہ تعالیٰ سے بہت امید ہیں ظلمت کی طرف مت جاؤ بہت سے خورشید بھی ہیں)

خاصیت ایمان

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان کی خاصیت ہے کہ اس سے ہر وقت تازگی بشاشت

انشراح مومن کے قلب میں رہتا ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ." (سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس صورت نے ان کو ایمان میں ترقی دی ہے اور خوش ہو رہے ہیں) اگر کوئی کہے کہ اہل سلوک کو قبض بھی تو پیش آتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تازگی مذکور اور آثار ایمان کے ان کے قلب میں اس وقت بھی ہوتے ہیں لیکن ان کو قبض کے وقت اس طرف التفات نہیں رہتا۔ اسی واسطے جب وہ کسی محقق سے رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کو حقیقت سے آگاہی دیتا ہے تو پھر وہی بشاشت پانے لگتے ہیں کوئی نئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اسی بشاشت سابقہ کا ظہور ہو جاتا ہے۔ غرض ان حضرات پر اس حالت کا غلبہ رہتا ہے۔ گو ضعف کسی وقت ہو جاتا ہے لیکن مطلق تازگی ہر وقت رہتی ہے غرض جس طرح ایمان کے دو درجے ہیں ایک اعتقاد اور ایک حال اور اسی طرح خوف چونکہ مدار ایمان کا ہے اس کے بھی ایسے ہی دو درجے ہیں ایک درجہ اعتقاد کا اور ایک درجہ حال کا کہ ہر وقت اس کا اثر غالب رہے اور خوف اعتقادی کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص جو مجسٹریٹ ضلع اور عدالت اور جیل خانے سے غائب ہے کبھی اس کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تو حاکم سے ڈرتا تو وہ بھی ہے لیکن یہ خوف اعتقاد میں ہے اس پر حالت کا غلبہ نہیں اور ایک وہ شخص کہ حاکم اور مجلس حکم اس کو ہر وقت پیش نظر ہے اور جیل خانہ اور قیدی اور ہتھکڑی ہر وقت اس کے سامنے ہے اس پر جس خوف کا غلبہ ہوگا یہ خوف حالی ہے۔ پس عوام کی نسبت یوں نہ کہیں گے کہ خوف نہیں ہے خوف ضرور ہے لیکن اعتقادی ہے جو نفس ایمان کے لیے کافی ہے۔ البتہ جیسا خوف ہے اسی درجہ کا ان میں ایمان بھی ہے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

کمال ایمان کی نفی

اور یہاں سے اس حدیث کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ حدیث میں آیا ہے: "لا یزنی الزانی وهو مومن ولا یسرق السارق وهو مومن"۔ (یعنی نہیں زنا کرتا کوئی زنا کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن کامل ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چوری کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن کامل ہو یعنی چوری و زنا کی حالت میں ایمان کامل نہیں رہتا) یعنی جس

وقت گناہ کیا گیا اس وقت چونکہ خوف درجہ حال میں نہیں ہے اس لئے ایمان بھی اسی درجہ کا منفی ہے پس اس حدیث میں کمال ایمان کی نفی ہے نہ کہ نفس ایمان کی نفی اسی لئے حضرات شراح حدیث اہل سنت نے اس حدیث میں مومن کے معنی مومن کامل کہے ہیں جس کو طلباء محض تاویل سمجھتے ہیں لیکن اس تقریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ حقیقت پر محمول ہے اس لیے کہ تقسیم کا اپنی ہر قسم پر صادق آنا حقیقتاً ہی ہوتا ہے بلکہ عرفاً تو مطلق کا اطلاق اکثر کامل ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا ایک لقمہ کو کوئی نہیں کہتا تو اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ ادنیٰ ایمان کو ایمان ہی نہ کہا جاتا مگر یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے ایسے ایمان کو بھی انہوں نے ایمان میں شمار کیا ہے غرض وہ اشکال بلوا حقہ بالکل صاف ہو گیا اور یہ تمام تر تقریر حدیث کے متعلق اہل علم کے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے اب میں اصل مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی تقریر ابتدائی سے یہ ثابت ہوا کہ جب آدمی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس وقت خوف نہیں ہوتا یعنی ایسا خوف نہیں ہوتا جیسا کہ ایک کلکٹر کو دیکھ کر چپڑاسی کو ہوتا ہے اور جیسے کسی کو یہ خبر ملی ہو کہ تمہارے گھر کا محاصرہ ہو گیا ہے۔ اگر چہ وہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں اور اس محاصرہ سے کچھ نہ ہو گا مگر جو حالت خوف کی اس وقت ہوتی ہے گناہ کرتے ہوئے ایسی نہیں ہوتی' افسوس ہے کہ ایک ادنیٰ حاکم جو خدا کے سامنے کسی درجہ میں بھی نہیں اس کا تو اتنا خوف اور مالک حقیقی اور احکم الحاکمین کا خوف کچھ نہیں کہ کس دلیری سے اس کی مخالفت کرتے ہو۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۹)

فضیلت ایمان

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس چیز کو ایمان سے زیادہ تلبس ہو گا وہ زیادہ افضل ہو گی اور اسی وجہ سے ایمان کے ساتھ ایک دوسری صفت یعنی جاھد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں اس نے جہاد کیا) کو بھی ذکر کر دیا کیونکہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ کا باعث اور اسلام کے پھیلانے میں معین ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ کوئی عمل ایسا نہیں کہ بدون اس کے دوسرے عمل بالکل مقبول نہ ہوں مثلاً ایسا نہیں کہ نماز بدون زکوٰۃ کے قبول نہ ہو اور زکوٰۃ بدون حج کے بجز ایمان کے کہ اس پر تمام اعمال موقوف ہیں۔ پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ متعدی کو من کل الوجوہ افضل کہنا غلطی ہے۔ چنانچہ ایمان عمل متعدی نہیں

اور پھر سب سے افضل ہے اور یہیں سے یعنی ایمان کے افضل الاعمال ہونے سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کہ غیر اہل ایمان کو اہل ایمان پر فضیلت دیتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے فلاں قوم اچھی ہے۔ البتہ اگر ایسے مضامین سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں بعض لوگ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص مسلمان ہو کر بھی فلاں عیب کو نہیں چھوڑتا۔ اس سے تو مسلمان ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا یہ سخت غلطی اور جہل ہے ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ رنڈیوں کو مسلمان نہ کرنا چاہیے اسلام کو ایسے مسلمانوں سے عیب لگتا ہے میں نے کہا کہ اگر اسلام ایسے مسلمانوں کو نکالے تو تم کو ان سے پیشتر نکال دے گا' تمہارے اعمال کہاں کے اچھے ہیں۔ بعضے لوگ چمار بھنگی کے مسلمان ہونے کو بوجہ تحقیر کے پسند نہیں کرتے مگر یاد رکھو جب قیامت کا دن ہوگا اس روز معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کو ذلیل سمجھتے تھے ان کی کیا حالت ہے اور ہماری کیا گت۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

(پس عنقریب تو اے مخاطب دیکھ لے گا جس وقت کہ غبار ختم ہو جائے گا کہ آیا تیرے پیروں کے نیچے گھوڑا ہے یا کہ گدھا میدان جنگ میں کس قسم کے سوار پر فتح پائی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی ایک قسم کا غبار جب موت واقع ہوگی اور دنیاوی پردہ ختم ہو جائے گا اس وقت حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی)

ایمان کی عجیب مثال

مومن عیب دار کو کافر باکمال کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص جو صرف ایمان لایا تھا اور کوئی عمل اس نے اچھا نہیں کیا اس کو تھوڑی مدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا: "اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ" (جنت میں داخل ہو جاؤ اب نہ تمہیں کوئی خوف ہوگا نہ کسی کا غم) اور اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جو کہ دنیا میں بڑا خلیق مہربان باکمال تھا لیکن دولت ایمان سے محروم تھا وہ ابدالآباد جہنم میں رہے گا اور کبھی اس کو نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

اس کو واضح طور سے یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی رعایا میں دو شخص ارتکاب جرم

کریں ایک تو چوری میں ماخوذ ہو اور دوسرا بغاوت میں تو اگرچہ سزا دونوں کو دی جائے گی لیکن چور کی سزا محدود اور کم ہوگی ایک دن ایسا ضرور ہوگا کہ وہ سزا بھگت کر پھر اپنے گھر آئے اور چین سے بسر کرے پر وہ باغی کبھی عذاب سے نجات نہ پائے گا اور زندگی بھر سزا کی تکالیف میں رہے گا یا فوراً پھانسی کا حکم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے گو وہ کتنا ہی بڑا لائق فائق ہو اور وہ چور بالکل جاہل کندہ ناتراش ہو۔

صاحبو! ایمان ایک آفتاب ہے اگر ہزاروں بدلی کے ٹکڑے اس پر حائل ہوں تب بھی اس کا نور فائض ہو کر رہے گا اور جھلک جھلک کر روشنی پڑے گی اور کفر کی خوش اخلاقی آئینہ کی سی چمک ہے جو کہ بالکل عارضی ہے۔

مسلمان کے افضل ہونے کی عجیب مثال

دوسری مثال لیجئے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گملہ میں لگادی جائیں اور اس کے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھ دیے جائیں تو اگرچہ اس وقت کاغذ کے پھولوں میں زیادہ رونق اور شادابی ہے۔ اصل گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن ایک چھینٹا بارش ہو جائے پھر دیکھئے کہ گلاب کیا رنگ لاتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بدرنگ ہوتے ہیں پس مسلمان اگرچہ دنیا میں کسی حالت میں ہو لیکن قیامت میں جب ابر رحمت برسے گا تو دیکھنا کہ اس کا اصلی رنگ کیسا کچھ نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے۔ صاحبو! غیرت آنی چاہیے کہ مسلمان ہو کر اسلام کی حقیقت جان کر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دو اور مسلمان کی مذمت اور کافر کی تعریف کرو۔ جب معلوم ہوا کہ ایمان ایسی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جن چیزوں کو زیادہ تلبس ہوگا وہ افضل ہوں گی لیکن تلبس بالایمان کو سمجھنا ذرا دشوار ہے کیونکہ بعض ایسے اعمال ہیں کہ وہ خود اسلام کا جزو ہیں بعض ایسے ہیں کہ وہ اسلام پر مبنی ہیں۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۷)

مومن کیلئے بشارت

یعنی ہر مومن کی نجات ضرور ہے گو اخیر میں ہو اور اولاً جزا و سزا اعمال کی بھگتنی پڑے چنانچہ حدیث میں اس معنی کی تصریح موجود ہے

لَا یَبْقٰی فِی النَّارِ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ اِیْمَانٍ ؟

(سنن ابن ماجہ ۵۹، سنن الترمذی ۱۹۹۸ بلفظ آخر)

(نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو)

کہ دوزخ میں کوئی وہ شخص نہیں رہے گا۔ دوزخ اس کے رہنے کا مکان نہیں ہے۔ مکان اصلی اس کا جنت ہے مگر بعارض دوزخ میں آ گیا ہے۔ غرض جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہہ سکیں اس کے واسطے بھی جنت ثابت ہے اور خُلُوْدٌ فِی النَّارِ (یعنی جہنم میں ہمیشہ رہنا) نہ ہوگا۔ اور کبھی نہ کبھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ اس قدر ضعیف اور قلیل الایمان شخص بھی جس کے دل میں اس قدر تھوڑا حصہ ایمان کا ہوگا۔ جس کا پتہ انبیا اور ملائکہ کو بھی نہ لگے گا۔ اور اس کی اطلاع فقط اللہ تعالیٰ کو ہوگی۔ وہ بھی نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے جو شفاعت کے بارہ میں وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اخیر میں فرمائے گا کہ سب لوگ شفاعت کر چکے انبیا بھی اور ملائکہ بھی اور مومنین بھی۔

اہل ایمان کی مغفرت

بعض لوگوں کے قلب میں اتنا خفیف ایمان ہوگا جس کا پتہ کسی شفاعت کرنے والے کو حتیٰ کہ انبیا اور ملائکہ کو بھی نہ چلے گا اور ان کو بھی نجات ہوگی۔ یہ بات ذرا غامض (پوشیدہ کلام) معلوم ہوتی ہے مگر تھوڑی تقریر کے بعد غامض نہ رہے گی وہ تقریر یہ ہے کہ نص قطعی موجود ہے اس پر کہ کافر کی کبھی مغفرت نہ ہوگی چنانچہ سورہ بینہ میں ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا (جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے) اور اس مضمون کی آیتیں صدہا قرآن شریف میں موجود ہیں چنانچہ عقیدہ اہل سنت کا یہی ہے کہ کافر کے لئے خلود فی النار ضرور ہوگا۔ اور اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی۔ تو اب یہ لوگ جن کو حق تعالیٰ نے اخیر میں دوزخ سے نکالا وہ اس دلیل سے مومن تو ضروری ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی نے ان کی سفارش کیوں نہیں کی کیونکہ مومنین کے لئے سفارش کی اجازت ہو چکی۔ اس کی وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہی کہ یہ لوگ اس قدر ضعیف الایمان ہوں گے کہ کسی کو ان کے

ایمان کا احساس نہ ہو سکے گا باوجود یہ کہ سب حدید البصر ہیں مومن کے لیے حدیث میں وارد ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (سنن الترمذی: ۳۱۲۷، کنز العمال: ۳۰۷۳۰) یعنی مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کیونکہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے۔

کسی چیز کا علم دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے

جب مومن کی نظر دنیا میں ایسی تیز ہے تو آخرت میں جو کہ عالم ہے کشف حقائق کا کیسی ہو گی پھر جب مومن کی یہ نظر ہے تو انبیاء اور ملائکہ کی نسبت کیا خیال ہو سکتا ہے مگر اس پر بھی ان لوگوں کا ایمان ایسے اہل نظر سے بھی مخفی رہا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کسی چیز کا علم دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دنیا کا ہو یا آخرت کا مومن کو بھی تو فراست حق تعالیٰ ہی نے دی ہے۔ اس قصہ میں حق تعالیٰ نے ان کے ایمان کو مخفی رکھا۔ اگر چاہتے تو یہ بھی ظاہر کر دیتے مگر اپنی رحمت خاص دکھلانے کے لیے ایسا کیا۔

ادنیٰ مومن کو بھی حقیر نہ سمجھو

غرض یہ ثابت ہوا کہ بعضوں کا ایمان اتنا خفیف ہو گا کہ انبیاء کو بھی پتہ نہ چل سکے گا اس واسطے وہ شفاعت بھی نہ کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ اگر اتنا ضعیف ایمان بھی ہو کہ ایسے حقیقت شناسوں کو بھی پتہ نہ لگے گا تب بھی بخشش ہو جائے گی یہ مومن کی اخروی حالت کا مقابلہ ہے۔ کافر کی اخروی حالت سے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو خواہ کسی درجہ کا ہو حقیر نہ سمجھو خواہ وہ کیسے ہی گناہوں میں مبتلا کیوں نہ ہو ہاں اس کے افعال کو برا سمجھو۔

گنہگار مومن کی مثال

اگر دوسرے مومن میں کوئی عیب ہے تو اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک حسین شخص ہے کہ اس کا منہ کالا کیا ہوا ہے وہ حقیقت میں تو حسین ہے اور بدصورتی عارضی ہے جس کی نظر صحیح ہو گی وہ دونوں حالتوں کو الگ پہچان لے گا اور اس عارضی بدصورتی کی وجہ سے اس کو حسین ہونے سے خارج نہ کرے گا اور یوں سمجھے گا کہ یہ ہی حسین ہے لیکن حماقت سے اس نے منہ کالا کر

لیا ہے اور بمقابلہ اس کے اگر اپنے اندر لاکھ ہنر ہوں اور بہت سے اوصاف حمیدہ رکھتا ہو تو اپنی ایسی مثال سمجھے کہ در حقیقت تو یہ کالا کلوٹا ہے مگر اس نے پوڈر مل رکھا ہے اگر دونوں کو دھو دیا جائے تو دونوں کی حالت برعکس ہو جائے تو صاحب نظر نے سیاہی کو بدصورت سمجھا نہ کہ اس حسین کو۔ اسی طرح مومن حسین ہے اور گناہ کالک اگر اس کالک کو توبہ سے دھوئے تو اچھا خاصا خوبصورت نکل آئے اور اپنی نسبت یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ ہماری طینت ہی خراب ہو اور پوڈر تقویٰ کا مل رکھا ہو اور جو کچھ حالت اچھی نظر آتی ہے وہ سب تصنع اور تلبیس ہو اس واسطے اپنی طرف گمان نیک کرنے میں اور دوسرے کو حقیر سمجھنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے دوسرے کو کبھی حقیر نہ سمجھے ہر مومن میں شان مقبولیت ہے چنانچہ اس کا ظہور کبھی نہ کبھی ہوگا اور ضعیف سے ضعیف مومن بھی بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائے گا غرض کسی مومن پر مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ صادق نہیں آسکتا یہ شان صرف کافر کی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۳)

نور ایمان کی ایک خاصیت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقاصد حسنہ میں حدیث ہے کہ مومن جب پل صراط پر سے گزرے گا تو دوزخ کہے گی "جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَکَ قَدْ اَطْفَأَ نَارِیْ" (اے مسلمان جلدی سے گزر جا کہ تیرے نور نے تو میری آگ کو بھی بجھا دیا) تو جب نور ایمان میں یہ خاصیت ہے کہ دوزخ کی آگ کو بھی بجھا دیتا ہے تو دنیا کے غموم و ہموم و احزان کی تو حقیقت ہی کیا ہے مگر ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے ایمان میں نور پیدا کریں' اسی کی کمی کی وجہ سے ہماری دنیا و آخرت برباد ہو رہی ہے اگر یہ نور حاصل ہو جائے تو واللہ دنیا و آخرت کی راحتیں ہمارے ہی واسطے ہیں پھر ہمارے پاس غم و رنج کا نام و نشان بھی نہ رہے۔ ہاں ایک غم رہے گا خدا کی بقاء و رضا کا۔ سو یہ غم لذیذ ہے اگر یہ حاصل ہو جائے تو آپ ہفت اقلیم کی سلطنت پر لات ماردیں گے باقی دنیا کا کوئی غم پاس نہ آئے گا۔ چنانچہ ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ نے بڑا قیمتی موتی بھیجا' بزرگ نے اس کو دیکھ کر کہا الحمد للہ اور خادم سے فرمایا کہ اس کو احتیاط سے رکھ دو۔ کچھ عرصہ کے بعد خادم نے عرض کیا کہ موتی چوری ہو گیا' بزرگ نے فرمایا الحمد للہ' خادم نے دریافت کیا کہ دونوں حالتوں میں الحمد للہ کس لیے فرمایا؟ فرمایا اگر آنے کی خوشی تھی تو جانے کا رنج ہوتا

چاہیے تو اس وقت الحمدللہ کا کیا موقع اور اگر جانے کی خوشی ہوئی تو آنے پر رنج ہونا چاہیے تھا تو اس وقت الحمدللہ کیوں فرمایا؟ بزرگ نے فرمایا کہ میں نے الحمدللہ نہ اس کے آنے پر کہا نہ جانے پر بلکہ دل کی حالت پر الحمدللہ کہا ہے۔ جب یہ موتی آیا تھا تو میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ کچھ خوشی ہوئی یا نہیں معلوم ہوا کہ خوشی نہیں اس پر الحمدللہ کہا' جب وہ چوری ہو گیا تو میں نے پھر اپنے دل کو دیکھا کہ کچھ رنج ہوا یا نہیں' معلوم ہوا کچھ رنج نہیں ہوا تو اس پر میں نے الحمدللہ کہا کہ نہ آنے کی خوشی ہوئی نہ جانے کا رنج ہوا تو بتلایئے جس شخص کا یہ حال ہو اس کے پاس رنج وغم کیوں آئے گا۔ اسی طرح حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کہیں سے ایک چینی آئینہ بڑا قیمتی ہدیہ میں آیا' آپ نے خادم کے حوالہ فرمادیا کہ کنگھا کرنے کے وقت ہمارے سامنے رکھ دیا کرو ایک دفعہ اتفاق سے وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور وہ ڈرا کہ دیکھئے آج شیخ کس قدر ناراض ہوں گے۔ چنانچہ ڈرتے ڈرتے اس نے عرض کیا:

از قضا آئینہ چینی شکست

(قضاء سے چینی کا آئینہ ٹوٹ گیا)

حضرت غوث اعظم نے برجستہ فرمایا: خوب شد اسباب خود بینی شکست

(اچھا ہوا اسباب خود بینی ٹوٹ گئے) (خطبات حکیم الامت جلد ۲۲)

مسلمان کبھی کافر نہیں ہو سکتا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ جو مسلمان ہو گیا وہ کافر کبھی نہیں ہو سکتا ہے اور یہ جو بعضے مسلمان آریہ وغیرہ ہو جاتے ہیں وہ حقیقت میں مسلمان ہی نہ تھے ان کو ایمان نصیب ہی نہیں ہوا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک شخص ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور اس کے دل میں ایمان نہ ہو کیونکہ زبانی دعوے سے دل میں ایمان کا ہونا لازم نہیں تو ممکن ہے کہ ایک مدعی اسلام عنداللہ مسلمان نہ ہو بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو لوگ مرتد ہوتے ہیں وہ عندالناس بھی مسلمان نہیں تھے اور ہم لوگوں کا ان کو مسلمان سمجھنا محض حسن ظن پر مبنی تھا کہ نیک گمان کی وجہ سے ہم نے ان کی حالت میں غور نہیں کیا اور اگر

دعویٰ اسلام کی حالت ہی میں ان کے اقوال وافعال کو غور سے دیکھا جاتا تو ہم کو بھی معلوم ہو جاتا کہ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۲)

انا مومن ان شاء اللہ کہنے میں اختلاف

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انا مومن حقا (میں یقینا مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے بلکہ انا مومن حقا ان شاء اللہ (میں انشاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور انہوں نے بھی حقیقت میں دعوے ہی سے منع کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ انا مومن حقا ان شاء اللہ کہنا چاہیے یا انا مومن حقا تو اشعری انا مومن حقا (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انا مومن حقا (میں واقعی مومن ہوں) کہنا چاہیے۔ انا مومن حقا ان شاء اللہ (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے۔ مشہور قول میں تو اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جن لوگوں نے انا مومن حقا سے منع فرمایا ہے اور انا مومن ان شاء اللہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے حال پر نظر کی ہے اور چونکہ حال معلوم نہیں کہ ہم حال میں مومن ہیں یا نہیں اس لیے ان شاء اللہ بڑھانے کی تاکید کی ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے ان کی نظر حال پر ہے اور فی الحال اپنے ایمان میں تردد وشک کرنا کفر ہے اس لیے وہ ان شاء اللہ بڑھانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے اور یہ نزاع محض لفظی ہوگا کیونکہ حال کے اعتبار سے ان شاء اللہ بڑھانے کو کوئی منع نہیں کر سکتا اور حال کے اعتبار سے انا مومن حقا سے کوئی روک نہیں سکتا مگر میرے ذوق میں یہ ہے کہ جیسے انا مومن حقا حال کے اعتبار سے ہے اسی طرح انا مومن ان شاء اللہ بھی حال ہی کے اعتبار سے ہے مال کے اعتبار سے نہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال کے اعتبار سے حقا کہنا چاہیے اور امام اشعری فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ حال کے اعتبار سے بھی انا مومن ان شاء حقا ان شاء اللہ ہی کہنا چاہیے اور مطلب اشعری کا یہ ہے کہ انا مومن حقا دعویٰ کے طور سے نہ کہنا چاہیے بلکہ دعوے سے بچنے کے لیے ان شاء اللہ کہنا چاہیے اور یہ ان شاء اللہ محض برکت کے لیے ہوگا تعلیق وتردد کے لیے نہیں ہوگا جس سے مقصود تفویض وتوکل ہے کیونکہ ان شاء اللہ

جیسے تعلیق فی المستقبل کے لیے آتا ہے کبھی حال کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جس سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس آیت "وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ" آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے) میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برکت ہی کے لیے ان شاء اللہ کہنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ یہ انشاء اللہ تعلیق کے لیے نہیں ہے کیونکہ آگے ارشاد ہے: "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ" (اپنے رب کا ذکر کرو جبکہ بھول جاؤ) کہ اگر کبھی ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے اسی وقت انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی ایک بات کہہ کر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد ان شاء اللہ کا خیال آئے تو اس وقت بھی امر ہے کہ ان شاء اللہ کہہ لو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ لفظ تعلیق کے لیے نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلیق کے لیے کلام سابق سے موصول ہونا عقلاً ضروری ہے اور اگر انشاء اللہ کلام سے مفصول ہو تو تعلیق کو مفید نہیں ہو سکتا۔

پس یہاں بھی یعنی انا مومن ان شاء اللہ میں لفظ ان شاء اللہ محض تفویض کیلئے ہے نہ کہ تعلیق و تردد کے لیے اور مطلب اشعری رحمۃ اللہ کا یہ ہے کہ انا مومن حقاً میں ایک قسم کا دعویٰ ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۲)

ایمان' کفراور شرک کی تعریف

ایمان کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کو نبی کے بھروسہ اور اعتماد پر بے چون وچرا تسلیم کرلیا جائے۔

کفر چونکہ ایمان کی ضد ہے لہذا کفر کی تعریف یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا جو قطعی اور یقینی طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو پہنچا ہے اس کا نام کفر ہے۔

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو عبادت یا محبت و تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا' اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات خالق' رازق' قادر مطلق' عالم الغیب والشہادۃ وغیرہ میں مخلوق کو اللہ کے برابر سمجھنا کھلا شرک ہے۔

مشرک کے متعلق قرآن حکیم میں صاف حکم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو سزا دے کر بھی نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے بلکہ سزائے ابدی میں مبتلا رکھیں گے۔ شرک کے سوا اور جتنے گناہ ہیں خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ جس کے لئے منظور ہوگا بلا سزا وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ البتہ اگر وہ مشرک مسلمان ہو جائے تو پھر مشرک ہی نہ رہا۔ اب وہ سزائے دائمی بھی نہ رہے گی۔ وجہ اس مشرک کے نہ بخشنے کی یہ ہے کہ چونکہ کارسازی کی تعظیم' اس کے حقوق میں سے ہے پس مشرک نے حضرت صانع کارسازی کی اہانت کی۔ اس لئے ایسی سزا کا مستحق ہوگا اور یہ قطعاً قابل عفو و مغفرت ہی نہ رہا۔ بخلاف مسلمان کے کہ وہ کتنا ہی سخت گنہگار کیوں نہ ہو اس کی خرابی اور گمراہی اس کے اعمال تک ہے اور اس کا عقیدہ گمراہی اور خرابی سے محفوظ ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ شرک یہی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرے بلکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کے حکم

کو پسند کرنا یہ بھی شرک ہے۔ نیز شرک کی طرح کفر بھی نا قابل معافی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی انکار ہوتا ہے۔ صانع کی کسی بتلائی ہوئی بات کا۔ پس کافر اس کی صفت صدق کا انکار کرتا ہے اور بعض کافر تو خود ذات باری تعالیٰ ہی کے منکر ہیں۔ بعض کسی صفت کے منکر ہیں اور بعض صفت اور ذات دونوں کے منکر ہیں۔ ان میں سے جس کا بھی انکار ہو وہ توحید کا انکار اور اس سے بعد ہے۔ پس کفر و شرک دونوں قابل معافی نہیں ہیں۔

حقیقی اعتقاد توحید

توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ در حقیقت اسی ایک کا تصرف ہے نیز غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم قبیح قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ اسلام نے آ کر دونوں کو ختم کر دیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفرین کے لئے قربان کی جا سکتی ہے۔ یہ خاص اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سور کے گوشت اور مردار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے محل نامزدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر اگر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو۔ تو بھی حلال نہیں ہو سکتا۔ غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بنا کر ان سب کو روک دیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہئے۔ ترمذی شریف میں آتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ گو اس شرک کو تغلیظاً شرک کہا گیا ہے۔ حقیقی شرک کا حکم نہیں۔ مگر مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے۔ یہی شرک ہے۔ اسلام سے قبل اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدۂ تعظیمی بجالانے کا عام رواج تھا۔ اسلام نے اس رسم کا تو استیصال کیا ہی تھا لیکن اس کے ساتھ اس نے اس کی بھی ممانعت کر دی کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہے یا اپنا سر جھکائے ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے

پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے سامنے تو اضعاً جھک سکتے ہیں۔ آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا۔ پس جہاں قیام اور عام ملاقاتوں میں جھکنا جھکانا بھی پسند نہ کیا گیا ہو وہاں تعظیمی سجدہ کی بھلا کیا اجازت مل سکتی ہے۔

سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی کیا جاسکتا ہے

سجدہ انسان کی اختیاری تعظیم کی آخری حد ہے اس لئے اسلام نے اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اسلام چونکہ توحید کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس لئے ہر ہر نقطہ پر اس نے عبد و معبود کے حقوق ممتاز کر دیئے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ سجدہ کرنا صرف ایک اپنے خالق کو ہی زیبا ہے۔ پس سجدہ خالق اور صرف خالق کا حق ہے۔ اس میں مخلوق کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے آپ کو سجدہ کرنے کی سنت قائم کی ہو حالانکہ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص بھی محبوب و محترم نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے ان یہود و نصاریٰ پر لعنت ثابت ہے جنہوں نے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنا ڈالا تھا۔ پچھلی امتوں کے یہ کارنامے دیکھ کر حضورؐ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک سجدہ وغیرہ کی سخت ممانعت فرمائی۔ پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی۔ پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط مزید کی گئی کہ اس کے ارد گرد مع ازواج مطہرات کے حجروں کے ایک چار دیواری بھی کھنچوا دی گئی تا کہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔

حفاظت توحید کے لئے اسلاف کی احتیاطیں

سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری

بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے۔ جس نے جیتے جی اپنے لئے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہ فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کر دی کہ دیکھنا پچھلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ اب ذرا آپ جنازہ کی نماز ہی کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ بھی ایک قسم کی نماز ہی تو ہے اور اسی ذات پاک کے لئے ہوتی ہے جس کے لئے اور فرض نمازیں۔ پھر کیا بات ہے کہ رکوع اور سجود جو نماز کی اصل روح تھے وہ یہاں سے غائب ہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جسد میت کو سامنے رکھ کر اس کی طرف رکوع وسجود کرنا اسلام کی توحید برداشت نہیں کرتی۔ خیر یہ تو ایک انسان تھا جس کو جاہل قومیں کبھی سجدہ کر بھی لیتیں مگر ایک معمولی خشک لکڑی جس کی کوئی عبادت نہیں کرتا اگر سترہ کے لئے سامنے گاڑ دی جائے تو اس کے متعلق بھی مقدس اسلام کی ہدایت ہے کہ وہ بھی ٹھیک عین سامنے نہ ہونی چاہئے بلکہ ذرا دائیں یا بائیں سمت مائل ہونی چاہئے تا کہ اس قوم کے سامنے جس کو پتھروں کو سجدہ کرنے کی عادت تھی کوئی عمل بھی ایسا نہ آنے پائے جو ان کی قدیم خصلت کی یاد دہانی میں ذرا بھی مدد و معاون ہو۔ اسلام نے تو ہر ہر موقعہ پر جہاں کسی دور کے علاقہ سے بھی شرک کی رگ متحرک ہو سکتی تھی اس کو بھی جڑ سے کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ کیا ایسا مقدس مذہب جو نماز جنازہ میں رکوع وسجود سے منع کرے قبور کو سجدہ کرنا برداشت کر سکتا ہے حالانکہ وہ قابل تعظیم جسد اب زمین میں مدفون ہو چکا ہے۔

شرک والحاد

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قیامت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ایسی حالت میں ملاقات کریں گے کہ اس کا چہرہ سیاہ اور خاک آلود ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے ''میں تجھ سے نہ کہتا تھا کہ تو میری نافرمانی نہ کر'' وہ جواب میں کہے گا آج سے میں تیری نافرمانی نہ کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو نے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھ کو قیامت کے دن رسوا نہ کروں گا اور اس سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوگی جو میرے اس باپ کی وجہ سے جو خدا کی رحمت سے محروم ہے ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابراہیم! میں تو جنت کو کافروں

کے لئے حرام کر چکا ہوں۔ پھر ارشاد ہوگا اے ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دیکھیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ ان کا باپ ایک بجو میں لتھڑا ہوا بجو ہے جس کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جا رہا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح: شاید یہ اس لئے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دارومدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ بہرحال قدرت نے اس کا یوں ایفا کر دیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کر دیا تا کہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ یہ کون ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگار ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچانا نہ بچانا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچا لے۔ اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے قدرت نے اپنے دونوں وعدے پورے کر دیئے کافر کو بخشا نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لئے دعائے مغفرت بھی نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان کر دیا گیا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے۔ ابو طالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کے تخفیف کے لئے ہوگی۔ اس کو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے۔ بہرحال مغفرت کا دروازہ کافر کے لئے بند ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا پروردگار سب کا مالک اور خالق ہے۔ اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کی کسی کو تاب و طاقت نہیں۔ وہاں اجازت ملنے پر شفاعت ہو سکتی ہے۔ خواہ شفیع نے اپنی جانب سے درخواست بھی نہ کی ہو اور اگر اجازت نہ ملے تو شفیع اگر ستر بار بھی سفارش کرے تو بھی اس کی سفارش قبول نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی سفارش اپنے بیٹے کے لئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سفارش اپنے والد کے لئے اور حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کے حق میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین کے بارے میں قبول نہیں ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی انہی کی مرضی پر موقوف

ہے۔ انبیا علیہم السلام کی بھی یہ تاب و طاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں۔ جب تک اس طرف سے ممانعت کے آثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے عجز و نیاز کے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں۔ اور جب ذرا آثار ممانعت نظر آنے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے "فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ" خدا تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ بس ایمان لاؤ اور عمل کئے جاؤ۔ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو۔ مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کئے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں اور نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے۔ (راہ جنت)

کفریہ الفاظ اور ان کے احکامات

جو لوگ دین اسلام کو مانتے ہی نہیں وہ کافر اصلی کہلاتے ہیں اور جو لوگ خاتم الانبیاء والمعصومین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں سے کسی بات کا انکار کریں یا مذاق اڑائیں وہ کافر کہلاتے ہیں۔ ان کافروں کے ساتھ بوقت ضرورت اگر ان کے ہاتھ منہ پاک ہوں تو کھانا کھانا جائز ہے۔ کافروں کو خود تو سلام نہ کیا جائے اگر وہ سلام کہے تو جواب میں صرف وعلیکم کہا جائے۔

کافروں کے ساتھ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت لین دین و معاملات جائز ہیں بشرطیکہ اس میں کسی مسلمان بھائی کی حق تلفی یا نقصان نہ ہوتا ہو۔ نیز اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن میں برا اثر نہ پڑتا ہو۔ کافروں کے ساتھ دلی دوستی ہرگز جائز نہیں ورنہ کفر لازم آئے گا۔

ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہو سکتی۔ جس مسلمان کے دل میں خشیت الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا شائبہ ہو وہ کافر اور کافر قوم سے موالات اور دوستانہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم کرنے کو ایک منٹ کیلئے بھی گوارا نہیں کرے گا۔

اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مروت، حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد و پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں اور حسن سلوک، رواداری یا مروت کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ باقی موالاۃ یعنی دوستانہ اور اعتماد اور برادرانہ مناصرۃ و معاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ (تفسیر عثمانی)

شرک کی تعریف اور اس کے متعلق احکام

شرک کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں یا اس کی صفات خاصہ میں کسی دوسرے کو شریک کرنا اور یہ جرم (سوائے توبہ کے) نا قابل معافی ہے۔

امت مسلمہ کو چاہئے کہ شرک سے دور رہیں کیونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس بدعقیدگی سے بچنے اور پرہیز کرنے کی شدید ترین تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ چند آیات قرآنی کا ترجمہ وخلاصہ ملاحظہ ہو۔

اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے (سارے نیک) اعمال اکارت جائیں گے۔ (سورۂ زمر آیت ۶۵)

بے شک جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے بے انصافوں کا حمایت کرنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔ (سورۃ المائدہ آیت ۷۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم درجہ کے گناہ جس کے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً وہ بھٹک گیا، دور کی گمراہی میں۔ (سورۂ نساء آیت ۱۱۶)

شرک سے جہاں ایمان ختم ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اگر وہ مرد یا عورت شادی شدہ ہو تو نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا جس سے یہ عظیم غلطی ہو جائے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچی اور پکی توبہ کرے اور ایمان کی تجدید کے ساتھ نکاح بھی دوبارہ کرے۔

مرتد کی تعریف اور اس کا حکم

مرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔ یعنی ایمان و اسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر و شرک کے اندھیروں میں چلا جائے۔

ایمان لانے کے بعد کلمہ کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم صحیح ہونے کیلئے عقل کا ہونا شرط ہے۔ نیز مرتد کا حکم نافذ ہونے کیلئے رضا ورغبت بھی شرط ہے۔ لہٰذا اس شخص پر مرتد کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا جس کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا گیا ہو۔

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اگر وہ اسلام کے بارے

میں کسی شخص کو شبہ کا شکار ہو تو اس کا شک و شبہ دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ ان تین دنوں میں توبہ کر کے اسلام میں لوٹ آئے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کیا جائے کیونکہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہے۔

شرعاً مرتد کا جنازہ جائز نہیں اور نہ ہی اس سے میل جول رکھنا جائز ہے۔ نیز کافروں کے ساتھ اگر کھانے میں حرام کا شبہ نہ ہو تو ان کے ساتھ کھانا جائز ہے۔ مگر مرتد کے ساتھ کسی حال میں بھی کھانا جائز نہیں۔ نہ ان کے گھر جانا چاہیے۔

زندیق کی تعریف اور اس کا حکم

جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن و حدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں انہیں زندیق کہا جاتا ہے مثلاً عقیدہ ختم نبوت اسلام کا قطعی اور اٹل عقیدہ ہے۔ اس لئے جو لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود کسی جھوٹے اور مدعی نبوت کو مانتے ہیں اور قرآن و حدیث کے نصوص کو اس جھوٹے نبی پر چسپاں کرتے ہیں وہ زندیق کہلاتے ہیں۔ یا جو لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود یہ عقیدہ یا نظریہ رکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید صحیح نہیں ہے یہ تو (نعوذ باللہ من ذالک) شرابیوں اور زانیوں کی لکھی ہوئی کتاب ہے یہ لوگ زندیق کہلاتے ہیں۔

اسی پر تمام ضروریات دین کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟ حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندیق مرتد سے بھی بدتر ہے۔ مرتد و زندیق سے نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں بلکہ اگر شادی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص مرتد یا زندیق تھا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوا لہٰذا پہلے تو اسے اسلام کی دعوت دی جائے اگر

وہ صحیح معنوں میں اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے تو صحیح ہے اور اس کا نکاح بھی دوبارہ کیا جائے۔ ورنہ بغیر طلاق وغیرہ کے ان سے علیحدگی کرا دی جائے۔

کفر و ارتداد سے توبہ کا طریقہ

اگر کوئی کافر یا مرتد اپنے کفر و ارتداد سے تائب ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اسے اپنے سابقہ عقائد سے برأت کا اعلان کرنا ہوگا۔ اسلام کی وسیع اور عالمگیر رحمت کے دروازے اس کیلئے بند نہیں ہیں' وہ صاف و صریح توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو سکتا ہے اور اسلامی برادری کا معزز فرد بن سکتا ہے۔ جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔ اگر اس کو کوئی شک و شبہ ہو تو اسے دور کیا جائے اور پھر جب وہ دوبارہ دائرہ اسلام میں آنا چاہے تو کلمہ شہادت پڑھے اور مذہب اسلام کے سوا اور تمام مذاہب سے بیزاری سے اعلان کرے اور اگر اسی مذہب سے بیزاری کا اعلان کرے نیز اگر وہ شادی شدہ ہے تو نکاح دوبارہ کرنا ہوگا۔

حصہ دوم

انسانی تاریخ سے منتخب
ایمان افروز واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان افروز واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح غیب پر ایمان لایا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خبروں کے مقابلہ میں فانی لذتوں انسانی مشاہدوں وقتی محسوسات اور مادی تجربوں کو چھوڑ دیتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہوں نے غیبی امور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور اپنے مشاہدات کو وہ جھٹلا دیا کرتے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں باہر نکلا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے جا رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہو، اس لئے میں ذرا فاصلے سے ایسی جگہ چلنے لگا جہاں چاند کی روشنی نہیں پڑ رہی تھی۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر مجھے دیکھا اور فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ مجھے آپ پر قربان کرے میں ابوذر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! ادھر آؤ۔ میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیادہ مال والے قیامت کے دن کم ثواب والے ہوں گے البتہ جس کو اللہ نے خوب مال دیا اور اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے مال خوب لٹایا اور نیکی کے کاموں میں خوب خرچ کیا تو وہ مالدار بھی قیامت کے دن زیادہ اجر و ثواب والا ہوگا۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑی دیر اور چلا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم یہاں بیٹھ جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک وسیع ہموار میدان میں بٹھا دیا جس کے اردگرد پتھریلی پتھر تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میرے واپس آنے تک یہیں بیٹھے رہنا۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر یلے میدان میں چلنا شروع کر دیا اور چلتے چلتے اتنی دور چلے گئے کہ مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ پھر کافی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو میں نے دور سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس پہنچ گئے تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے نبی! اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرے آپ اس پتھر یلے میدان میں کس سے باتیں کر رہے تھے؟ مجھے تو آپ کی باتوں کا جواب دیتا ہوا کوئی سنائی نہ دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو اس پتھر یلے میدان کے کنارے میں میرے سامنے آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اے جبرائیل! اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا جی ہاں (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر چہ وہ چوری کرے اور زنا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں! اگر چہ وہ شراب پیئے۔ (اخرجہ الشیخان کذا فی جمع الفوائد (۱/ ۷)

کلمہ اخلاص

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو آدمی بھی اسے سچے دل سے کہے گا وہ آگ پر ضرور حرام ہو جائے گا۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں آپ کو بتاؤں وہ کلمہ کون سا ہے؟ یہ وہ کلمہ اخلاص ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمائے رکھا اور یہ وہ تقویٰ والا کلمہ ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو مرتے وقت بہت ترغیب دی تھی۔ یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اخرجہ احمد کذا فی المجمع ۱/ ۱۵)

کلمہ پر جنت کا وعدہ

حضرت یعلی بن شداد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے یہ واقعہ سنایا اس وقت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے اور وہ میرے والد کی تصدیق کر رہے تھے۔ میرے والد نے فرمایا کہ ایک دن ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی اہل کتاب (یہود) میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ بند کر دو۔ (ہم نے دروازہ بند کر دیا) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور لا الٰہ الا اللہ کہو چنانچہ ہم نے کچھ دیر اپنے ہاتھ اٹھائے رکھے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ نیچے کئے (اور ہم نے بھی نیچے کئے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحمد للہ اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا اور اس (پر ایمان لانے) کا حکم دیا اور اس پر جنت کا تو نے وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پھر فرمایا غور سے سنو تمہیں بشارت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ (اخرجہ احمد)

ایمان پر جنت

حضرت رفاعہ جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ جب ہم کدید یا قدید مقام پر پہنچے تو کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر والوں کے پاس جانے کی اجازت مانگنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دینے لگے پھر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان کو درخت کا وہ حصہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہے دوسرے حصے سے زیادہ ناپسند ہے۔ بس اس بات کے سنتے ہی سب رونے لگے۔ کوئی ایسا نظر نہیں آ رہا تھا جو رو نہ رہا ہو۔ ایک آدمی نے کہا اس کے بعد جو اجازت مانگے گا وہ یقیناً بڑا نادان ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور خیر کی بات کی اور فرمایا میں اللہ کے ہاں

اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ اس حال میں مرے گا کہ وہ اس بات کی سچے دل سے گواہی دے رہا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور پھر وہ ٹھیک ٹھیک چلتا رہے تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا اور میرے رب عز و جل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمی جنت میں حساب کتاب اور عذاب کے بغیر داخل کرے گا اور مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اور آپ لوگوں کے نیک ماں باپ اور نیک بیوی بچے جنت میں پہلے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں گے پھر وہ ستر ہزار جنت میں داخل ہوں گے۔ (اخرجہ احمد)

کلمہ ایمان پر گناہوں کی مغفرت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں! تم نے ایسے اور ایسے کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! میں نے ایسے نہیں کیا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس نے یہ کام کیا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کئی مرتبہ پوچھا (لیکن ہر مرتبہ وہ یہی جواب دیتا رہا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چونکہ تم لا الہ الا اللہ کی تصدیق کر رہے ہو اس وجہ سے تمہارے اس گناہ کو مٹا دیا گیا۔ (اخرجہ البزار)

کلمہ طیبہ کا صلہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام بھی ایسے پرانا ہو جائے گا جیسے کپڑے کے نقش و نگار پرانے ہو جاتے ہیں۔ کسی کو معلوم نہ ہوگا کہ روزہ صدقہ اور قربانی کیا چیز ہے؟ اللہ کی کتاب یعنی قرآن پر ایک رات ایسی آئے گی کہ اس کی ایک آیت بھی زمین پر باقی نہ رہے گی (فرشتہ ساری زمین سے سارا قرآن اٹھا کر لے جائے گا) اور لوگوں کی مختلف جماعتیں باقی رہ جائیں گی جن کے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں کہیں گی ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اس کلمہ لا الہ الا اللہ پر پایا تھا ہم بھی یہی کلمہ پڑھتے ہیں۔ حضرت صلہ (راوی) نے پوچھا کہ جب وہ لوگ یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ روزہ صدقہ اور قربانی کیا چیز ہے تو لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ حضرت

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اعراض فرمالیا۔ حضرت صلہ نے دوبارہ پوچھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھر اعراض فرمالیا۔ جب تیسری مرتبہ پوچھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا اے صلہ! یہ کلمہ انہیں آگ سے نجات دے گا یہ کلمہ انہیں آگ سے نجات دے گا یہ کلمہ انہیں آگ سے نجات دے گا۔ (اخرجہ الحاکم ۴/۵۴۵)

محبت بقدر ایمان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معاملہ صاف رکھنے والا اور اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا وہ آدمی ہے جو لآ الٰہ الا اللہ والوں سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا اور ان کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والا ہو۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ کذا فی الکنز ۱/۸۶)

ایمان اور ذکر

حضرت سالم بن ابی الجعدؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو کسی نے بتایا کہ حضرت ابوسعد بن منبہؒ نے سو غلام آزاد کئے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک آدمی کے مال میں سے سو غلام بہت زیادہ ہیں لیکن اگر تم کہو تو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ فضیلت والے (اعمال) بتادوں۔ ایک تو وہ ایمان جو دن رات ہر وقت دل سے چمٹا ہوا ہو اور دوسرے یہ کہ ہر وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۱/۲۱۹)

ایمان اللہ کی عطا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہاری روزی کو تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے اسی طرح اخلاق کو بھی تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ مال تو اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت ہو اور اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت نہ ہو لیکن ایمان صرف اسے ہی دیتے ہیں جس سے محبت ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے ایمان دے دیتے ہیں۔ لہٰذا جو بخل کی وجہ سے مال نہ خرچ کرسکتا

ہو اور بزدلی کی وجہ سے دشمن سے جہاد نہ کر سکتا ہو اور راتوں کو مشقت نہ کر سکتا ہو اسے چاہئے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ وسبحان اللہ کثرت سے کہا کرے۔ (اخرجہ الطبرانی)

ایمان کی مجالس

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے ملتے تو اس سے کہتے آؤ تھوڑی دیر اپنے رب پر ایمان کو تازہ کریں۔ ایک دن انہوں نے یہ بات ایک آدمی سے کہی اسے غصہ آ گیا اور اس نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کو چھوڑ کر ایک گھڑی کا ایمان اختیار کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ابن رواحہ پر رحمت فرمائے یہ ان مجلسوں کو پسند کرتے ہیں جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔ (اخرجہ احمد)

آؤ ایمان تازہ کر لیں

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کرتے آؤ ہم کچھ دیر اپنا ایمان تازہ کر لیں کیونکہ دل اس ہانڈی سے بھی جلدی پلٹ جاتا ہے جو خوب زور و شور سے ابل رہی ہو۔ (اخرجہ الطیالسی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے ایک دو کا ہاتھ پکڑ لیتے اور فرماتے ہمارے ساتھ کچھ دیر رہو تا کہ ہم اپنا ایمان بڑھا لیں اور پھر ہم اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) کا ذکر کرتے۔ (اخرجہ ابن ابی شیبۃ واللالکائی فی السنۃ کذا فی الکنز ۲۰۸/۱)

حضرت اسود بن ہلال رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے فرمایا آؤ کچھ دیر بیٹھ کر ایمان تازہ کر لیں۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ایمان تازہ کرتے رہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! ہم اپنا ایمان کیسے تازہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کثرت سے کہا کرو۔ (اخرجہ احمد والطبرانی)

قرآن وحدیث کے مقابلہ میں انسانی تجربات مشاہدات کو غلط سمجھنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آرہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے شہد پلاؤ (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے) وہ آدمی گیا اور اس نے جا کر اپنے بھائی کو شہد پلایا اور پھر آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اسے شہد پلایا اس سے تو دست اور زیادہ آنے لگے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور اسے شہد پلاؤ۔ اس نے جا کر شہد پلایا اور پھر آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! اس کو تو دست اور زیادہ آنے لگے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سچ فرماتے ہیں اور تمہارے بھائی کا پیٹ غلط کہتا ہے۔ جاؤ اسے شہد پلاؤ۔ اب جا کر اس نے بھائی کو شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ (اخرجہ الشیخان کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۵۷۵)

مشرکانہ عملیات سے اجتناب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب ضرورت پوری کر کے گھر واپس آتے اور دروازے پر پہنچتے تو کھنکارتے اور تھوکتے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک اندر آئیں اور ہمیں کسی نامناسب حالت میں دیکھ لیں؟ چنانچہ وہ ایک دن آئے اور انہوں نے کھنکارا۔ اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو پت کا منتر پڑھ کر مجھ پر دم کر رہی تھی۔ میں نے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ اندر آ کر میرے پاس بیٹھ گئے ان کو میری گردن میں ایک دھاگہ نظر آیا۔ انہوں نے کہا یہ دھاگہ کیسا ہے؟ میں نے کہا اس پر منتر پڑھ کر کسی نے مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دھاگہ پکڑ کر کاٹ دیا اور فرمایا عبداللہ کے گھر والوں کو شرک کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ منتر، تعویذ اور گنڈا یہ سب شرک ہے۔ (بشرطیکہ ان چیزوں کو ہی خود اثر کرنے والا سمجھے) میں نے ان سے کہا آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟ میری آنکھ دکھنے

آتی تھی میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی وہ دم کیا کرتا تھا۔ جب بھی وہ دم کرتا میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے تھا۔ شیطان تمہاری آنکھ پر ہاتھ سے چوک مارتا تھا (جس سے آنکھ دکھنے لگ جاتی تھی) جب وہ یہودی دم کرتا تو وہ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتا (جس سے آنکھ ٹھیک ہو جاتی) تمہیں یہ کافی تھا کہ تم اس موقع پر یہ دعا پڑھ لیتیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

"اذهب الباس رب الناس اشف وانت الشافي لا شفاء الا شفائك شفاء لا يغادر سقما" (اخرجہ احمد کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۴۹۴)

بر و بحر میں ایمان کی تاثیر و برکات کے واقعات

حضرت قیس بن حجاج اپنے ایک استاد سے نقل کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے مصر فتح کر لیا اور مصری مہینوں میں سے بونہ نامی مہینہ شروع ہو گیا تو مسلمانوں کے امیر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس مصر والے آئے اور انہوں نے کہا اے امیر صاحب! ہمارے اس دریائے نیل کے جاری رہنے کے لئے ایک پرانی رسم ہے وہ رسم ہم ادا نہ کریں تو دریائے نیل کا پانی خشک ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ رسم کیا ہے؟ مصر والوں نے کہا وہ رسم یہ ہے جب اس (بونہ) مہینے کی بارہ تاریخ ہو جاتی ہے تو ہم ایک کنواری لڑکی کو تلاش کرتے ہیں جو اپنے ماں باپ کے پاس رہتی ہو۔ اس کے ماں باپ کو (بہت سا مال دے کر) راضی کرتے ہیں۔ پھر اس لڑکی کو سب سے عمدہ زیور اور کپڑے پہناتے ہیں اور پھر اسے دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا یہ کام اسلام میں نہیں ہو سکتا۔ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام غلط کاموں کو ختم کر دیتا ہے۔ وہ مصری لوگ بونہ مہینے میں وہاں ہی رہے دریائے نیل میں پانی بالکل نہیں تھا۔ بالآخر مصریوں نے مصر چھوڑ کر جانے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط میں یہ ساری تفصیل لکھ کر بھیجی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ لکھا کہ تم نے جو کیا وہ بالکل ٹھیک ہے اور میں اس خط کے ساتھ ایک پرچہ بھیج رہا ہوں اسے دریائے نیل میں ڈال دو۔ پھر آگے اور حدیث بھی ہے جیسے کہ تائیدات غیبیہ کے باب میں دریاؤں کے

منظر ہونے کے ذیل میں آئے گی۔ اس کے آخر میں یہ ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے وہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیا (یہ جمعہ کا دن تھا) ہفتے کے دن صبح کو لوگوں نے جاکر دیکھا تو وہ حیران رہ گئے کہ ایک ہی رات میں اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل میں سولہ ہاتھ پانی چڑھا دیا تھا اور یوں اللہ تعالیٰ نے مصر والوں کی اس غلط رسم کو ختم کرا دیا اور آج تک وہ رسم ختم ہے (اس کے بغیر ہی دریائے نیل میں مسلسل پانی چل رہا ہے) (اخرجہ ابن عساکر و ابو القاسم اللالکائی فی السنۃ)

حضرت سہم بن منجاب کہتے ہیں کہ ہم حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک غزوے میں گئے ہم چلتے چلتے دارین (جزیرے) کے پاس پہنچ گئے۔ ہمارے اور دارین والوں کے درمیان سمندر تھا حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی یا علیم یا حلیم یا علی یا عظیم ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے راستہ میں ہیں تیرے دشمن سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ اے اللہ! دشمن تک پہنچنے کا ہمارے لئے راستہ بنا دے۔ اس کے بعد حضرت علاء رضی اللہ عنہ ہمیں لے کر سمندر میں اتر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ گھس گئے لیکن سمندر کا پانی ہماری زین کے نمدوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم لوگ ان تک پہنچ گئے (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ ۱/۸)

حضرت معاویہ بن حرمل کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (مدینہ منورہ کے پتھریلے میدان) حرہ میں آگ لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ اٹھو اور اس آگ کا انتظام کرو۔ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المومنین! میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں؟ (تواضع کرنے لگے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور دونوں آگ کی طرف چل پڑے اور میں ان کے پیچھے چلنے لگا۔ وہاں پہنچ کر حضرت تمیم رضی اللہ عنہ آگ کو اپنے ہاتھ سے دھکا دیتے رہے کہ وہ آگ (اس) گھاٹی میں داخل ہو گئی (جس میں سے نکل کر آئی تھی) اور آگ کے پیچھے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ بھی گھاٹی کے اندر چلے گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ جس نے یہ منظر نہیں دیکھا وہ دیکھنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا (کیونکہ اسے دیکھ کر ایمان تازہ ہو گیا ہے) (اخرجہ ابو نعیم فی الدلائل ص ۲۱۲)

بحرین کے ایک صاحب ابو سکینہؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ

عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو (خندق کھودتے ہوئے) صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک چٹان آ گئی جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خندق کھودنے سے روک دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے ایک کنارے چادر رکھ کر کھڑے ہوئے اور کدال لے کر یہ آیت پڑھی۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورۃ انعام: ۱۱۵)

ترجمہ: ''اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں خوب جان رہے ہیں''۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے کدال چٹان پر ماری اس سے چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کدال مارنے کے ساتھ ایک چمک ظاہر ہوئی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی آیت پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ بھی ٹوٹ کر گر پڑا اور پھر دوبارہ ایک چمک ظاہر ہوئی جسے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ وہی آیت پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا آخری تیسرا حصہ بھی ٹوٹ کر گر پڑا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے باہر تشریف لائے اور اپنی چادر لے کر بیٹھ گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی چٹان پر چوٹ مارتے تو اس کے ساتھ ایک چمک ظاہر ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! کیا تم نے اسے دیکھ لیا؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے ہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے پہلی دفعہ چوٹ ماری تھی تو اس وقت کسریٰ کا شہر مدائن اور اس کے آس پاس کے علاقے اور بہت سارے شہر میرے سامنے ظاہر کر دیئے گئے جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہاں جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ!

آپ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ یہ تمام شہر فتح کر کے ہمیں دے دے اور ان کی اولاد کو ہمارے لئے مال غنیمت بنادے اور ان کے شہروں کو ہمارے ہاتھوں اجاڑ دے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اور فرمایا پھر میں نے دوسری مرتبہ چوٹ ماری تو قیصر کے شہر اور آس پاس کے علاقے میرے سامنے ظاہر کر دیئے گئے جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ یہ تمام علاقے فتح کر کے ہمیں دے دے اور ان کی اولاد کو ہمارے لئے مال غنیمت بنادے اور ان کے شہروں کو ہمارے ہاتھوں اجاڑ دے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اور فرمایا پھر میں نے تیسری مرتبہ چوٹ ماری تو حبشہ کے شہر اور اس کے آس پاس کے علاقے میرے سامنے ظاہر کئے گئے جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک حبشہ والے تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی انہیں چھوڑے رکھو اور جب تک ترک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی انہیں چھوڑے رکھو۔ یہ حکم شروع میں تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور ہر ملک میں جانے کا حکم آ گیا (اخرجہ النسائی)

ایمان کی حقیقت اور اس کا کمال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو وہاں حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پاؤں سے ہلایا اور فرمایا اپنا سر اٹھاؤ۔ انہوں نے سر اٹھا کر کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'اے حارث بن مالک! تم نے کس حال میں صبح کی؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے پکا سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر حق بات کی کوئی حقیقت ہوا کرتی ہے جو تم کہہ رہے ہو اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے اپنے آپ کو دنیا سے ہٹا لیا اور دن کو میں پیاسا رہتا ہوں یعنی روزہ رکھتا ہوں اور رات کو جاگتا ہوں اور مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں اپنے رب کے عرش

کو دیکھ رہا ہوں اور جنت والوں کو جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور جہنم والوں کو ایک دوسرے پر بھونکتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارا دل نورانی بنا دیا ہے اور تم نے (ایمان کی حقیقت کو) پہچان لیا ہے لہٰذا تم اس (ایمانی کیفیت) پر پکے رہو۔ (اخرجہ ابن عساکر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے آپ پر ایمان لانے کی حالت میں صبح کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بات کی سچائی کی کوئی دلیل ہوتی ہے اور ہر حق بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہاری بات کی سچائی کی کیا دلیل ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! جب بھی صبح ہوتی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں شام نہیں کر سکوں گا اور جب بھی شام ہوتی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں صبح نہیں کر سکوں گا اور جب بھی کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو یہ گمان کرتا ہوں کہ میں دوسرا قدم نہیں اٹھا سکوں گا اور گویا کہ میں ان تمام امتوں کی طرف دیکھ رہا ہوں جو گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی ہیں اور انہیں ان کے اعمال نامے کی طرف بلایا جا رہا ہے اور ان کے ساتھ ان کے نبی بھی ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہ بت بھی ہیں جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے اور گویا کہ میں جہنم والوں کی سزا اور جنت والوں کے اجر و ثواب کو دیکھ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے (ایمان کی حقیقت) پہچان لی اب اسی پر جمے رہنا۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ ۱/۲۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں قبیلہ بنو حارثہ کے حضرت حرملہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر ہاتھ سے زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! ایمان یہاں پر ہے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور یہاں نفاق ہے اور یہ دل اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات پھر دہرائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حرملہ کی زبان کا کنارہ

پکڑ کر کہا اے اللہ! اس کی زبان کو سچ بولنے والا اور اس کے دل کو منافقت سے پاک کرنے والا بنا دے اور اسے میری محبت نصیب فرما اور جو مجھ سے محبت کرے اس کی محبت بھی اسے نصیب فرما اور اس کے معاملے کو خیر کی طرف موڑ دے۔ حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے بہت سے بھائی منافق ہیں میں ان کا سردار تھا۔ کیا میں آپ کو ان کے نام نہ بتاؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی ہمارے پاس اس طرح آئے گا جس طرح تم ہمارے پاس آئے ہم اس کے لئے ایسے ہی استغفار کریں گے جیسے ہم نے تمہارے لئے کیا اور جو نفاق پر ہی ڈٹا رہے گا تو اللہ اس سے خود ہی نبٹ لیں گے۔ (اخرجہ ابو نعیم کذا فی الکنز ۱/ ۲۵۰)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہ جب بھی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تو قل ھو اللہ احد ضرور پڑھتا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ ان لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ چونکہ اس سورۃ میں رحمٰن کی صفات کا تذکرہ ہے اس لئے اس کا پڑھنا مجھے بہت پسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ص ۲۰۸ واخرجہ الشیخان عن عائشۃ کما فی البیہقی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ایک انگلی پر' زمینوں کو دوسری انگلی پر رکھا' پہاڑوں' درختوں' پانی اور گیلی مٹی کو تیسری انگلی پر اور باقی ساری مخلوق کو چوتھی انگلی پر رکھا اور اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ہلا کر فرماتے ہیں کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی عالم کی اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے اتنا ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت آخر تک پڑھی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (سورہ زمر ۶۸)

ترجمہ: ”اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہئے تھی' حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں۔ وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے۔“ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ۳۳۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ قیامت کے دن کافر کو کیسے منہ کے بل اٹھایا جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ذات نے اسے دنیا میں پاؤں کے بل چلایا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اسے قیامت کے دن منہ کے بل چلائے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ص ۳۵۶)

حضرت حذیفہ بن اسید رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر (اپنی قوم سے) کہا اے بنوغفار! تم بات کیا کرو اور قسم نہ کھایا کرو کیونکہ صادق مصدوق (یعنی جو خود بھی سچ بولتے تھے اور ان سے فرشتہ بھی سچ بات آکر کہتا تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے یہ بتایا ہے کہ (قیامت کے دن) لوگوں کو تین جماعتوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت تو سوار ہوگی اور یہ لوگ کھاتے پیتے اور کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے اور ایک جماعت پیدل بھاگ رہی ہوگی اور ایک جماعت کو فرشتے منہ کے بل گھسیٹ کر (جہنم کی) آگ کے پاس جمع کر رہے ہوں گے ان میں سے ایک آدمی نے پوچھا کہ دو جماعتوں کو تو ہم نے پہچان لیا ہے لیکن جو لوگ پیدل بھاگ رہے ہوں گے ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ سواری پر آفت ڈال دیں گے۔ اور ایک سواری بھی باقی نہ رہے گی یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس ایک پسندیدہ باغ ہوگا وہ یہ باغ دے کر پالان والی بوڑھی اونٹنی لینا چاہے گا لیکن وہ بھی اسے نہ مل سکے گی۔

(اخرجہ احمد کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/۶۵ واخرجہ الحاکم ۲/۵۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں بات کرنے لگا اور بات کرتے کرتے اس نے یوں کہہ

دیا جیسے اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے مجھے اللہ کے برابر بنا دیا ہے؟ بلکہ یوں کہو جیسے اکیلا اللہ چاہے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات کذا فی الکنز ۱/۱۴۰)

حضرت اوزاعی کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشیت کے بارے میں پوچھا (کہ کس کے چاہنے سے کام ہوتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کام تو اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ اس یہودی نے کہا کہ میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں (تو کھڑا ہو جاتا ہوں یعنی میرے چاہنے سے ہوا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بھی تمہارے کھڑے ہونے کو چاہ لیا تھا (اس لئے تم کھڑے ہو سکے) پھر اس یہودی نے کہا میں بیٹھنا چاہتا ہوں (تو بیٹھ جاتا ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے بھی تمہارے بیٹھنے کو چاہ لیا تھا۔ اس یہودی نے کہا میں کھجور کے اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں (تو کاٹ لیتا ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے چاہ لیا تھا کہ تم اس درخت کو کاٹ لو۔ اس یہودی نے کہا میں اس درخت کو باقی رکھنا چاہتا ہوں (تو وہ باقی رہ جاتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے چاہ لیا تھا کہ تم اسے باقی رکھو۔ حضرت اوزاعی کہتے ہیں کہ پھر حضرت جبرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دلیل بھائی جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھائی تھی یہی مضمون لے کر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (سورة حشر: ۵)

ترجمہ:۔ "جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا ہو سو (دونوں باتیں) اللہ ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تا کہ کافروں کو ذلیل کرے۔"

(اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات قال البیہقی ہذا وان کان مرسلا فقبلہ من الموصولات فی معناہ یؤکدہ انتہی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے آخری حصہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور فرمایا ہمارا پہرہ کون دے گا؟ میں نے عرض کیا میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تم تو سوتے رہ جاؤ گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم

ہی پہرہ دو چنانچہ میں پہرہ دینے لگا جب صبح صادق ہونے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوری ہوگئی اور مجھے نیند آگئی اور جب سورج کی گرمی ہماری پشتوں پر پڑی تب ہماری آنکھ کھلی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ایسے موقع پر جو کیا کرتے تھے وہ کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر فرمایا اگر اللہ چاہتے تو تم یوں سوتے نہ رہ جاتے اور تمہاری نماز قضا نہ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہارے بعد آنے والوں میں سے کوئی سوتا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کے لئے عملی نمونہ سامنے آجائے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ص ۱۰۹)

حضرت طارق بن شہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے آکر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ذرا یہ تو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (سورۃ آل عمران ۱۳۳)

ترجمہ:- "اور جنت جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین۔"

(جب سب جگہ جنت ہوگئی) تو پھر جہنم کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اسے جواب دو لیکن ان میں سے کسی کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا تم یہ بتاؤ کہ جب رات آکر ساری زمین پر چھا جاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟ اس یہودی نے کہا جہاں اللہ چاہتے ہیں وہاں چلا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسے ہی جہنم بھی وہاں ہے جہاں اللہ چاہتا ہے۔ اس پر اس یہودی نے کہا کہ اے امیر المومنین! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں بھی اسی طرح ہے جیسے آپ نے فرمایا۔ (اخرجہ عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن خسرو وھو لفظہ کذا فی الکنز ۱/ ۲۲۷)

حضرت جعفر بن محمدؒ اپنے والد (حضرت محمدؒ) سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک آدمی ہے جو مشیت اور ارادے کے بارے میں باتیں کرتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اے اللہ کے بندے! اللہ نے جیسے چاہا تمہیں ویسے پیدا کیا۔ یا جیسے تم نے چاہا (تمہیں ویسے پیدا کیا)؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جیسے

اللہ نے چاہا ویسے پیدا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب وہ چاہتا ہے تمہیں بیمار کرتا ہے یا جب تم چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب وہ چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر جب وہ چاہتا ہے تمہیں شفا دیتا ہے یا جب تم چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب وہ چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تم چاہتے ہو اللہ تمہیں وہاں داخل کرے گا یا جہاں وہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا جہاں وہ چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! اگر تم اس کے علاوہ کچھ اور کہتے تو میں تمہارے اس دو آنکھوں والے سر کو تلوار سے اڑا دیتا۔ (اخرجہ ابن ابی حاتم کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/۲۱۱)

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو کلاب میں صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے (وہاں جا کر صدقات وصول کر کے) ان ہی میں تقسیم کر دیئے اور (اپنے لئے) کوئی چیز نہ چھوڑی اور اپنا جو ٹاٹ لے کر گئے تھے اسے ہی اپنی گردن پر رکھے ہوئے واپس آئے تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ صدقات وصول کرنے والے اپنے گھر والوں کے لئے جو ہدیئے لایا کرتے ہیں اور آپ بھی وہ لائے ہیں؛ وہ کہاں ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے ساتھ (مجھے) دبا کر رکھنے والا ایک نگران تھا (اس لئے ہدیئے نہیں لا سکا) ان کی بیوی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں تو آپ امین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ دبا کر رکھنے والا ایک نگران بھیج دیا (وہ آپ کو امین نہیں سمجھتے) ان کی بیوی نے اپنے خاندان کی عورتوں میں اس کا بڑا شور مچایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی نگران بھیجا تھا؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اپنی بیوی سے معذرت کرنے کے لئے اور کوئی بہانہ نہ ملا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسے اور انہیں کوئی چیز دی اور فرمایا (یہ دے کر) اسے راضی کر لو۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نگران سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ (اخرجہ عبدالرزاق والحاکم فی امالیہ کذا فی الکنز ۷/۸۷)

حضرت علقمہؒ اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اس) کے پاس نماز پڑھنے لگی۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ جب سجدے میں گئی تو اس نے سجدے سے سر نہ اٹھایا بلکہ اسی حال میں مرگئی۔ حضرت عائشہ نے (اس کے یوں اچانک مر جانے پر) فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور (میرے بھائی) عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (کی اچانک موت) کے مسئلہ میں مجھے اس عورت کے اس قصہ سے بڑی عبرت ملی۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ دوپہر کو اپنی جگہ سوئے ہوئے تھے۔ جب لوگ انہیں جگانے لگے تو دیکھا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ (چنانچہ ان کو جلدی سے غسل دے کر دفن کر دیا گیا) اس سے میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ ان کے ساتھ شرارت کی گئی ہے اور زندہ تھے لیکن جلدی میں انہیں دفن کر دیا گیا ہے۔ اب جو میں نے اس عورت کو یوں ایک دم مرتے دیکھا اس سے مجھے بڑی عبرت ہوئی اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو میرا غلط خیال تھا وہ جاتا رہا۔ (اخرجہ الحاکم ۳/۴۷۶)

فرشتوں پر ایمان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے پانی کے خزانے پر فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے اس) فرشتے کے ہاتھوں میں ایک پیمانہ ہے اور اس پیمانے میں سے گزر کر ہی پانی کا ہر قطرہ زمین پر آتا ہے لیکن حضرت نوحؑ (کے طوفان) والے دن ایسا نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست پانی کو حکم دیا اور پانی کو سنبھالنے والے فرشتوں کو حکم نہ دیا جس پر وہ فرشتے پانی کو روکتے رہ گئے لیکن پانی نہ رکا بلکہ فرشتوں پر زور کر کے چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَآءُ (سورۃ حاقہ: ۱۱)

ترجمہ:۔ جب کہ (نوح علیہ السلام کے وقت میں) پانی کو طغیانی ہوئی۔"

اس فرمان کا مطلب یہی ہے کہ پانی (اللہ کا فرمانبردار تھا لیکن) فرشتوں پر سرکش ہو گیا تھا اور (اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہوا کے خزانے پر فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے) اس کے ہاتھ میں ایک پیمانہ ہے ہوا اس میں سے گزر کر زمین پر آتی ہے لیکن قوم عاد (کی ہلاکت) والے

دن ایمان ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو براہ راست (چلنے کا) حکم دیا اور ہوا کو سنبھالنے والے فرشتوں کو حکم نہ دیا اس پر وہ فرشتے ہوا کو روکتے رہ گئے لیکن ہوا زور کر کے چل پڑی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (سورۃ حاقہ: ۶) ایک تیز و تند ہوا" وہ ہوا ان فرشتوں کی نافرمان ہوگئی تھی۔ (اور اللہ کی فرمانبردار تھی) (اخرجہ ابن جریر کذا فی الکنز ۱/۳۷۳)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت بقیرہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے بلایا اس وقت وہ اپنے ایک بالا خانے میں تھے جس کے چار دروازے تھے اور مجھ سے کہا اے بقیرہ! ان دروازوں کو کھول دو کیونکہ آج میرے پاس کچھ ملنے والے آئیں گے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سے دروازے سے میرے پاس آئیں گے؟ پھر اپنا مشک منگوا کر مجھ سے کہا اسے ایک چھوٹے برتن میں پانی میں گھول کر لاؤ۔ میں گھول کر لے آئی تو مجھ سے کہا کہ یہ مشک والا پانی میرے بستر کے چاروں طرف چھڑک دو پھر نیچے چلی جاؤ اور وہاں تھوڑی دیر ٹھہری رہو پھر جب تم اوپر آؤ گی تو تم میرے بستر پر (کوئی چیز) دیکھو گی (چنانچہ میں نے ایسے ہی کیا اور) جب میں اوپر آئی تو دیکھا کہ ان کی روح پرواز کر چکی ہے اور وہ ایسے لگ رہے ہیں کہ جیسے وہ اپنے بستر پر سو رہے ہوں۔ (عند ابی سعد ایضا ۴/۹۲)

تقدیر پر ایمان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لئے بلایا گیا۔ میں نے کہا اس بچے کو خوشخبری ہو یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے اور اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ گناہ کا زمانہ اس نے پایا (یعنی بالغ نہیں ہوا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تم جو کچھ کہہ رہی ہو حق اس کے علاوہ کچھ اور ہے اللہ نے جنت کو پیدا فرمایا اور جنت کے لئے کچھ لوگ پیدا فرمائے اور ان کے جنت میں جانے کا فیصلہ اللہ نے اس وقت کیا جب کہ وہ اپنے باپ کی پشتوں میں تھے اور اللہ نے جہنم کی آگ کو پیدا کیا اور اس میں جانے کے لئے کچھ لوگوں کو پیدا کیا اور اللہ نے ان کے لئے جہنم کا فیصلہ اس وقت کیا جب کہ وہ اپنے باپ کی پشتوں میں تھے۔ (اخرجہ مسلم کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۲۶۸)

حضرت ولید بن عبادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں (اپنے والد) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔ وہ بیمار تھے۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ ان کا اس بیماری میں انتقال ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا اے ابا جان! ذرا کوشش فرما کر مجھے وصیت فرما دیں۔ انہوں نے فرمایا مجھے بٹھا دو جب لوگوں نے انہیں بٹھا دیا تو انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! تم ایمان کا ذائقہ اس وقت چکھ سکو گے اور اللہ کے علم کی حقیقت کے حق تک اس وقت پہنچ سکو گے جب تم اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لے آؤ گے۔ میں نے عرض کیا اے ابا جان! مجھے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کون سی تقدیر اچھی ہے اور کون سی بری ہے؟ انہوں نے فرمایا تم یہ سمجھ لو کہ جو اچھائی یا برائی تمہیں نہیں پہنچی وہ تمہیں پہنچنے والی نہیں تھی اور جو تمہیں پہنچی ہے وہ تمہیں چھوڑنے والی نہیں تھی۔ اے میرے بیٹے! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا پھر اس سے فرمایا لکھ چنانچہ اس نے اسی وقت وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ اے میرے بیٹے! اگر تم اس حال پر مرے کہ تمہارے دل میں یہ یقین نہ ہوا تو تم جہنم کی آگ میں داخل ہو جاؤ گے۔

(اخرجہ الامام احمد واخرجہ الترمذی عن الولید بن عبادۃ عن ابیہ وقال حسن صحیح غریب کما فی التفسیر لابن کثیر ۴/ ۲۶۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو وہ رونے لگے تو ان سے کسی نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! نہ تو میں موت سے گھبرا کر رو رہا ہوں اور نہ ہی دنیا کو پیچھے چھوڑ کر جانے کے غم میں رو رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (انسانوں کی) دو مٹھیاں ہیں ایک مٹھی جہنم کی آگ میں جائے گی اور دوسری جنت میں۔ اور مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں ان دونوں مٹھیوں میں سے کس میں ہوں؟ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے کہا کہ ایک آدمی ہمارے پاس آیا ہے جو تقدیر کو جھٹلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت نابینا ہو چکے تھے انہوں نے فرمایا مجھے اس کے پاس لے جاؤ۔ لوگوں نے کہا اے ابن عباس! آپ اس کے ساتھ کیا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر

وہ میرے قابو آ گیا تو میں اس کی ناک دانتوں سے اپنے کانوں کا ٹ دوں گا وہ کٹ کر الگ ہو جائے اور اگر اس کی گردن میرے قابو میں آ گئی تو میں اسے کچل دوں گا کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گویا کہ میں بنو فہر کی مشرک عورتوں کو خزرج کا طواف کرتے ہوئے اور ان کے سرین ہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور یہ (تقدیر کو جھٹلانا) اس امت کا پہلا شرک ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! پہلے تو یہ کہیں گے کہ شر اللہ کے مقدر کرنے سے نہیں ہے پھر ان کا یہ برا اور غلط خیال انہیں اس پر لے آئے گا کہ خیر بھی اللہ کے مقدر کرنے سے نہیں ہے۔ (اخرجہ احمد عن محمد بن عبید المکی)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک دوست شام کا رہنے والا تھا جس سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم تقدیر کے بارے میں کچھ اعتراض کرنے لگ گئے ہو خبردار! آئندہ مجھے کبھی خط نہ لکھنا کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلائیں گے۔ (اخرجہ احمد)

قیامت کی نشانیوں پر ایمان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (سورۃ مدثر: ۸)

ترجمہ: ''پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا۔'' نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زندگی آرام و راحت سے کیسے گزاروں جب کہ صور (پھونکنے) والا (فرشتہ) صور اپنے منہ میں رکھ چکا ہے اور وہ اپنی پیشانی جھکائے انتظار کر رہا ہے کہ کب اسے (اللہ کی طرف سے) حکم ملے اور وہ صور پھونک دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا پھر ہم کیا دعا کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو۔

''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا''

(اخرجہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی وابن مردویہ کذا فی الکنز ۷/۲۷۰)

حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا عراق میں خراسان نام کی کوئی جگہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا دجال وہاں سے نکلے گا۔ نعیم بن حماد نے فتن میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرو (شہر) کے یہودی فرقے میں سے دجال نکلے گا۔ (اخرجہ ابن ابی شیبہ کذا فی الکنز ۷/۲۶۳)

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں صبح کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا انہوں نے کہا آج رات مجھے صبح تک نیند نہیں آئی۔ میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا لوگ کہہ رہے تھے کہ دمدار ستارہ نکل آیا تو مجھے اس کا ڈر ہوا کہ یہ کہیں (وہ) دھواں نہ ہو (جسے قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا گیا ہے) اس وجہ سے مجھے صبح تک نیند نہیں آئی۔ (اخرجہ ابن جریر)

قبر اور عالم برزخ پر ایمان

حضرت عبادہ بن نسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میرے ان کپڑوں کو دھو کر مجھے ان ہی میں کفن دے دینا کیونکہ (مرنے کے بعد) تمہارے باپ کی دو حالتوں میں سے ایک حالت ضرور ہوگی۔ یا تو اسے اس سے بھی اچھے کپڑے (جنت کے) پہنائے جائیں گے یا یہ کفن کے کپڑے بھی بری طرح چھین لئے جائیں گے۔ (اخرجہ احمد فی الزہد کذا فی المنتخب ۴/۳۶۳)

حضرت یحییٰ بن ابی راشد نصری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے سے فرمایا اے میرے بیٹے! جب مجھے موت آنے لگے تو میرے جسم کو (دائیں پہلو کی طرف) موڑ دینا اور اپنے دونوں گھٹنے میری کمر کے ساتھ لگا دینا اور اپنا دایاں ہاتھ میری پیشانی پر اور بایاں ہاتھ میری ٹھوڑی پر رکھ دینا اور جب میری روح نکل جائے تو میری آنکھیں بند کر دینا اور مجھے درمیانے قسم کا کفن پہنانا کیونکہ اگر مجھے اللہ کے ہاں خیر ملی تو پھر اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بہتر کفن دے دیں گے اور اگر میرے ساتھ کچھ اور ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کفن کو مجھ سے جلدی چھین لیں گے اور میری قبر درمیانی قسم کی بنانا کیونکہ اگر مجھے اللہ کے ہاں خیر ملی تو پھر تو قبر کو حد نگاہ کشادہ کر دیا جائے گا اور اگر

معاملہ اس کے خلاف ہوا تو پھر قبر میرے لئے اتنی تنگ کر دی جائے گی کہ میری پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔ میرے جنازے کے ساتھ کوئی عورت نہ جائے اور جو خوبی مجھ میں نہیں ہے اسے مت بیان کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے تم لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور جب تم میرے جنازے کو لے کر چلو تو تیز چلنا کیونکہ اگر مجھے اللہ کے ہاں سے خیر ملنے والی ہے تو تم مجھے اس خیر کی طرف لے جا رہے ہو (اس لئے جلدی کرو) اور اگر معاملہ اس کے خلاف ہے تو تم ایک شر کو اٹھا کر لے جا رہے ہو اسے اپنی گردن سے جلد اتارو۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت خالد بن ربیعؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیماری بڑھی تو یہ خبر ان کی جماعت اور انصار تک پہنچی یہ لوگ آدھی رات کو یا صبح کے قریب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے (میں بھی ان کے ساتھ تھا) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اب کیا وقت ہے؟ ہم نے عرض کیا آدھی رات ہے یا صبح کے قریب۔ انہوں نے فرمایا میں جہنم کی صبح سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ کیا تم لوگ میرے کفن کے لئے کچھ لائے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! انہوں نے فرمایا کفن مہنگا نہ بنانا کیونکہ اگر اللہ کے ہاں میرے لئے خیر ہوئی تو مجھے اس کفن سے بہتر کپڑا مل جائے گا اور اگر دوسری صورت ہوئی تو یہ کفن مجھ سے جلدی چھین لیا جائے گا۔ (اخرجہ البخاری فی الادب ص ۷۲)

حضرت ضحاک بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے جوانوں کو بلا کر ان سے کہا جاؤ اور میرے لئے خوب گہری اور چوڑی قبر کھودو۔ وہ گئے اور واپس آ کر انہوں نے کہا کہ ہم خوب چوڑی اور گہری قبر کھود آئے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! قبر میں دو قسم کے حالات میں سے ایک طرح کے حالات ضرور پیش آئیں گے یا تو میری قبر کو اتنا کشادہ کر دیا جائے گا کہ اس کا ہر کونہ چالیس ہاتھ لمبا ہو جائے گا۔ پھر میرے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور میں اس میں سے اپنی بیویوں محلات اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے اکرام و اعزاز کے لئے وہاں تیار رکھا ہے وہ سب کچھ دیکھوں گا اور آج مجھے جتنا اپنے گھر کا راستہ آتا ہے اس سے زیادہ مجھے اس ٹھکانے کا راستہ آتا ہوگا اور قبر سے اٹھائے جانے تک جنت کی ہوا اور راحت کا سامان مجھ تک پہنچتا رہے گا اور اگر خدانخواستہ دوسری حالت ہوئی اور

اس سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں تو میری قبر کو مجھ پر اتنا تنگ کر دیا جائے گا کہ جیسے نیزے کی لکڑی نیزے کے پھل میں تنگ ہوتی ہے وہ قبر اس سے بھی زیادہ تنگ ہوگی۔ پھر میرے لئے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور میں اس میں سے اپنی زنجیروں بیڑیوں اور جہنم کے قیدی ساتھیوں کو دیکھوں گا اور آج مجھے جتنا اپنے گھر کا راستہ آتا ہے اس سے زیادہ مجھے جہنم میں اپنے ٹھکانے کا راستہ آتا ہوگا اور قبر سے اٹھائے جانے تک جہنم کی گرم ہوا اور گرم پانی کا اثر مجھ تک پہنچتا رہے گا۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۲۶۲/۱)

آخرت پر ایمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں اور آخرت کی فکر والے بن جاتے ہیں لیکن جب ہم آپ سے جدا ہو جاتے ہیں تو ہمیں دنیا اچھی لگنے لگتی ہے اور بیویوں اور بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس جس حالت پر ہوتے ہو اگر تم ہر وقت اس حالت پر رہو تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرنے لگیں اور تمہارے گھروں میں تم سے ملنے آئیں اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جو گناہ کریں گے (اور استغفار کریں گے) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ؟ ہمیں جنت کے بارے میں بتائیں کہ اس کی عمارت کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔ اس کا گارا خوب مہکتے ہوئے مشک کا ہے۔ اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو جنت میں جائے گا وہ ہمیشہ عیش و عشرت میں رہے گا کبھی بدحال نہ ہوگا اور ہمیشہ رہے گا۔ کبھی اسے موت نہیں آئے گی اور نہ ہی اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ کبھی اس کی جوانی ختم ہوگی۔

تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ ایک عادل بادشاہ دوسرا روزہ دار جب تک روزہ نہ کھول لے تیسرے مظلوم کی بددعا جسے بادلوں سے اوپر اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں میری عزت کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ اس میں کچھ دیر ہو جائے۔ (اخرجہ احمد و روی الترمذی و ابن ماجہ بعضہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے اور فصیح و بلیغ گفتگو کرتے ہوئے سنا تو فرمایا اے انس! مجھے ان کی باتوں سے کیا تعلق؟ آ ؤ ہم اپنے رب کا ذکر کریں کیونکہ یہ لوگ تو اپنی زبان سے کھال ہی اتار دیں گے۔ پھر مجھ سے فرمایا اے انس! کس چیز نے ان لوگوں کو آخرت سے پیچھے کر دیا اور کس چیز نے انہیں آخرت سے روک دیا؟ میں نے عرض کیا خواہشات نے اور شیطان نے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔ اللہ کی قسم! نہیں بلکہ انہوں نے اس وجہ سے آخرت کو چھوڑ دیا کہ دنیا تو سامنے ہے اور آخرت بعد میں آئے گی۔ اگر یہ آنکھوں سے آخرت دیکھ لیتے تو اس سے نہ ہٹتے اور شک نہ کرتے۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ ۱/۲۵۹)

قیامت اور اس کے احوال پر ایمان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ سے لے کر وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ تک دو آیتیں نازل ہوئیں۔ (سورۃ حج: ۲،۱)

ترجمہ: "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔ جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے تمام دودھ پلانے والیاں (مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (دن پورے ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ (واقع میں) نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز"۔

تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم (علیہ السلام) سے فرمائیں گے آگ میں جانے والوں کو بھیج دو۔ وہ عرض کریں گے اے میرے رب! آگ میں جانے والے کتنے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نو سو ننانوے تو آگ میں جائیں گے اور ایک آدمی جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر سارے مسلمان رونے لگ

پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میانہ روی اختیار کرو اور ٹھیک ٹھیک چلتے رہو۔ ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا زمانہ ہوا کرتا تھا تو پہلے یہ تعداد ان جاہلیت والوں سے پوری کی جائے گی پھر منافقوں سے پوری کی جائے گی۔ تمہاری اور باقی تمام امتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جانور کے پاؤں میں ابھری ہوئی غدود ہو یا جیسے اونٹ کے پہلو میں تل ہو۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ آپ لوگ جنت میں جانے والوں میں سے چوتھائی ہوں گے۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ اکبر کہا پھر فرمایا مجھے امید ہے آپ لوگ جنت میں جانے والوں کا تہائی حصہ ہوں گے اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ آپ لوگ جنت میں جانے والوں میں سے آدھے ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تہائی بھی فرمایا یا نہیں (لیکن طبرانی اور ترمذی کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہ امت جنت والوں کا دو تہائی ہو گی یعنی اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امید سے زیادہ کر دیا۔ (اخرجہ الترمذی وصححہ وکذا رواہ الامام احمد وابن ابی حاتم۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۝ (سورۃ زمر: ۳۰،۳۱)

ترجمہ: ”آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے (اس وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا)۔“

تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خاص خاص گناہوں کے ساتھ ہم پر وہ جھگڑے بھی بار بار پیش کئے جائیں گے جو دنیا میں ہمارے آپس میں تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! یہ مقدمات بار بار پیش کئے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ ہر حق والے کو اس کا حق مل جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم پھر تو معاملہ بہت سخت ہے۔ (عند احمد ورواہ الترمذی)

حضرت قیس بن ابی حازمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے کہ اتنے میں رونے لگے پھر ان کی بیوی بھی رونے لگی۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا میں نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا اس لئے میں بھی رونے لگی۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (سورۃ مریم: ۷۱)

ترجمہ۔ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس (جہنم) پر سے گزر نہ ہو"۔

اب مجھے معلوم نہیں میں جہنم سے نجات پا سکوں گا یا نہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اس وقت بیمار تھے۔ (اخرجہ عبدالرزاق کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/۱۳۲)

شفاعت پر ایمان

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر شب میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم میں سے ہر آدمی اپنے کجاوے کی جھٹی کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گیا کچھ دیر بعد میری آنکھ کھلی تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کجاوے کے پاس نظر نہ آئے۔ اس سے میں گھبرا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے چل پڑا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک جگہ مجھے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ملے۔ وہ دونوں بھی اسی وجہ سے گھبرائے ہوئے تھے جس وجہ سے میں گھبرایا ہوا تھا۔ ہم لوگ یونہی ڈھونڈ رہے تھے کہ اچانک ہمیں وادی کے اوپر کے حصہ سے چکی چلنے جیسی آواز سنائی دی۔ (ہم لوگ اس آواز کی طرف گئے تو دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں) پھر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بات بتائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے دو باتوں میں اختیار دیا کہ یا تو میں شفاعت کروں یا میری آدھی امت جنت میں چلی جائے۔ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اللہ کا اور آپ کی صحبت میں رہنے کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمیں بھی اپنی شفاعت والوں میں شامل کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لوگ تو میری شفاعت میں ہو ہی پھر ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ ہم لوگوں کے پاس پہنچ گئے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ نہ پا کر

گھبرائے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے ان باتوں میں اختیار دیا کہ یا تو میں شفاعت اختیار کروں یا میری آدھی امت جنت میں داخل ہو جائے چنانچہ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمیں بھی اپنی شفاعت والوں میں شامل کر لیں۔ جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا میں تمام حاضرین کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت میری امت میں سے ہر اس آدمی کے لئے ہے جو اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ (اخرجہ البغوی وابن عساکر کذا فی الکنز ۷/۲۷۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے بہترین آدمی ہوں تو قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ اپنی امت کے بروں کے لئے ایسے ہیں تو ان کے نیکوں کے لئے کیسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے نیک لوگ اپنے اعمال کی برکت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور میری امت کے برے لوگ میری شفاعت کا انتظار کریں گے۔ غور سے سنو! میری شفاعت قیامت کے دن میری امت کے تمام لوگوں کے لئے ہوگی سوائے اس آدمی کے جو میرے صحابہ میں کمی نکالتا ہو۔ (اخرجہ الشیرازی فی الالقاب وابن النجار کذا فی الکنز ۷/۲۷۲)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے پکار کر پوچھے گا اے محمد! کیا تم راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا جی ہاں میں راضی ہو گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر) فرمایا تم عراق والے یہ کہتے ہو کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید والی آیت یہ ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (سورۂ زمر: ۵۳)

ترجمہ:۔ ”آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر وشرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے“۔

میں نے کہا ہم تو یہی کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب میں سب سے زیادہ امید والی آیت یہ ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (سورۃ ضحی:۵)

ترجمہ:۔ ”اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ خوش ہوجائیں گے“۔

اور اس دینے سے مراد شفاعت ہے۔ (اخرجہ ابن مردویہ کذا فی الکنز ۱؍۳۰۷)

حضرت طلق بن حبیبؒ کہتے ہیں کہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ شفاعت کو جھٹلایا کرتا تھا یہاں تک کہ ایک دن میری ملاقات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور (اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے) میں نے ان کو وہ تمام آیتیں پڑھ کر سنادیں جو مجھے آتی تھیں اور جن میں اللہ تعالیٰ نے جہنم والوں کے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے طلق! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھ سے زیادہ اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے ہو اور مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے والے ہو؟ تم نے جو آیتیں پڑھی ہیں ان سے مراد تو وہ جہنم والے ہیں جو مشرک ہوں اور شفاعت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو (مسلمان تھے لیکن وہ) بہت سے گناہ کر بیٹھے اور انہیں (جہنم میں) عذاب دیا جائے گا پھر ان کو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر) جہنم سے نکالا جائے گا۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کو لگا کر کہا یہ دونوں کان بہرے ہوجائیں اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو کہ جہنم میں ڈالنے کے بعد ان کو اس میں سے نکالا جائے گا جیسے تم قرآن پڑھتے ہو ہم بھی ویسے ہی پڑھتے ہیں۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

جنت اور جہنم پر ایمان

حضرت حنظلہ کاتب اسیدی رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمارے سامنے جنت اور جہنم کا ذکر اس طرح فرمایا کہ گویا ہم دونوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پھر میں اٹھ کر بیوی بچوں کے پاس چلا گیا اور ان کے ساتھ ہنسنے کھیلنے لگ گیا پھر مجھے وہ حالت یاد آ گئی جو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) ہماری تھی (کہ ہم دنیا بھولے ہوئے تھے اور جنت اور جہنم آنکھوں کے سامنے تھیں اور اب وہ نہ رہی تھیں) یہ سوچ کر میں باہر نکلا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ملے۔ میں نے کہا اے ابوبکر! میں تو منافق ہو گیا۔ انہوں نے کہا کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے جنت اور جہنم کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں کہ گویا ہم دونوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر آ جاتے ہیں اور بیوی بچوں اور کام کاج میں لگ جاتے ہیں تو ہم (جنت جہنم سب) بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارا بھی یہی حال ہے۔ پھر میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ ساری بات کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حنظلہ! تمہاری جو حالت میرے پاس ہوتی ہے وہی اگر گھر والوں کے پاس جا کر بھی رہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہ! بات یہ ہے کہ گاہے گاہے گاہے۔ (اخرجہ الحسن بن سفیان وابونعیم کذا فی الکنز ۱/۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاگ کر گزاری اور صبح ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات مجھے خواب میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی تابعدار امتیں دکھائی گئیں۔ ایک ایک نبی میرے پاس سے گزرتا تھا کوئی نبی ایک جماعت میں ہوتا کسی کے ساتھ تین آدمی ہوتے، کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ (سورۃ ھود: ۷۸)

ترجمہ: "کیا تم میں کوئی بھی (معقول آدمی اور) بھلا مانس نہیں"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے پاس سے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں

نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی حضرت موسیٰ بن عمران اور ان کے تابعدار امتی ہیں۔ میں نے عرض کیا اے میرے رب! میری امت کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنی دائیں طرف ٹیلوں میں دیکھو میں نے وہاں دیکھا تو بہت سے آدمیوں کے چہرے نظر آئے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب اپنی بائیں طرف آسمان کے کنارے میں دیکھو میں نے وہاں دیکھا تو بہت سے آدمیوں کے چہرے نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے ساتھ ستر ہزار اور بھی ہیں جو جنت میں حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔ پھر قبیلہ بنو اسد کے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جو کہ بدری تھے وہ کہنے لگے اے اللہ کے نبی! اللہ سے میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ! اسے ان میں شامل فرما دے۔ پھر ایک اور آدمی نے کہا اے اللہ کے نبی! اللہ سے دعا کریں اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دعا میں عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اگر تم ستر ہزار والوں میں سے ہو سکتے ہو تو ان میں سے ضرور ہو جاؤ۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو تم ٹیلوں والوں میں سے ہو جاؤ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر ان میں سے ہو جاؤ جن کو میں نے آسمان کے کنارے میں دیکھا تھا کیونکہ میں نے ایسے بہت سے آدمی دیکھے ہیں جن کے حالات ان تین قسم کے انسانوں کے خلاف ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں کا چوتھائی حصہ ہو گے اس پر ہم نے اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں کا تہائی حصہ ہو گے۔ ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنت والوں میں آدھے ہو گے۔ ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ (سورۃ واقعہ: ۳۹، ۴۰)

ترجمہ: (اصحاب الیمین) کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا"۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آپس میں یہ بات کرنے لگے کہ یہ ستر ہزار کون

ہیں؟ ہم نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے زندگی میں کبھی شرک نہیں کیا۔ ہوتے ہوتے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ تو وہ لوگ ہیں جو (علاج کے لئے) جسم پر داغ نہیں لگائیں گے اور کبھی منتر نہیں پڑھیں گے اور نہ کبھی بدفالی لیں گے اور اپنے رب پر توکل کریں گے (اخرجہ ابن ابی حاتم وکذا رواہ ابن جریر)

حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیہاتی لوگوں کے سوالات سے بڑا نفع پہنچاتے ہیں چنانچہ ایک دن ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک ایسے درخت کا ذکر کیا ہے جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے؟ اس نے کہا بیری کا درخت کیونکہ اس میں تکلیف دہ کانٹے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔

فِىْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (سورۃ واقعہ: ۲۸)

ترجمہ: ''وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے دور کر دیئے ہیں اور ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دیا ہے۔ اس درخت میں ایسے پھل لگیں گے کہ ہر پھل میں بہتر (۷۲) قسم کے ذائقے ہوں گے اور ہر ذائقہ دوسرے سے مختلف ہوگا۔ (اخرجہ ابن المبارک)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کا ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو شکل و صورت، رنگ اور نبوت کی وجہ سے ہم پر فضیلت حاصل ہے ذرا یہ بتائیں کہ اگر میں ان چیزوں پر ایمان لے آؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور وہ تمام عمل کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں تو کیا میں بھی جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالکل ضرور۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کالے حبشی کی سفیدی جنت میں ہزار سال کی مسافت سے نظر آئے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے وہ اللہ کی ذمہ داری میں آ جاتا ہے اور جو سبحان اللہ و بحمدہ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک آدمی نے کہا یا رسول

اللہ اس کے بعد ہم کیسے ہلاک ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی اتنے اعمال لے کر آئے گا کہ اگر وہ اعمال کسی پہاڑ پر رکھ دیئے جائیں تو پہاڑ کو بھاری لگنے لگیں۔ پھر ان اعمال کے مقابلہ میں اللہ کی نعمتیں آئیں گی اور وہ ان سارے اعمال کو ختم کرنے کے قریب ہوں گی۔ البتہ اگر اللہ اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے تو اس کے اعمال بچ سکیں گے اور جب یہ آیت هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ سے لے کر مُلْكًا كَبِيْرًا تک نازل ہوئی۔ (سورۃ دھر: ۱ تا ۲۰)

ترجمہ: ''بے شک انسان پر زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا)'' تو اس حبشی نے کہا میری آنکھیں بھی وہ سب کچھ جنت میں دیکھیں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں دیکھیں گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اسے سن کر (خوشی کے مارے) وہ رونے لگا اور اتنا رویا کہ اس کی جان نکل گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اتار رہے تھے۔ (اخرجہ الطبرانی کذافی التفسیر لابن کثیر ۴/ ۴۵۵)

حضرت ابو مطر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ابو لولوہ نے زخمی کیا تو میں ان کے پاس گیا وہ رو رہے تھے میں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آسمان کے فیصلے کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے جنت میں لے جایا جائے گا یا جہنم میں؟ میں نے ان سے کہا آپ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت ہو کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار دفعہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابوبکر و عمر جنت کے بڑی عمر کے لوگوں کے سردار ہیں اور دونوں بہت عمدہ آدمی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے علی! کیا تم میرے جنتی ہونے کے گواہ ہو؟ میں نے کہا جی ہاں اور اے حسن! تم اپنے باپ کے گواہ بننا کہ حضور نے فرمایا کہ عمر جنت والوں میں سے ہے۔ (اخرجہ ابن عساکر کذافی المنتخب ۴/ ۴۳۸)

حضرت مصعب بن سعد کہتے ہیں جب میرے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کی جان نکل رہی تھی۔ ان کا سر میری گود میں تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں روتے ہو؟ میں نے

کہا آپ کے مقام کی وجہ سے اور آپ کو مرتے ہوئے دیکھ کر رو رہا ہوں۔ میرے والد نے مجھے کہا مت روئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی عذاب نہیں دیں گے اور میں یقیناً جنت والوں میں سے ہوں اور مومن بندے جب تک اللہ کے لئے عمل کریں گے اللہ ان کی نیکیوں کا بدلہ دے گا اور کفار کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور مومنین کے وہ عمل جو انہوں نے اللہ کے لئے کئے تھے جب وہ ختم ہو جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا جس کے لئے عمل کیا تھا ہر ایک اس کا ثواب بھی اسی سے لے لے۔ (اخرجہ ابن سعد ۳/ ۱۴۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگے۔ ان سے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ موت سے گھبرا رہے ہیں؟ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں اللہ کی قسم! نہیں۔ (موت کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں) بلکہ موت کے بعد جو حالات آنے والے ہیں ان کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ نے تو خیر کا زمانہ گزارا ہے پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہیں یاد کرانے لگے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۔ آپ نے شام میں بڑی فتوحات حاصل کی ہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ان سب سے افضل چیز کو تو چھوڑ دیا اور وہ ہے کلمہ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ پھر آگے حدیث کو مختصر ذکر کیا اور اس کے آخر میں یہ مضمون ہے کہ جب میں مر جاؤں تو کوئی عورت مجھ پر بین نہ کرے اور نہ کوئی تعریف کرنے والا میرے جنازے کے ساتھ جائے اور نہ (جاہلیت کے دستور کے مطابق) میرے جنازے کے ساتھ آگ ہو۔ اب میری لنگی اچھی طرح مضبوطی سے باندھ دو کیونکہ (جان نکالتے وقت) فرشتے مجھ سے جھگڑا کریں گے (تو کہیں اس حالت میں ستر نہ کھل جائے) اور میرے اوپر دونوں طرف اچھی طرح مٹی ڈالنا کیونکہ میرا دایاں پہلو بائیں پہلو سے زیادہ مٹی کا حقدار نہیں ہے اور میری قبر میں کوئی لکڑی اور پتھر استعمال نہ کرنا (تاکہ قبر شاندار نہ بنے) (اخرجہ احمد کذا فی البدایہ ۸/ ۲۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں جہنم کو یاد کر کے رونے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا میں جہنم کو یاد کر کے رو رہی ہوں۔ کیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین جگہوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا ایک تو اعمال کے ترازو کے پاس جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کا ترازو (نیک اعمال کی وجہ سے) ہلکا ہو گا یا (گناہوں کی وجہ سے) بھاری۔ دوسرے اعمال نامے ملنے کے وقت۔ جسے دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو یہاں تک کہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں آئے گا یا بائیں میں اور (سامنے سے ملے گا) یا پشت کے پیچھے سے تیسرے پل صراط کے پاس۔ جب پل صراط جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا اس کے دونوں کنارے پر بہت سارے آنکڑے اور کانٹے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہیں گے ان آنکڑوں اور کانٹوں میں پھنسا کر روک لیں گے یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے نجات پاتا ہے یا نہیں۔ (اخرجہ الحاکم ۴/ ۵۷۸)

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ (سورۃ تحریم: ۶)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں“۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بڑے میاں بھی تھے۔ بڑے میاں نے کہا یا رسول اللہ! جہنم کے پتھر دنیا کے پتھر جیسے ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جہنم کی چٹانوں میں سے ایک چٹان دنیا کے تمام پہاڑوں سے زیادہ بڑی ہے۔ یہ سن کر وہ بڑے میاں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ زندہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکار کر کہا اے بڑے میاں! لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔ اس نے کلمہ پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنت کی بشارت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یہ بشارت ہم میں سے صرف اسی کے لئے ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ذَٰلِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ (سورۃ ابراھیم: ۱۴)

ترجمہ: "یہ ہر اس شخص کے لئے (عام) ہے جو میرے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔" (اخرجہ ابن ابی حاتم ھذا حدیث مرسل غریب کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۳۹۱ و اخرج الحاکم بمعناہ مختصرا من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و صححہ کما تقدم فی الخوف)

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین و ایمان

حضرت نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّومُ ﴿٢﴾ فِيٓ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّنۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ﴿٣﴾ فِي بِضْعِ سِنِينَ (سورۃ روم: ۱ تا ۴)

ترجمہ: "الم۔ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہوئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آ جائیں گے"۔

تو اس وقت فارس والے روم والوں پر غالب آئے ہوئے تھے اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ روم والے فارس والوں پر غالب آ جائیں کیونکہ مسلمان اور روم والے اہل کتاب تھے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (سورۃ روم: ۴-۵)

ترجمہ: "اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے (اور) رحیم ہے۔"

اور قریش چاہتے تھے کہ فارس والے روم والوں پر غالب رہیں کیونکہ قریش اور فارس والے دونوں نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ کے مختلف علاقوں میں جا کر بلند آواز سے یہ آیت پڑھنے لگے تو قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ آیت ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی آپ کے حضرت یہ کہتے ہیں روم والے فارس والوں پر تین سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آ جائیں گے۔ کیا ہم آپ کے ساتھ اس بات پر شرط نہ لگا لیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے اور یہ شرط لگانے کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مشرکوں نے شرط لگائی اور ہارنے پر جو چیز دینی پڑے گی اسے طے کیا اور مشرکوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا

آپ تین سال سے لے کر نو سال تک کی مدت میں سے کتنے سال طے کرتے ہیں؟ آپ ہمارے اور اپنے درمیان کوئی مدت طے کردیں تاکہ اس کے پورا ہونے پر پتہ چلے کہ شرط میں کون ہارتا ہے اور کون جیتتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چھ سال متعین کر دیئے۔ پھر چھ سال گزرنے پر بھی رومی لوگ غلبہ نہ پا سکے تو مشرکین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شرط لگائی ہوئی چیز لے لی۔ پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو روم والے فارس والوں پر غالب آ گئے۔ مسلمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر چھ سال مقرر کرنے پر اب اعتراض کرنے لگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ کہا تھا کہ تین سال سے نو سال کے اندر اندر۔ جب نو سال سے پہلے پہلے روم والوں نے فارس والوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ (اخرجہ الترمذی)

حضرت کعب بن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اہل حیرہ کے وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اسلام پیش کیا۔ ہم مسلمان ہو گئے اور حیرہ واپس آ گئے۔ چند دن گزرے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر آ گئی جس سے میرے ساتھی تو شک میں پڑ گئے اور کہنے لگے اگر وہ نبی ہوتے تو ان کا انتقال نہ ہوتا۔ میں نے کہا نہیں۔ ان سے پہلے اور انبیاء کا بھی تو انتقال ہو چکا ہے۔ میں اسلام پر پکا رہا پھر میں مدینہ کے ارادے سے چل پڑا۔ راستے میں میرا گزر ایک راہب کے پاس سے ہوا۔ ہم اس سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ میں نے جا کر اسے کہا جس کام کا میں نے ارادہ کیا ہے اس کے بارے میں بتاؤ۔ اس بارے میں میرے دل میں کچھ کھٹک سی ہے۔ اس راہب نے کہا اپنے نام کی کوئی چیز لاؤ۔ میں ٹخنے کی ہڈی لایا (عربی میں ٹخنے کی ہڈی کو کعب کہتے ہیں اور ان کا نام بھی کعب تھا) اس نے کچھ بال نکالے اور کہا اس ہڈی کو ان بالوں میں ڈال دو۔ میں نے وہ ہڈی ان بالوں میں ڈال دی تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اسی صورت میں نظر آئے جس میں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا منظر بھی سارا اسی طرح نظر آیا جس طرح ہوا تھا (بظاہر جادو کے زور سے یہ سب کچھ نظر آیا) اس سے میرے ایمان کی بصیرت اور بڑھ گئی۔ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا قصہ سنایا اور میں ان کے پاس ٹھہر

گیا۔ پھر انہوں نے مجھے (اسکندریہ کے بادشاہ) مقوقس کے پاس بھیجا وہاں سے واپس آیا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے مقوقس کے پاس بھیجا اور جنگ یرموک کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط لے کر مقوقس کے پاس پہنچا مجھے جنگ یرموک کی اس وقت تک خبر نہیں تھی۔ مقوقس نے کہا مجھے پتہ چلا ہے کہ رومیوں نے عربوں کو قتل کر دیا ہے اور انہیں شکست دے دی ہے۔ میں نے کہا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا کیوں؟ میں نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کریں گے اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ اس پر اس نے کہا اللہ کی قسم! عربوں نے رومیوں کو ایسے قتل کیا ہے جیسے قوم عاد کو قتل کیا گیا تھا اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ کہا۔ پھر اس نے مجھ سے بڑے بڑے صحابہ کے بارے میں پوچھا اور مجھے ان کے لئے ہدیے دیئے۔ میں نے کہا اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک اور صلہ رحمی کرو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں تجارت وغیرہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا شریک تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عطایا کا رجسٹر بنایا تو مجھے (اپنے خاندان) بنو عدی بن کعب میں شمار کر کے میرا بھی حصہ مقرر کیا۔ (اخرجہ البغوی)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی خبر دی ہے ان پر ایمان ویقین

حضرت عمرو بن خزیمہ بن ثابتؓ اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی آدمی سے گھوڑا خریدا اور اسے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا تاکہ اسے گھوڑے کی قیمت دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیز تیز چلتے ہوئے آگے نکل گئے۔ وہ دیہاتی آہستہ آہستہ چل رہا تھا لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گھوڑا خرید لیا ہے اس لئے لوگ اس سے اس گھوڑے کا سودا کرنے لگے۔ ہوتے ہوتے ایک آدمی نے اس گھوڑے کی قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لگا دی تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر کہا اگر آپ یہ گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں

تو خرید لیں ورنہ میں اسے بیچنے لگا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دیہاتی کی یہ بات سنی تو رک گئے۔ جب دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کیا میں نے تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں لیا؟ اس نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ کو یہ گھوڑا نہیں بیچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ دیہاتی آپس میں بات کرنے لگے تو دونوں کے گرد لوگ جمع ہو گئے۔ پھر وہ دیہاتی کہنے لگا آپ اپنا کوئی گواہ لائیں جو اس بات کی گواہی دے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ یہ گھوڑا بیچا ہے جو بھی مسلمان وہاں آتا وہ اس دیہاتی کو یہی کہتا تیرا ناس ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ صرف حق بات ہی کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دیہاتی کی گفتگو کو سنا۔ اور دیہاتی کہہ رہا تھا آپ اپنا کوئی گواہ لائیں جو اس بات کی گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ یہ گھوڑا بیچا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میں اس بنیاد پر گواہی دے رہا ہوں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مانتا ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دی۔ (اخرجہ ابن سعد ۴/ ۳۷۸)

حضرت محمد بن عمارہ بن خزیمہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خزیمہ! تم تو ہمارے ساتھ نہیں تھے تو تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب میں آپ کو آسمان کی باتوں میں سچا مانتا ہوں تو آپ یہ جو بات کہہ رہے ہیں اس میں آپ کو سچا کیسے نہ مانوں؟ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دے دی۔ (عند ابن سعد ایضا ۴/ ۳۷۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تو لوگ اس بارے میں باتیں کرنے لگے اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پر ایمان لائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے تھے ان میں سے کچھ لوگ مرتد ہو گئے۔ پھر یہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا آپ کا اپنے حضرت کے بارے میں کیا خیال ہے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا انہوں نے یہ بات کہی ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو بالکل سچ ہے۔ لوگوں نے کہا تو کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے تھے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں! میں تو اس سے بھی زیادہ بعید نظر آنے والے امور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں وہ صبح اور شام جو آسمان کی خبریں بتاتے ہیں میں ان میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق رکھا گیا۔ (اخرجہ البیہقی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک سال ٹڈیاں کم ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹڈیوں کے بارے میں بہت پوچھا لیکن کہیں سے کوئی خبر نہ ملی تو وہ اس سے بہت پریشان ہوئے چنانچہ انہوں نے ایک سوار ادھر یعنی یمن بھیجا اور دوسرا شام تیسرا عراق بھیجا تاکہ یہ سوار پوچھ کر آئیں کہ کہیں ٹڈی نظر آئی ہے یا نہیں۔ جو سوار یمن گیا تھا وہ وہاں سے ٹڈیوں کی ایک مٹھی لایا اور لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں دیکھا تو تین دفعہ اللہ اکبر کہا پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے۔ چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی میں اور ان میں سے سب سے پہلے ٹڈی ختم ہو گی۔ جب ٹڈیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر اور مخلوق بھی ایسے آگے پیچھے ہلاک ہونی شروع ہو جائیں گی جیسے موتیوں کی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو۔ (اخرجہ الحافظ ابو یعلی کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۱۳۶)

حضرت فضالہ بن ابی فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ینبع میں بیمار تھے اور بیماری کافی شدید تھی۔ میں اپنے والد کے ساتھ ان کی عیادت کرنے ینبع گیا۔ میرے والد صاحب نے ان سے کہا آپ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ اگر آپ کا یہاں انتقال ہو گیا تو آپ کے پاس صرف جہینہ کے دیہاتی ہوں

گے۔ آپ تھوڑی سی تکلیف فرما کر مدینہ تشریف لے چلیں۔ اگر آپ کا وہاں انتقال ہوا تو پھر آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہوں گے جو آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے (میرے والد) حضرت ابو فضالہ رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے تھے (اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں ان کا بڑا مقام تھا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یقین ہے کہ میرا اس بیماری میں انتقال نہیں ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ جب تک میں امیر نہ بنایا جاؤں اور پھر میری یہ داڑھی میرے اس سر کے خون سے رنگی نہ جائے اس وقت تک میں نہیں مروں گا۔ (اخرجہ ابن احمد فی زوائدہ وابن ابی شیبۃ)

حضرت معاویہ بن جریر حضرمیؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گھوڑے سوار میرے سامنے سے گزریں (چنانچہ سوار گزرنے لگے) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے ابن ملجم گزرا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے اس کا نام اور نسب پوچھا اس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا نام بتا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو پھر اس نے اپنے باپ کا نام لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تم نے ٹھیک کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ میرا قاتل یہودیوں میں سے ہوگا۔ یہ ابن ملجم یہودی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا چلے جاؤ۔ (اخرجہ ابن عدی وابن عساکر کذا فی المنتخب ۵/۶۳)

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پرورش کی تھی وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو کہنے لگے اس بیماری میں مجھے موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہوگی اور میں ان دو جماعتوں کے درمیان شہید ہو کر ہی مروں گا۔ (اخرجہ ابن عساکر)

حضرت ابراہیم بن اشترؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی بیوی رونے لگی۔ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا تم کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا میں اس لئے رو رہی ہوں کہ مجھ میں آپ کو دفن کرنے کی طاقت نہیں اور نہ ہی میرے پاس اتنا کپڑا ہے جو آپ کے دفن کے لئے کافی ہو۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا مت روؤ کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگوں کو فرماتے ہوئے سنا اور ان لوگوں

میں میں بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں میں سے ایک آدمی کی موت جنگل بیابان میں آئے گی اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔ اب ان لوگوں میں سے ہر ایک کا انتقال کسی نہ کسی بستی میں اور مسلمانوں کے مجمع میں ہوا ہے۔ لہٰذا اب میں ہی ایسا ہوں کہ جسے جنگل بیابان میں موت آئے گی اللہ کی قسم! نہ تو میں غلط کہہ رہا ہوں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے غلط بات کی ہے لہٰذا آنے جانے کے عام راستہ کی طرف دیکھو۔ ان کی بیوی نے کہا حاجیوں کے قافلے واپس جا چکے ہیں اور راستے بند ہو چکے ہیں۔ بہر حال وہ ٹیلہ پر چڑھ کر کھڑی ہو جاتیں اور راستہ کی طرف دیکھتیں۔ (جب کوئی نظر نہ آتا تو) واپس آکر تیمارداری میں لگ جاتیں اور پھر ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتیں وہ ایسے ہی کر رہی تھیں کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک جماعت ہے جسے ان کی سواریاں تیزی سے لئے چلی آرہی ہیں اور وہ اپنے کجاووں میں بیٹھے ہوئے ایسے لگ رہے تھے جیسے گدھ ہوں۔ ان کی بیوی نے کپڑے سے ان کی طرف اشارہ کیا تو وہ دیکھ کر ان کی طرف آئے یہاں تک کہ ان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ ان کی بیوی نے کہا ایک مسلمان مر رہا ہے کیا آپ اس کے کفن کا انتظام کر سکتے ہیں؟ ان لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا وہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ سب کہنے لگے ہمارے ماں باپ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر قربان ہوں اور کوڑے مار کر سواریاں تیز دوڑائیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اور پھر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی وہی حدیث سنائی پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جن دو مسلمانوں کے دو یا تین بچے مر جائیں اور وہ ثواب کی نیت سے اس پر صبر کر لیں تو دونوں کو جہنم کے دیکھنے سے بھی اللہ بچا لیں گے تم لوگ سن رہے ہو اگر میرے پاس کفن کے لئے کوئی کپڑا ہوتا تو مجھے اسی میں کفن دیا جاتا ایسے ہی اگر میری بیوی کے پاس میرے کفن کے قابل کوئی کپڑا ہوتا تو مجھے اس میں کفن دیا جاتا (ہمارے پاس تو کفن کا کپڑا ہے نہیں اس لئے آپ لوگ کفن کا کپڑا دیں) لیکن میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم میں سے جو آدمی امیر یا چودھری یا نمبردار یا قاصد رہا ہو وہ مجھے کفن نہ دے تو ان لوگوں میں سے ہر آدمی ان میں سے کسی نہ کسی منصب پر رہ

چکا تھا صرف ایک انصاری جوان ایسا تھا جس نے ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا تھا اس نے کہا میں آپ کو کفن دوں گا کیونکہ آپ نے جتنی باتیں کہی ہیں میں نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا۔ میں نے یہ چادر اوڑھ رکھی ہے اور میرے تھیلے میں دو کپڑے ہیں جنہیں میری ماں نے کات کر میرے لئے بنا تھا میں ان تین کپڑوں میں آپ کو کفن دوں گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں تم مجھے ضرور کفن دینا چنانچہ اس انصاری نے انہیں کفن دیا۔ راوی حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ اس جماعت میں حضرت حجر بن ادبر اور (میرے والد) مالک بھی تھے اور یہ سب لوگ یمن کے تھے۔ (اخرجہ ابن سعد ۴/۲۳۳)

حضرت جبیر بن حیہ کہتے ہیں کہ عجمی کافر سردار بندار قان نے یہ پیغام بھیجا کہ اے عرب کے لوگو! اپنے میں سے ایک آدمی میرے پاس بھیجو تاکہ ہم اس سے بات کریں چنانچہ لوگوں نے اس کام کے لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ حضرت جبیر کہتے ہیں کہ میں ان کو دیکھ رہا تھا کہ ان کے لمبے لمبے بال تھے اور وہ کانے تھے چنانچہ وہ اس سردار کے پاس گئے۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ اس سردار سے کیا بات ہوئی؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر میں نے کہا (زمانہ جاہلیت میں) ہم لوگ تمام لوگوں سے زیادہ دور گھر والے تھے (آبادی دور دور تھی) سب سے زیادہ بھوکے تھے سب سے زیادہ بدحال تھے تمام لوگوں میں ہر خیر سے سب سے زیادہ دور تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا جس نے ہم سے دنیا میں اللہ کی مدد کا اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور جب سے وہ رسول ہمارے پاس آئے ہیں اس وقت سے ہم اپنے رب کی طرف سے مسلسل کامیابی اور مدد ہی دیکھ رہے ہیں اور اب ہم تمہارے پاس آ گئے ہیں اور اللہ کی قسم! ہمیں یہاں بادشاہت اور شاندار زندگی نظر آ رہی ہے ہم اسے چھوڑ کر بدحالی کی طرف کبھی واپس نہیں جائیں گے بلکہ یا تو تم پر غالب آ کر جو کچھ تمہارے قبضے میں ہے وہ سب کچھ لے لیں گے یا پھر یہاں ہی شہید ہو جائیں گے۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الدلائل ص ۱۹۸)

حضرت طلق کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے آ کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابودرداء! آپ کا گھر جل گیا انہوں نے فرمایا میرا گھر نہیں جل سکتا پھر دوسرے آدمی

نے آ کر وہی بات کہی تو انہوں نے کہا نہیں میرا گھر نہیں جل سکتا۔ پھر تیسرے آدمی نے آ کر بھی وہی بات کہی تو اس کو بھی یہی کہا کہ میرا گھر نہیں جل سکتا پھر چوتھے آدمی نے آ کر کہا آگ تو بھڑکی تھی اور آپ کے گھر تک بھی پہنچ گئی تھی لیکن وہاں جا کر بجھ گئی تھی۔ انہوں نے فرمایا مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کریں گے (یعنی میرے گھر کو جلنے نہیں دیں گے) اس آدمی نے کہا اے ابو درداء! ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ آپ کی کونسی بات زیادہ عجیب ہے؟ پہلے آپ نے کہا میرا گھر نہیں جل سکتا۔ پھر بعد میں آپ نے کہا مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کریں گے۔ انہوں نے فرمایا میں نے چند کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں جو آدمی صبح کو یہ کلمات کہہ لے گا شام تک اسے کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی اور وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ مَاشَاءَ اللّٰهُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

ترجمہ: ”اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھ پر میں نے توکل کیا تو محترم عرش کا رب ہے۔ جو اللہ (تبارک وتعالیٰ) نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہیں ہوا۔ برائیوں سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی طاقت صرف بزرگ و برتر اللہ سے ہی ملتی ہے۔ میں اس بات کو جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اے اللہ! میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر اس جانور کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی پیشانی کو تو پکڑنے والا ہے۔ بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات ۱۲۵)

اعمال کا بدلہ ملنے کا یقین

حضرت ابو اسماء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ (سورۃ الزلزال)

ترجمہ:۔ ''سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا''۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھانا کھانا چھوڑ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جو بھی برا کام کریں گے کیا ہمیں اس کا بدلہ ضرور ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ لوگ جو ناگواریاں (دنیا میں) دیکھتے ہو یہ برے اعمالوں کا بدلہ ہے اور اچھے اعمال کا بدلہ بعد میں آخرت میں دیا جائے گا۔ (اخرجہ ابن ابی شیبہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! من یعمل سوءً یجز بہ والی آیت کے بعد حال کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ہم نے جو بھی برا کام کیا ہے اس کا بدلہ ہمیں ضرور ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم کبھی تھکتے نہیں؟ کیا تمہیں کبھی کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ میں نے عرض کیا جی یہ سب کچھ پیش آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی گناہوں کا بدلہ ہے جو تمہیں دنیا میں مل رہا ہے۔ (عند احمد وابن المنذر)

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن سمرہ بن حبیب بن عبدشمس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے فلاں قبیلہ کا ایک اونٹ چوری کیا ہے مجھے (اس گناہ سے) پاک کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ والوں کے پاس آدمی بھیج کر پتہ کرایا۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں ہمارا ایک اونٹ گم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر حضرت عمرو بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹا گیا۔ حضرت ثعلبہ کہتے ہیں جب حضرت عمرو کا ہاتھ کٹ کر نیچے گرا اس وقت میں انہیں دیکھ رہا تھا انہوں نے (اپنے ہاتھ کو خطاب کرتے ہوئے) کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے تجھ سے پاک کر دیا ورنہ تو نے تو میرے جسم کو جہنم میں داخل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ (اخرجہ ابن ماجہ)

حضرت ابوضمرہ بن حبیب بن ضمرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ ایک تکیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے کہا ہم نے دیکھا تھا کہ آپ کا بیٹا انکھیوں سے اس تکیہ کی طرف دیکھ

رہا تھا۔ جب لوگوں نے تکیہ اٹھایا تو اس کے نیچے پانچ یا چھ دینار نکلے یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کف افسوس ملنے لگے اور بار بار انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے رہے اور فرماتے رہے میرے خیال میں تو تمہاری کھال ان دیناروں کی سزا برداشت نہیں کر سکتی (کہ تم نے ان کو جمع کر کے رکھا اور انہیں خرچ نہ کیا) (اخرجہ احمد فی الزہد وابونعیم فی الحلیہ کذافی الکنز ۳/۱۲۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی پختگی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۃ بقرہ: ۲۸۴)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے پھر (بجز کفر و شرک کے) جس کے لئے منظور ہو گا بخش دیں گے اور جس کو منظور ہو گا سزا دیں گے اور اللہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں"۔

تو اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت گرانی اور پریشانی ہوئی اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کچھ ایسے اعمال کا مکلف بنایا گیا ہے جو ہمارے بس میں ہیں جیسے نماز روزہ جہاد اور صدقہ لیکن اب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے (اور اس میں ہمیں ایسے اعمال کا مکلف بنایا گیا جو ہمارے بس میں نہیں ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تم اس آیت کو سن کر سمعنا و عصینا (ہم نے اللہ کا حکم سن لیا لیکن ہم اسے مانیں گے نہیں) کہو جیسے کہ تم سے پہلے تورات اور انجیل والوں نے کہا تھا؟ نہیں بلکہ تم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ کہو یعنی ہم نے سن لیا اور مان لیا اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ دعا مانگنی شروع کر دی اور جب ان کی زبانیں اس دعا سے مانوس ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" (سورۃ بقرہ : ۲۸۵)

ترجمہ: "اعتقاد رکھتے ہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور خوشی سے مانا۔ ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف (ہم سب کو) لوٹنا ہے"۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت (کے حکم) کو منسوخ کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا سے لے کر آخر تک (سورۃ بقرہ/۲۸۶)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ اے ہمارے رب ہم پر داروگیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں آخر آیت تک (اخرجہ احمد ورواہ مسلم مثلہ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے (اللہ کی طرف سے) کہا گیا کہ آپ بھی ان میں سے ہیں۔ (عند ابن مردویہ کذا فی التفسیر لابن کثیر ۲/۱۵۳)

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھیں ہم نے قریش کی عورتوں کا تذکرہ کیا اور ان کے فضائل بیان کئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا واقعی قریش کی عورتوں کو بڑے فضائل حاصل ہیں لیکن اللہ کی قسم اللہ کی کتاب کی تصدیق

کرنے اور اس پر ایمان لانے میں انصار کی عورتوں سے آگے بڑھا ہوا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (سورۂ نور: ۳۱)

ترجمہ:۔ "اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔"

تو انصار مردوں نے واپس گھر جا کر اپنی عورتوں کو وہ حکم سنایا جو اللہ نے اس آیت میں نازل فرمایا ہر آدمی اپنی بیوی اپنی بیٹی اپنی بہن اور اپنی ہر رشتہ دار عورت کو یہ آیت پڑھ کر سناتا۔ ان میں سے ہر عورت سنتے ہی اللہ کی نازل کردہ آیت پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے کے لئے فوراً کھڑی ہو کر منقش چادر لے کر اس میں لپٹ جاتی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز میں یہ سب چادروں میں ایسی لپٹی ہوئی آئیں کہ گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں (اخرجہ ابن ابی حاتم ورواہ ابوداؤد)

حضرت ابوفروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ذرا یہ بتائیں کہ ایک آدمی نے سارے گناہ کئے ہیں کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں چھوڑا۔ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم مسلمان ہو گئے ہو میں نے کہا جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب نیکیاں کرتے رہو اور برے کام چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں کو نیکیاں بنا دیں گے۔ میں نے کہا میری تمام بدعہدیاں اور بدکاریاں بھی معاف ہو جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ابوفروہ چل پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے اوجھل ہونے تک اللہ اکبر کہتے رہے۔ (اخرجہ الطبرانی کذا فی التفسیر لابن کثیر ۳/۳۲۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے کہا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ میں نے زنا کیا تھا جس سے میرے ہاں بچہ پیدا ہوا پھر میں نے اس بچے کو قتل کر ڈالا میں نے کہا نہیں (تم نے دو بڑے گناہ کئے ہیں اس لئے) نہ تو تمہاری آنکھ کبھی ٹھنڈی ہو اور نہ تجھے شرافت و کرامت کبھی حاصل ہو۔ اس پر وہ عورت افسوس کرتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اور اس عورت نے جو کچھ کہا تھا اور میں نے اسے جو جواب دیا تھا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اسے برا جواب دیا۔ کیا تم یہ آیتیں وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے لے کر اِلَّا مَنْ تَابَ آخر تک نہیں پڑھتے۔ (سورۃ الفرقان ۶۸ تا ۷۰)

ترجمہ: "اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہو کر رہے گا مگر جو (شرک و معاصی سے) توبہ کرلے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے"۔

پھر میں نے یہ آیتیں اس عورت کو پڑھ کر سنائیں۔ اس نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری خلاصی کی صورت بنا دی۔ (اخرجہ ابن ابی حاتم)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت ابو الحسنؒ کہتے ہیں کہ جب وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ والی آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: "اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں" (سورۃ شعراء: ۲۲۴)

تو (مسلمان شعراء) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو اللہ کو معلوم تھا کہ ہم لوگ شعراء ہیں (لہٰذا یہ سخت وعید تو ہمارے لئے ہوئی) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آگے والی آیت تلاوت فرمائی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ترجمہ: "مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں باتیں تم لوگوں میں موجود ہیں۔

وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا "اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صفت بھی تم میں موجود ہے۔

وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا!

''اورانہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا) بدلہ لیا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صفت بھی تم میں ہے (لہذا یہ وعید تم مسلمان شعراء کے لئے نہیں ہے)۔ (اخرجہ ابن اسحاق واخرجہ ابن ابی حاتم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عمر! تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی زمین (یعنی قبر) میں ہو گے اور تم منکر نکیر کو دیکھو گے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! منکر نکیر کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قبر میں امتحان لینے والے (دو فرشتے) ہیں جو قبر کو اپنے دانتوں سے کریدیں گے اور ان کے بال اتنے لمبے ہوں گے کہ وہ اپنے بالوں کو روندتے ہوئے آئیں گے ان کی آواز زوردار گرج کی طرح ہوگی اور ان کی آنکھیں اچکنے والی بجلی کی طرح چمک رہی ہوں گی۔ ان دونوں کے پاس ایک اتنا بڑا ہتھوڑا ہوگا کہ سارے منیٰ والے مل کر اسے نہ اٹھا سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہلا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا لیکن ان دونوں کے لئے اسے اٹھانا میری اس چھڑی سے بھی زیادہ آسان ہوگا۔ وہ دونوں تمہارا امتحان لیں گے اگر تم جواب نہ دے سکے یا تم لڑکھڑا گئے تو پھر وہ تمہیں وہ ہتھوڑا اس زور سے ماریں گے کہ تم راکھ بن جاؤ گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا اس وقت میں اپنی اسی حالت پر رہوں گا؟ (یعنی اس وقت میرے ہوش وحواس ٹھیک ہوں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا پھر میں ان دونوں سے نمٹ لوں گا۔ (اخرجہ ابن ابی داؤد فی البعث)

حضرت ابو بحریہ کندیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک مجلس ہے جس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارے ساتھ ایک ایسا آدمی بیٹھا ہوا ہے کہ اگر اس کا ایمان کسی بڑے لشکر میں تقسیم کیا جائے تو ان سب کو کافی ہو جائے گا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ (اخرجہ ابن عساکر کذا فی المنتخب ۵/۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح مسجدوں میں نمازوں کے لئے جمع ہوتے تھے خود انہیں نمازوں کا کتنا شوق تھا اور دوسروں کو نماز کی کتنی ترغیب دیتے تھے اور نمازوں کے اوقات کے بدلنے سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اصل کام ایک حکم خداوندی سے دوسرے حکم میں اور ایک عمل صالح سے دوسرے عمل میں لگنا ہے اور انہیں ان اعمال کا حکم دیا جاتا تھا کہ وہ ایمان اور ایمانی صفات کو پکا کریں علم اور علم والے اعمال کو پھیلائیں اور اللہ کے ذکر کو زندہ کریں اور دعا کو اور اس کی قبولیت کی شرائط کو قائم کریں چنانچہ وہ کس طرح سے ان اعمال کی وجہ سے اپنے دنیاوی مشاغل کو چھوڑ دیا کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ظاہری شکلوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے بلکہ وہ تو اس ذات سے براہ راست فائدہ حاصل کرتے ہیں جو تمام چیزوں اور شکلوں کو پیدا کرنے والی اور ان میں تصرف کرنے والی ہے۔

ایمان کیلئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا سفر

ابوالطفیل عامر بن واثلہ نے بیان کیا مجھ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں جی والوں میں سے تھا اور میرے قصبہ والے چتکبرے گھوڑے کی عبادت کرتے تھے اور میں سمجھتا تھا کہ یہ کسی حقیقت پر نہیں مجھے بتایا گیا جس دین کا تو طلب گار وہ مغرب کی سمت میں ہے تو میں نکل پڑا حتیٰ کہ میں موصل کی سرزمین کے قریب پہنچ گیا میں نے وہاں کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو مجھے ایک عبادت خانہ میں رہنے والے ایک آدمی کا بتایا گیا میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا میں مشرق کا آدمی ہوں اور خیر کی طلب میں آیا ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی خدمت کروں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا فرمایا ہے آپ مجھے سکھائیں؟ اس نے کہا درست ہے پھر اس نے میرے لئے غلہ سرکہ اور زیتون جاری کرا دیا جیسا اس کے لئے جاری تھا اس طرح جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا میں اس کے ساتھ رہا پھر اس کی موت آ پڑی جب اس کا انتقال ہونے لگا تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا۔ اس نے کہا کس وجہ سے روتے ہو؟ میں نے کہا میں نے خیر کی تلاش میں اپنا وطن چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی صحبت عطا کی اور آپ نے مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا

ہے آپ نے وہ مجھے سکھایا اور اب آپ پر موت طاری ہو رہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا تم فلاں فلاں مقام پر میرے بھائی کے پاس چلے جانا اور اسے میرا اسلام کہہ کر اسے بتانا کہ میں نے تمہیں اس کی طرف آنے کی وصیت کی تھی اور اسی کی صحبت میں رہنا بے شک وہ حق پر ہے۔ پس جب وہ فوت ہو گیا تو میں چل پڑا حتیٰ کہ وہاں پہنچ گیا جہاں کا اس نے مجھے بتایا تھا۔ میں نے کہا آپ کا فلاں بھائی آپکو سلام کہتا تھا اس نے کہا اور اس پر بھی سلام ہو۔ اس کا کیا ہوا؟ میں نے کہا وہ فوت ہو گیا ہے اور میں نے پورا قصہ سنایا پھر اسے بتایا کہ اس نے مجھے آپ کی صحبت میں رہنے کا حکم کیا تھا چنانچہ اس نے مجھے قبول کر لیا اور اچھے طریقہ سے رکھا اور مجھ پر اسی طرح کا (سامان ضرورت) جاری کرا دیا جیسا دوسروں کے لئے مقرر تھا۔ جب اسے موت آنے لگی تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا تو اس نے پوچھا تجھے کیا چیز رلاتی ہے؟ میں نے جواب دیا۔ میں اپنے ملک سے آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں کی صحبت عطا کر دی اور اس نے مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور جو اللہ تعالیٰ نے اسے علم عطا کیا تھا اس نے مجھے سکھایا۔ پھر جب اس کی موت آنے لگی تو اس نے مجھے آپ کی طرف آنے کی وصیت کی۔ چنانچہ آپ نے مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے وہ مجھے سکھایا اور اب آپ کی موت آنے لگی ہے تو میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا تم روم میں داخل ہونے کے راستے کے مقام پر میرے بھائی کے پاس چلے جانا اس کے پاس جا کر اسے میرا اسلام کہنا اور بتانا کہ میں نے تمہیں اس کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ پھر تم اسی کی صحبت میں رہنا کیونکہ وہ حق پر ہے۔

جب وہ فوت ہو گیا تو میں چل پڑا حتیٰ کہ جو آدمی اس نے بتایا تھا وہاں پہنچ گیا اور اس سے کہا آپ کا فلاں بھائی آپ کو سلام کہتا تھا اس نے کہا وعلیہ السلام اس کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا وہ فوت ہو گیا ہے اور اسے اپنا سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ اس نے مجھے آپ کی صحبت میں رہنے کا حکم کیا ہے تو اس نے مجھے قبول کر لیا اور مجھے اچھے طریقہ سے رکھا اور جو علم اللہ تعالیٰ نے اسے دیا تھا مجھے سکھایا۔

جب اس کو موت آنے لگی تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا اس نے پوچھا کس وجہ سے روتے ہو؟ میں نے اسے اپنا قصہ سنایا پھر کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت

عطا کی اور اب آپ کو موت آ رہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا کہیں نہ جانا کیونکہ اب حالت یہ ہے کہ میں کسی آدمی کو نہیں جانتا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر باقی ہو لیکن یہ تہامہ کی سرزمین میں ایک نبی کے آنے کے حالات ہیں ۔لہٰذا تم میرے حجرہ میں رہنا اور جو بھی تاجر تیرے پاس سے گزرے اس سے پوچھنا اور روم میں جانے کے لئے اہل حجاز کے تاجروں کا راستہ وہی تھا۔ لہٰذا اہل حجاز میں سے جو تیرے پاس آئے اس سے پوچھنا کیا تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ پس جب وہ تجھے بتائیں کہ ان میں وہ شخصیت آچکی ہے تو اس کے پاس چلا جانا وہ وہی ہے جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوشخبری دی تھی اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی اور وہ ہدیہ کھائے گا۔ صدقہ نہیں کھائے گا۔

چنانچہ اس کا انتقال ہو گیا اور میں اس کی جگہ پر رہا جو بھی میرے پاس سے گزرتا میں اس سے پوچھتا کہ تم کون سے علاقہ سے آئے ہو۔ یہاں تک کہ مکہ والوں میں سے کچھ لوگ میرے پاس سے گزرے تو میں نے ان سے پوچھا کون سے ملک سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا حجاز سے۔ میں نے پوچھا تم میں کوئی ایسا آدمی سامنے آیا ہے جو سمجھتا ہو کہ میں نبی ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا کیا تمہیں یہ منظور ہے میں تم میں سے کسی کا اس شرط پر غلام بن جاؤں کہ وہ مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالے اور مجھے بچے کھچے ٹکڑے کھلاتا رہے اور اس طرح مکہ پہنچا دے جب وہ مجھے مکہ لے جائے تو اس کی مرضی ہے چاہے تو مجھے بیچ دے اور چاہے تو اپنے پاس رکھے۔ ان میں سے ایک نے کہا میں تیار ہوں تو میں اس کا غلام ہو گیا وہ مجھے اپنے ساتھ بٹھانے لگا اور ٹکڑے کھلانے لگا حتیٰ کہ میں مکہ آ گیا۔ جب میں مکہ آ گیا تو اس نے مجھے دو حبشیوں کے ساتھ اپنے باغ میں ٹھہرا دیا پھر میں ایک دفعہ نکلا اور مکہ میں گھوما تو میرے ملک والوں کی ایک خاتون ملی تو میں نے اس سے پوچھا اور گفتگو کی۔ معلوم ہوا کہ اس کے غلام اور گھر والے سب مسلمان ہو چکے ہیں اور میں نے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بتایا کہ جب مکہ کی چڑیاں چہکتی ہیں تو آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حطیم میں بیٹھتے ہیں حتیٰ کہ جب فجر روشن ہو جاتی ہے تو متفرق ہو جاتے ہیں تو میں اس رات آتا جاتا رہا اس وجہ سے کہ میرے ساتھی کہیں مجھے غائب نہ

سمجھیں۔ انہوں نے پوچھا تمہیں کیا ہے؟ میں نے کہا میرے پیٹ میں تکلیف ہے پس جب وہ گھڑی آئی جس کا اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس میں آپ تشریف فرما ہوتے ہیں تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ حطیم میں اپنی چادر کمر و گھٹنوں کے گرد باندھ کر بیٹھے تھے اور آپ کے اصحاب سامنے بیٹھے تھے۔ میں آپ کے پیچھے سے گیا تو آپ نے میرا مقصد جان لیا اور اپنی چادر چھوڑ دی اور وہ گر پڑی تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھ لی۔ میں نے دل میں کہا اللہ اکبر یہ ایک نشانی ہوگئی۔

پھر جب اگلی رات آئی تو میں اسی طرح کیا جب گذشتہ رات کیا تھا تا کہ میرے ساتھی مجھے نہ ٹوکیں۔ میں نے کچھ کھجوریں جمع کیں اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا وقت آیا میں نے کھجوریں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے میں نے کہا صدقہ ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کھاؤ! اور اپنا ہاتھ نہ بڑھایا میں نے دل میں کہا اللہ اکبر یہ دو نشانیاں پوری ہوگئیں جب اگلی رات آئی تو میں کچھ کھجوریں جمع کیں پھر آپ جس وقت تشریف رکھتے تھے اس میں آیا اور کھجوریں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ہدیہ ہے تو آپ نے بھی تناول فرمائیں اور اصحاب نے بھی۔ میں نے کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ماجرا دریافت فرمایا تو میں نے آپ کو بتا دیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "جا اور اپنے آپ کو خرید لے" میں اپنے مالک کے پاس گیا اور کہا تم مجھے بیچ دو۔ اس نے کہا درست ہے میں تجھے تیرا نفس اس کے عوض بیچتا ہوں کہ تو مجھے کھجور کے سو درخت کاشت کر دے جب وہ پھل اٹھائیں اور ان کا پھل واضح ہو جائے تو گٹھلی کے برابر سونا لا دے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بتایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے جو مانگا ہے وہ دینے کا وعدہ کر لو اور میرے پاس اس کنوئیں کے پانی کا ایک ڈول لاؤ جس سے اس باغ کو پانی دیا جاتا ہے۔ پھر میں مالک کے پاس گیا اور اس سے اپنا آپ خرید لیا اور جو اس نے مانگا تھا اس کی شرط منظور کر لیا اور اس

کنوئیں کے پانی کا ایک ڈول لایا جس سے باغ کو سیراب کیا جاتا تھا۔ وہ پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں میرے لئے دعا فرمائی اور میں نے جا کر اس پانی سے درختوں کو لگایا۔ اللہ کی قسم ان سے ایک درخت بھی ضائع نہیں ہوا۔ پھر جب کھجوروں کا پھل واضح ہو گیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں خبر دی کہ کھجوروں کا پھل واضح ہو چکا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے گٹھلی کی مقدار سونا منگایا اور مجھے عطا فرمایا۔ میں اس سونے کو اپنے مالک کے پاس لے گیا اور اسے ترازو کے ایک پلہ میں رکھا اور اس نے اپنی گٹھلی دوسرے پلہ میں رکھی۔ اللہ کی قسم وہ پلہ زمین سے نہ اٹھا پھر (بقایا کو) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا تو فرمایا اگر تم اس سے اتنے اتنے وزن کی شرط کر لیتے تو بھی یہ ٹکڑا اس پر بھاری ہو جاتا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور آپ کے ساتھ رہنے لگا۔

ابو الطفیل البکری کہتے ہیں حضرت سلمان الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلایا کہ وہ اصبہان کے شہر جی کے رہنے والے تھے۔ میں رو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو میں ایک آدمی کے پاس گیا جو لوگوں سے بات نہیں کرتا تھا۔ بات کرنے سے تنگ ہوتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کون سا دین افضل ہے؟ اس نے کہا تم یہ بات کیوں پوچھتے ہو۔ کیا تو اپنے والد کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتا ہے؟ میں نے کہا نہیں لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے اور افضل دین کون سا ہے؟ اس نے کہا میں اس کے جواب کے لئے موصل کے راہب کے علاوہ کسی کو مناسب نہیں جانتا تو میں اس راہب کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو چکا ہے دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔ میں بھی اسی کی طرح عبادت کرنے لگا اور اس کے ہاں تین سال رہا پھر اس کا انتقال ہونے لگا تو میں نے پوچھا مجھے تم کس کے ہاں جانے کی وصیت کرتے ہو؟ کہا میں اہل مشرق میں سے کسی کو اس راہ پر نہیں پاتا جس پر میں ہوں لہٰذا تم اس جزیرہ سے آگے ایک راہب ہے تم اس کے پاس جانا اور اسے میرا سلام کہنا پس میں اس کے پاس گیا اور اسے اس کے سلام

پہنچائے اور بتایا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ اس کے ہاں بھی میں کچھ سال رہا پھر وہ فوت ہونے لگا تو میں نے پوچھا۔ آپ مجھے کس کے پاس جانے کا حکم فرماتے ہیں؟ کہا میں زمین والوں میں سے کسی کو اس راہ پر نہیں پاتا جس پر میں ہوں سوائے عموریہ کے ایک راہب کے جب بہت بوڑھا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ تو اس کے پاس پہنچ پائے گا یا نہیں؟ پس میں اس کے پاس گیا میں اس کے ہاں ٹھہرا وہ تو بڑا خوشحال آدمی تھا۔ جب اس کی وفات کا وقت آیا۔ میں نے اس سے پوچھا آپ مجھے کہاں جانے کی وصیت کریں گے؟ اس نے کہا میں زمین والوں میں سے کسی کو اس دین پر نہیں پاتا جس پر میں ہوں لیکن تو ایسا زمانہ پائے گا جس میں ایک آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام والے گھر سے نکلے گا اور میں نہیں سمجھتا کہ تو اس کا زمانہ پائے گا۔ لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ میں اسے پاؤں گا۔ لہٰذا اگر تو اس کے ساتھ ہونے پر قادر ہو سکے تو کر لینا کیونکہ سچا دین اسی کا ہوگا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی قوم کہے گی یہ جادوگر و مجنون اور کاہن ہے اور وہ ہدیہ کے مال سے کھائے گا صدقہ سے نہیں کھائے گا اور اس کے کندھے کی نرم ہڈی کے پاس نبوت کی مہر ہوگی۔ پس میں ان حالات میں تھا کہ مدینہ سے ایک قافلہ آیا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم مدینہ والوں میں سے ہیں اور ہم تجارت پیشہ لوگ ہیں ہمارا گزر بسر تجارت سے ہوتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام والے گھر سے ایک آدمی نمودار ہوا اور وہ اپنی قوم سے لڑائی کرتا ہوا ہمارے ہاں آیا ہے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ آدمی ہماری تجارت میں رکاوٹ نہ بن جائے لیکن اس نے مدینہ کو سنبھال لیا ہے۔ میں نے پوچھا لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا لوگ کہتے ہیں یہ جادوگر ہے۔ مجنون ہے اور کاہن ہے۔ میں نے کہا یہ تو یہی نشانی ہے تم مجھے اپنے امیر سے ملواؤ تو میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا مجھے مدینہ تک لے چلو۔ اس نے کہا تو مجھے کیا دے گا؟ میں نے کہا میں آپ کو دینے کے لئے کوئی چیز نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ اس پر وہ مجھے سوار کر کے ساتھ لے گیا جب مدینہ آ گیا تو اس نے مجھے کھجوروں کے باغ میں رکھ لیا اور میں اس کے باغ کو پانی دیتا تھا جیسے اونٹ پانی کھینچتا ہے حتیٰ کہ اس وجہ سے میری پیٹھ اور سینہ زخمی ہو گئے اور مجھے کوئی آدمی نہیں ملتا تھا جو میری بات سمجھے حتیٰ کہ ایک فارسی بڑھیا پانی لینے آئی۔ اس سے میں نے بات کی تو وہ میری بات

سمجھ گئی تب میں نے اس سے کہا وہ آدمی کہاں ہے جو (نیا دین لیکر) آیا ہے؟ مجھے اس کا پتہ بتا۔ اس نے کہا وہ صبح سویرے تیرے پاس سے گزرے گا جبکہ وہ دن کے شروع میں صبح کی نماز پڑھتا ہے۔ پس میں گیا اور کھجوریں جمع کیں جب صبح ہوئی تو میں گیا اور کھجوریں آپ کو پیش کیں۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے صدقہ ہے یا ہدیہ ہے؟ میں نے اشارہ کیا کہ صدقہ ہے تو فرمایا ان کے پاس لے جاؤ۔ آپ کے اصحاب آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے کھائیں آپ نے نہ کھائیں۔ میں نے کہا یہ نشانی پوری ہوگئی۔ جب اگلا دن تھا تو میں کھجوریں لے گیا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ ہدیہ ہے تو آپ نے تناول فرمائیں اور اپنے اصحاب کو بلایا انہوں نے بھی کھائیں پھر آپ نے مجھے مہر نبوت دیکھنے کی کوشش کرتے دیکھا تو سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک ہٹادی۔ میں مہر نبوت کو چومنے اور چمٹنے لگا تو فرمایا تجھے کیا۔ آپ نے پوچھا تو میں نے اپنا واقعہ سنا دیا پھر فرمایا تم نے ان سے شرط کی تھی کہ تم ان کے غلام ہو۔ اب اپنے آپ کو ان سے خرید لو۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین سو کھجور کے درختوں کے لگانے اور چالیس اوقیہ سونے کے بدلے خرید لیا کہ اس کے بعد وہ آزاد ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پودے لگاؤ تو حضرت سلمان نے لگا دیئے پھر جا کر کنوئیں میں ڈول ڈالو جب وہ بھر جائے تو کھینچ لو۔ پس جب ڈول بھرتا تو خود بخود اوپر اٹھ آتا پھر پودوں کی جڑوں میں ڈال۔ حضرت سلمان نے ایسا ہی کیا تو بہت جلدی پودے لگ گئے سب نے کہا سبحان اللہ ہم نے اس جیسا غلام نہیں دیکھا۔ بے شک اس غلام کی عجیب شان ہے اور لوگ اس پر جمع ہوگئے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کو سونے کی ایک ٹکڑی دی تو اس میں سے چالیس اوقیہ سونا تھا۔

ابو الحمدی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ مجھے دس سے زیادہ مالکوں نے خرید او بیچا۔ (۳۱۳ روشن ستارے)

عدالت فاروقی میں ایک ایمان افروز واقعہ

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت عالیہ میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ دو خوبصورت نوجوان ایک نوجوان کو پکڑ کر حاضر ہوئے اور فریادی اے امیر المومنین اس

نوجوان نے ہمارے بوڑھے باپ کو قتل کر دیا ہے۔اس ظالم قاتل سے ہمارا حق دلوایئے۔آپؐ نے دعویٰ سننے کے بعد ملزم کی طرف دیکھا اور دریافت فرمایا کہ تو اپنی صفائی میں کیا کہتا ہے؟

ملزم نے عرض کی ہاں امیر المومنین یہ جرم واقعی مجھ سے صادر ہوا ہے میں نے غصے سے ایک پتھر اسے مارا تھا جس سے وہ ہلاک ہو گیا تھا۔فاروق اعظمؓ نے فرمایا گویا تو اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔ملزم ہاں امیر المومنین! یہ جرم واقعی مجھ سے صادر ہوا ہے۔آپؐ نے فرمایا پھر تم پر قصاص لازم ہو گیا اور اس کے عوض تمہیں قتل کیا جائے گا۔ملزم نے جواب دیا آقا مجھے آپؐ کے حکم اور شریعت مطہرہ کے فتوے سے انکار نہیں البتہ میں ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا بیان کرو۔عرض کی تین دن کی مہلت چاہتا ہوں۔تین دن بعد حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔عظیم قائد نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچا غور کے بعد سر اوپر اٹھایا اور فرمایا اچھا کون ضامن ہو گا تمہارا کہ تم واقعی وعدہ کو ایفا کرنے کے لئے تیسرے دن عدالت عالیہ میں حاضر ہو کر خون کا بدلہ خون سے دو گے۔عمر فاروقؓ کے اس ارشاد پر اس جوان رعنا نے پُر امید نظروں سے حاضرین مجلس کا جائزہ کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ کے متدین پُر نور چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے اشارہ کر کے کہا یہ میری ضمانت دیں گے۔خلیفۃ الرسول نے ان سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا بے شک میں ضمانت دیتا ہوں کہ نوجوان تین دن بعد تکمیل قصاص کے لئے عدالت میں حاضر ہو جائے گا۔اس ضمانت کے بعد ملزم کو چھوڑ دیا گیا۔

دو دن گزر گئے اور تیسرا دن آ گیا۔جلیل القدر صحابہ اور مشیران خلافت دربار میں جمع ہوئے۔دونوں مدعی بھی آ گئے۔حضرت ابوذر غفاریؓ بھی آ گئے اور ملزم کا بے قراری سے انتظار ہونے لگا۔جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔صحابہ کرام کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ ملزم ابھی تک نہیں پہنچا تھا اور وقت قریب آ رہا تھا اور صحابہ کو ابوذرؓ کی نسبت پریشانی ہونے لگی ایک دو مرتبہ مدعیوں نے بھی دریافت کیا مگر انہوں نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ اگر تین یوم گزر گئے اور ملزم نہ آیا تو میں اپنی ضمانت پوری کروں گا۔پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

جب حاضرین پریشانی کی انتہا پر پہنچ گئے اور دہلا دینے والے انجام کے تصور سے سہم گئے کہ اچانک ایک طرف سے ملزم دربار میں آ حاضر ہوا اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔

چہرے پر گرد جم چکی تھی۔ مسلسل بھاگنے سے اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی سلام کیا اور عرض کی اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے بجالایا جائے۔ امانت کی سپردگی: آپ رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر ملزم نے بتایا کہ میں ایک امانت امانت والے کے سپرد کرنے گیا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ والد فوت ہوگیا موت سے پہلے اس نے میرے پاس میرے چھوٹے بھائی کے لئے کچھ سونا رکھا تھا اور وصیت کی تھی کہ جب وہ جوان ہو جائے تو اس کے سپرد کر دینا۔ میں وہ سونا ایک جگہ رکھ آیا تھا جس کا مجھے ہی علم تھا اس لئے میں وہ سونا اس کے سپرد کرنے گیا تھا۔ الحمد للہ میں نے امانت اس کے سپرد کردی جس کی وہ تھی۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اس کی ضمانت کیوں دی تھی کیا یہ آپ کا واقف تھا؟

انہوں نے کہا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہ تھا صرف یہ بات تھی کہ جب اس نے پر امید نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اگر بھرے مجمع میں بھی میں اس کی ضمانت نہ دوں تو کل قیامت کے دن رب العزت کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا کہ اتنے آدمیوں میں سے کوئی بھی اس کا ضامن نہ بن سکا۔ اس لئے میں نے اس کی ضمانت دی حالانکہ میں اسے بالکل نہ جانتا تھا نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ یہ کہاں رہتا ہے بس اس کی ظاہری شرافت نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ وعدہ کا پکا ہے اور میں نے ضمانت دے دی۔ یہ بات سن کر حاضرین محفل اشک آلود ہوگئے مدعیوں نے التجا کی کہ اے امیر المومنین! ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کردیا۔ (ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ایک بچے کا ایمان پوری قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنا

لڑکے کی راہب سے ملاقات

بادشاہ کے محل اور ساحر کے مکان کے درمیان ایک راہب یعنی حق پرست عیسائی عابد رہتا تھا اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا دین دین حق تھا۔ اور یہ راہب اسی پر قائم تھا اور عبادت گزار تھا۔ ایک مرتبہ لڑکا اس راہب کے پاس چلا گیا اور اس کی باتوں اور اس کے طریقوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا اور اس کے پاس آنے جانے لگا۔ تو اب ساحر اور بادشاہ کے ہاں مقررہ وقت میں آمد و رفت میں تاخیر ہونے پر وہ لڑکے پر برافروختہ اور ناراض ہوئے۔ لڑکے نے راہب سے اس کی شکایت کی۔ راہب نے کہا کہ اس معاملہ کے مخفی رکھنے کی صرف یہ صورت ہے کہ جب بادشاہ باز پرس کرے تو یہ عذر کر دینا کہ ساحر کے ہاں دیر ہوگئی اور جب ساحر ناراض ہو تو یہ کہہ دینا کہ بادشاہ کے پاس تاخیر ہوگئی۔

راہب کے سچے ہونے کا ثبوت

غرض یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک یونہی جاری رہا کہ ایک مرتبہ لڑکے نے دیکھا کہ راہ میں ایک بہت ہیبت ناک اور عظیم الجثہ درندہ لوگوں کی راہ روکے ہوئے ہے اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ وہ اس کے سامنے سے گزر جائے۔ لڑکے نے سوچا کہ یہ بہترین وقت ہے اس بات کا کہ میں جانچ کروں آیا ساحر کا مذہب سچا ہے یا راہب کا دین۔ یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہنے لگا خدایا اگر تیرے نزدیک ساحر کے مقابلہ میں راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے یہ کہہ کر اس نے جانور کو پتھر مارا۔ پتھر کا لگنا تھا کہ وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ لڑکا چل دیا اور راہب سے سارا ماجرا جا کر سنایا۔ راہب نے کہا مجھے ڈر ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ دیکھو وہ وقت آئے تو میرا ذکر نہ کرنا۔

لڑکے کی کرامات

لوگوں نے لڑکے کی اس جرأت کو دیکھ کر چرچا کیا اور کہنے لگے کہ اس کو عجیب و غریب علم آتا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس اندھے اور کوڑھی آنے لگے اور انہوں نے کہا کہ اپنے علم کے زور سے ہم کو اچھا کر دو وہ خدا کے فضل سے اچھا کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک درباری مصاحب نابینا ہو گیا تھا اس نے جو لڑکے کا چرچا سنا تو تحفہ تحائف کا بہت بڑا سامان لے کر اس کے پاس آیا اور تحفے پیش کرتے ہوئے بینا کر دینے کی درخواست کی۔ لڑکے نے جواب دیا میں کچھ نہیں ہوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے بلکہ شافی مطلق تو خدائے واحد ہے پس اگر تو ایمان لے آئے اور اس واحد یکتا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے تو میں ضرور تیری سفارش کے لئے دعا کروں گا۔ درباری یہ سن کر خدائے واحد پر ایمان لے آیا اور بت پرستی سے تائب ہو کر دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی اور وہ بینا ہو گیا۔

لڑکے کے ایمان کی خبر بادشاہ تک پہنچ گئی

اگلے دن جب وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے نابینا کو بینا پایا۔ تب بادشاہ نے سوال کیا کہ اپنے بینا ہونے کی حقیقت بیان کر۔ اس نے جواب دیا میرے رب نے مجھ کو شفا بخش دی۔ کافر بادشاہ نے کہا تیرا رب تو میں ہوں۔ کیا میں نے تجھ کو اچھا کر دیا؟ درباری نے جواب دیا نہیں۔ تیرے اور میرے کل جہان کے پروردگار نے اچھا کر دیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آ کر کہا کیا میرے سوا بھی کوئی تیرا رب ہے؟۔ درباری نے کہا ہاں۔ اللہ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس درباری کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا۔ آخر اس درباری نے لڑکے کا ماجرا کہہ سنایا۔

لڑکے کی آزمائش اور کامیابی

بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سحر کے ذریعہ سے اندھوں کو بینا اور مبروص وجذامی کو شفا دیتا ہے۔ لڑکے نے کہا مجھ میں یہ طاقت کہاں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ رب العالمین کے شفا دینے سے شفایاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا اور کوئی رب ہے؟ لڑکے نے کہا وہ خدا جو واحد یکتا ہے۔ تیرا اور میرا دونوں کا

رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس لڑکے کو عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا۔ آخر اس نے راہب سے متعلق تمام واقعہ کہہ سنایا۔ تب بادشاہ نے راہب کو بلایا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ دین حق سے پھر جائے۔ مگر راہب نے کسی طرح اس کو قبول نہیں کیا۔ تب بادشاہ نے راہب کے سر پر آرا چلوا دیا اور اس طرح اس کو شہید کر ڈالا۔

لڑکے کو قتل کرنے میں بادشاہ کی ناکامی

اب لڑکے سے کہا کہ تو راہب کے دین سے پھر جا۔ لڑکے نے بھی صاف انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرا دو کہ پاش پاش ہو جائے۔ جب سرکاری آدمی لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے تو لڑکے نے دعا کی۔ الٰہی تو ان لوگوں کے مقابلہ میں میرے لئے کافی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت پہاڑ زلزلہ میں آ گیا اور سرکاری آدمی گر گر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم بچ کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ تیرے ساتھ والے کہاں گئے۔ لڑکے نے کہا خدا نے ان کے مقابلہ میں میری مدد کی۔ تب بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اور دریا میں لے جا کر غرق کر دو۔ سرکاری آدمی اس کو دریا کے بیچ میں لے کر پہنچے تو لڑکے نے پھر وہی دعا کی۔ خدایا ان سے مجھ کو نجات دے۔ فوراً ہی دریا میں جوش آیا اور وہ سب غرق ہو گئے اور لڑکا بچ گیا اور صحیح سلامت بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا اور لڑکے نے پھر وہی جواب دیا۔

لڑکے کی شہادت اور پوری قوم کا مسلمان ہونا

اب لڑکے نے کہا کہ اے بادشاہ اس طرح تو مجھ پر ہرگز کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ جو ترکیب میں بتاؤں اگر اس کو اختیار کرے تو بے شک تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے لڑکے سے وہ تدبیر دریافت کی۔ لڑکے نے کہا تو شہر کی تمام مخلوق کو بلند جگہ پر جمع کر جب سب جمع ہو جاویں تو اس وقت مجھ کو درخت پر لٹکا دینا اور میرے ترکش سے تیر لے کر اور یہ پڑھ کر میرے سینہ پر تیر مارنا۔ بسم اللہ رب الغلام اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے تب میں مر سکتا ہوں۔ بادشاہ نے لڑکے کے قول پر عمل کیا اور جب تمام شہر جمع ہو گیا تو لڑکے کو سولی پر لٹکا کر اور لڑکے کی بتائی ہوئی عبارت پڑھ کر اس کے تیر مارا اور لڑکا تیر کھا کر جاں بحق ہو گیا۔ مخلوق نے جو

یہ دیکھا تو سب نے ایک دم آواز بلند نعرہ لگایا۔ امنا برب الغلام۔ امنا برب الغلام ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لے آئے اور سب نے دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا قبول کر لیا۔

قوم کو جلانے کے لئے خندقوں کا انتظام

بادشاہ پوری قوم کی یہ حالت دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ شہر کے ہر ایک محلہ گلی کوچہ میں خندقیں کھودو اور ان میں خوب آگ دہکاؤ۔ پھر ہر محلہ کے لوگوں کو جمع کرو اور ان سے کہو کہ اس دین سے باز آ جائیں۔ جو باز آ جائے اس کو چھوڑ دو اور جو انکار کرتا جائے اس کو دہکتی آگ میں ڈالتے جاؤ۔ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے تھے اور دین حق سے باز نہ رہنے کا اقرار کرتے اور بخوشی دہکتی آگ میں ڈالے جاتے تھے اور اس جان گسل اور ہولناک نظارہ کو بادشاہ اور اس کے مصاحبین مسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا۔ عورت بچہ کی محبت میں جھجکی۔ فوراً بچے نے کہا اماں صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں کود جا اس لئے کہ بلاشبہ تو حق پر ہے اور یہ ظالم باطل پر ہیں۔

اس قصہ کا درس

علامہ ابن کثیرؒ نے بحیثیت ایک مؤرخ یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ اس نوعیت کے متعدد واقعات پیش آ چکے ہیں جو اپنے مفہوم مراد اور مقصد کے لحاظ سے سب ہی اس سورۃ بروج کی آیات کے مصداق بن سکتے ہیں۔ اور تمام واقعات کا حاصل اگر تفصیلات اور جزئیات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ایک ہی نکلتا ہے اور وہ یہ کہ حق پرست جماعت کے حصہ میں ابدی کامرانی اور سرمدی فوز و فلاح اور ظالم اور باطل پرست جماعت دنیا میں بھی خائب و خاسر ہے اور آخرت میں ابدی جہنم نصیب ہے۔ تو نزول قرآن کے وقت اہل عرب ان میں سے بعض یا کسی ایک واقعہ سے ضرور آگاہ ہوں گے۔ اس لئے کفار مکہ کو یہ آیات سنائی گئیں۔ جب کہ وہ مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم توڑ رہے تھے اور مکہ کے مشرکین سردار اپنی آنکھوں کے سامنے مظلوم مسلمانوں پر ظلم کرا رہے تھے۔ اگر انہوں نے اصحاب الاخدود کے گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل نہ کی اور اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاکت ولعنت خداوندی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (فوائد القرآن)

اتباع سنت کی برکت سے سلسلہ امدادیہ والوں کیلئے دوخوشخبریاں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت حاجی صاحب کا واقعہ یاد آیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر کئی فاقے گزرے کوئی ذریعہ نہیں تھا ایک دوست متمول تھے ان سے میں نے کہا مجھے پانچ روپے قرض دے دیجئے انہوں نے انکار کر دیا۔

ع دیکھتا تھا میں کہ تم ہی نے اشارہ کر دیا

اس پر میں نے اللہ کی رضا پر راضی ہوتے ہوئے صبر کیا' میں نے سوچا اللہ تعالیٰ کو یونہی منظور ہے' آخر کار جب بھوک نے بہت ستایا تو میں نے دو پتھر اٹھائے پیٹ پر باندھ لئے' فرماتے ہیں کہ پتھر کا پیٹ پر باندھنا تھا کہ آنکھیں روشن ہو گئیں دل روشن ہو گیا۔ ایسے معلوم ہوا کہ جیسے دل پر سکینہ نازل ہو رہی ہے' یہ سب اتباع سنت کی وجہ سے تھا اس حالت میں مجھے بشارت ہوئی میں نے دیکھا کہ دو نوجوان حسین وجمیل ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لئے ہوئے میری طرف سامنے سے مسکراتے ہوئے چلے گئے' حضرت کے خادموں نے کسی وقت پوچھا حضرت آپ نے کیا دیکھا ہے؟ فرمایا دونوں حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل تھے ان کی زیارت سے مجھے یہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے الہامی مضامین القاء کریں گے' کیونکہ حضرت جبرائیل تمام انبیاء پر وحی لاتے تھے۔ حضرت میکائیل کی زیارت سے معلوم ہوا کہ مجھ پر فاقہ نہیں آئے گا' حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے بعد مجھ پر کبھی فاقہ نہیں آیا نیز فرمایا کہ میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ مجھ سے تعلق رکھنے والے اور میرے سلسلے میں داخل ہونے والوں کے رزق میں برکت ہوگی اور فاقہ کبھی نہیں آئے گا۔ نیز میرے سلسلے کے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ علوم عطا فرمائیں گے

اور تیسری بات یہ ہے کہ ان شاء اللہ سب کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ الحمد للہ اب تک تو یہی دیکھا ہے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ خدا کرے ہمارے اور آپ سب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سلسلے سے جوڑ کر یہ دولت بے بہا عطا فرمائی اس لحاظ سے ہم بڑے خوش نصیب ہیں اپنے مقدر پر ہمیں ناز کرنا چاہئے یہ سب کچھ مقبول بندوں سے وابستگی کی وجہ سے ہے۔ باقی ہم میں صلاحیتیں وغیرہ کچھ نہیں۔ (اصول موتی جلد اول)

اللہ تعالیٰ کی مؤمن بندے سے عجیب سرگوشی

حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤمن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے قریب بلائے گا، اور اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کرلے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا: یاد ہے فلاں گناہ تو نے کیا تھا؟ فلاں کیا تھا؟ یہ اقرار کرتا جائے گا، اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ دنیا میں، میں نے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی، اور آج ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۷)

خاتمہ ایمان پر ہونے کا عجیب واقعہ

ابوزرعہ علم حدیث کے مشہور امام ہیں۔ ان کے انتقال کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ ابو جعفر تستری کہتے ہیں کہ ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے اس وقت ابو حاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو مگر ابوزرعہؒ سے شرما رہے تھے۔ اور ان کو تلقین کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتداء کی حدثنا الضحاک بن مخلد عن عبدالحمید بن جعفر اور

اتنا کہہ کر رک گئے باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی' اس پر ابو زرعہؒ نے اسی جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا حدثنا بندار حدثنا ابو عاصم حدثنا عبد الحمید بن جعفر عن صالح بن ابی عریب عن کثیر بن مرۃ الحضرمی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللّٰہ " اتنا کہہ پائے تھے کہ طائر روح قفس عنصری سے عالم قدس کی طرف پرواز کر گیا' پوری حدیث یوں ہے " من کان آخر کلامہ لآ الہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ لا الٰہ الا اللّٰہ نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا)

سبحان اللہ! کیا خوش نصیب تھے اور حدیث شریف سے ان سعید روحوں کو کیسا گہرا تعلق تھا کہ دم واپسیں تک علم وعمل کا ساتھ رہا ۔ جزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین الی یوم الدین ۔ (جواہر پارے)

مرزائیت سے توبہ کا ایمان افروز واقعہ

مولانا لال حسین اختر پہلے پکے قادیانی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے ۔ ایک بار ان سے کسی نے پوچھا " آپ مرزائیت سے کیسے تائب ہوئے؟ " انہوں نے جواب دیا ۔

ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ ایک جگہ لوگ قطار میں کھڑے ہو رہے ہیں ۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے بندوبست ہو رہا ہے ۔ یہ سن کر میں بھی قطار میں لگ گیا لوگ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے اور ہر آدمی کے سر کے اوپر ایک بلب روشن تھا میں نے اپنا سر اوپر کر کے دیکھا تو میرے سر کے اوپر بلب تو ہے ۔ مگر بجھا ہوا ہے میں بہت افسردہ اور شرمندہ ہوا کہ سب کے سروں پر بلب روشن ہیں ۔ میں ہی بدقسمت ہوں کہ میرا بلب بجھا ہوا ہے ۔ اسی ندامت کے ساتھ میں آگے بڑھتا جا رہا تھا ۔ آخر میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچ گیا مگر بہت شرمندہ تھا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوپر دیکھو میں نے دیکھا تو میرا بلب بھی روشن تھا آنکھ کھلی تو یقین ہو گیا کہ اب تک میرے ایمان کا بلب بجھا ہوا تھا ۔ اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ والتفات سے روشن ہو گیا ۔ لہٰذا مرزائیت سے توبہ کر کے از سر نو مسلمان ہوا ۔

تحفظ ایمان کیلئے عظیم قربانی

"آپ کا بیٹا بس آج شام تک کا مہمان ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں"

ڈاکٹر کے یہ الفاظ سن کر مولانا رو پڑے اپنے بیٹے کو گھر لے آئے۔ گھر میں کھڑے اپنے بیٹے کی تیمارداری کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ مولانا دروازے پر گئے باہر ایک بوڑھے شخص کو کھڑے پایا۔ حضرتؒ نے سلام و دعا کے بعد پوچھا باباجی! خیریت سے آئے ہو؟ وہ کہنے لگا خیریت سے کہاں آیا ہوں۔ ہمارے علاقے میں ایک قادیانی مبلغ آیا ہوا ہے وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ پوری امت گمراہ ہو رہی ہے اور آپ گھر میں کھڑے ہیں۔

مولانا نے جیسے ہی یہ بات سنی آپؒ کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے۔ بیوی سے فرمایا بی بی! میرا بیگ کہاں ہے؟ بیوی نے بیگ اٹھا کر دیا اور آپؒ بیگ ہاتھ میں پکڑے گھر سے روانہ ہونے لگے۔ بیوی نے دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی۔ مولانا! آخری لمحات میں اپنے نوجوان بیٹے کو اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ مولانا نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور رو کر روانہ ہونے لگے تو جاں بلب بیٹے نے کہا ابا جان! میں آج کا مہمان ہوں چند لمحے تو انتظار کر لیجئے میری روح نکل رہی ہے مجھے اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟

مولانا نے اپنے نوجوان بیٹے کو بوسہ دیا رونے لگے اور فرمایا اے بیٹے! بات یہ ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی خاطر جا رہا ہوں کل قیامت کے دن حوض کوثر پر ہماری تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ یہ فرمایا اور گھر سے روانہ ہو گئے۔ اڈے پر پہنچے ابھی بس میں بیٹھے ہی تھے کہ چند لوگ دوڑتے آئے اور کہنے لگے کہ مولانا! آپ کا بیٹا فوت ہو چکا ہے۔ اس کا جنازہ پڑھاتے جایئے۔ مولانا نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور رو کر فرمانے لگے۔ جنازہ پڑھانا فرض کفایہ ہے اور امت محمدیہ کو گمراہی سے بچانا فرض عین ہے۔ فرض عین چھوڑ کر فرض کفایہ کی طرف نہیں جا سکتا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گئے اس علاقے میں پہنچے اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی وہ قادیانی مبلغ بھاگ گیا۔ مولانا تین دن کے بعد گھر واپس پہنچے۔ بیوی قدموں میں گر گئی اور رو کر کہنے لگی۔ مولانا! جب آپ جا رہے تھے تو بیٹا آپ کی راہ تکتا رہا اور کہتا رہا جب ابا جان واپس آ جائیں تو انہیں میرا سلام عرض کر دینا۔ مولانا نے جب یہ سنا تو

فوراً اپنے بیٹے کی قبر پر گئے اور دعا مانگنے لگے اے اللہ! ختم نبوت کے وسیلے سے میرے بیٹے کی قبر کو جنت کا باغ بنادے۔ مولانا دعا مانگ کر گھر واپس آئے تو رات بیٹے کو خواب میں دیکھا بیٹے نے اپنے ابا سے ملاقات کی اور کہا کہ رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم! ختم نبوت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے میری قبر کو جنت کا باغ بنادیا ہے۔ ختم نبوت کے اس مجاہد کو دنیا مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ مذکرہ دارالعلوم کبیر والا)

اللہ تعالیٰ موجود ہے

ایک فرانسیسی صحافی جو خدا کی ذات کا انکار کرتا تھا۔ افغانستان میں تقریباً چھ ماہ مختلف محاذوں اور مورچوں پر مجاہدین کے حالات و واقعات کو بغور دیکھا۔ مشاہدے کیے اپنے ملک واپس جا کر اس نے "رایت اللہ فی افغانستان" نام کی ایک کتاب لکھی جس میں وہ لکھتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے اللہ کو افغانستان میں دیکھ لیا کہ واقعی اللہ موجود ہے ۳۵ مجاہدین کلاشنکوفیں لے کر گئے اور دشمن کے ایک سو پچاس آدمیوں کو گرفتار کر کے لے آئے پچاس مجاہدین گئے اور دشمن کے اڑھائی سو ٹینک تباہ کر دیے۔ کبھی آسمان سے گھوڑوں کو دیکھتے ہیں کبھی دشمن کہتے ہیں کہ تمہارے گھوڑے جب زمین پر اترے ان سوار مجاہدین نے کوئی چیز ہماری طرف پھینکی ہم اندھے ہو گئے۔ کبھی کسی شہید کو دیکھا کہ اس کے خون سے خوشبو آ رہی ہے۔ کبھی کوئی مجاہد زخمی ہو گیا۔ دونوں ٹانگیں کٹ گئیں مگر آخری وقت میں بھی وصیت کرتا ہے کہ میرے ساتھیو! کبھی جہاد نہ چھوڑنا کہ جو چیز میں مرتے وقت دیکھ رہا ہوں تمہیں بھی نصیب ہو جائے۔

ایک عجیب عبرت انگیز واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کو ایک عجیب عبرت انگیز حکایت سناتا ہوں جو میں نے مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شیخ دہان (تاجر روغن) نے جو مکہ مکرمہ کے ایک بڑے عالم تھے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک عالم کا انتقال ہوا اور ان کو دفن کر دیا گیا' کچھ عرصہ کے بعد کسی دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کے وارثوں نے ان عالم صاحب کی قبر میں ان کو دفن کرنا چاہا مکہ مکرمہ میں یہ دستور ہے کہ ایک

قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان عالم صاحب کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ ان کی لاش کی بجائے ایک نہایت حسین لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے اور صورت دیکھنے سے وہ لڑکی یورپین معلوم ہوتی تھی۔ سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے اتفاق سے اس مجمع میں یورپ سے آنے والا ایک شخص بھی موجود تھا اس نے جو لڑکی کی صورت دیکھی تو کہا میں اس کو پہچانتا ہوں یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی اور ایک عیسائی کی بیٹی ہے یہ مجھ سے اردو پڑھتی تھی اور در پردہ مسلمان ہو گئی تھی میں نے اس کو دینیات کے چند رسالے بھی پڑھائے تھے۔ اتفاق سے بیمار ہو کر انتقال کر گئی اور میں دل برداشتہ ہو کر نوکری چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہو گئی کہ مسلمان اور نیک تھی لیکن اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ ان عالم صاحب کی لاش کہاں گئی بعض لوگوں نے کہا کہ شاید عالم کی لاش اس لڑکی کی قبر میں منتقل کر دی گئی اس پر لوگوں نے اس سیاح سے کہا کہ تم حج سے واپس ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر ذرا دیکھنا کہ اس میں مسلمان عالم کی لاش ہے یا نہیں اور کوئی صورت شناس بھی ساتھ کر دیا۔ چنانچہ وہ شخص یورپ واپس گیا اور لڑکی کے والدین سے اس کا یہ حال بیان کیا اس پر ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کو دفن تو کیا جائے فرانس میں اور تم اس کی لاش مکہ مکرمہ میں دیکھ لو۔ اخیر رائے یہ قرار پائی کہ اس لڑکی کی قبر کو کھودو۔ چنانچہ اس کے والدین اور چند لوگ اس حیرت انگیز معاملہ کی تفتیش کے لیے قبرستان چلے اور لڑکی کی قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ اس کے بجائے وہ مسلمان عالم قطع صورت وہاں دھرے ہوئے تھے جن کو مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا تھا۔ شیخ دہان نے فرمایا کہ اس سیاح نے کسی ذریعے سے ہم کو اطلاع دی کہ اس عالم کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے۔ اب مکہ مکرمہ والوں کو فکر ہوئی کہ لڑکی کا مکہ پہنچ جانا تو اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور اس کے مقبول ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی مگر اس عالم کا مکہ مکرمہ سے کفرستان میں پہنچ جانا کس بنا پر ہوا اس کے مردود ہونے کی کیا وجہ ہے۔ سب نے کہا کہ انسان کی اصلی حالت گھر والوں کو معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس کی بی بی سے پوچھنا چاہیے چنانچہ لوگ اس کے گھر گئے اور دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی اس نے کہا کچھ بھی نہیں وہ تو بڑا نمازی اور قرآن کا پڑھنے والا تہجد گزار تھا۔ لوگوں نے کہا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اس کی لاش دفن کے بعد مکہ مکرمہ سے

کفرستان میں پہنچ گئی ہے کوئی بات اسلام کے خلاف اس میں ضرور تھی اس پر بی بی نے کہا ہاں میں اس کی ایک بات پر ہمیشہ کھٹکتی تھی وہ یہ کہ جب وہ مجھ سے مشغول ہوتا اور فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے یہاں غسل جنابت فرض نہیں لوگوں نے کہا بس یہی بات ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس کی لاش کو مکہ مکرمہ سے اسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا۔ حضرات آپ نے دیکھا کہ یہ شخص ظاہر میں عالم متقی اور پورا مسلمان تھا مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی موجود تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقے کو اسلامی حکم پر ترجیح دیتا تھا اور استحسان کفر کفر ہے۔ اس لیے وہ شخص پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے۔ مگر خدا تعالیٰ کہیں ایسا بھی کر کے دکھلا دیتے ہیں تا کہ لوگوں کو عبرت ہو کہ بد حالی کا نتیجہ یہ ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ جو کافر ہوتا ہے اس میں اول ہی سے کوئی بات کفر کی ہوتی ہے جو تفتیش اور غور کے بعد ہم کو بھی معلوم ہو سکتی ہے مگر ہم غور نہیں کرتے اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان آریہ ہو گیا حالانکہ وہ پہلے ہی سے آریہ تھا اس میں اسلام تھا ہی نہیں مگر ہم کو اس کی بدحالی کا علم نہ تھا ورنہ جو مسلمان ہو گا وہ کبھی کافر نہیں ہو سکتا اسی لیے شیطان کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کہ وہ پہلے ہی کافروں میں سے تھا سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کرنے کے وقت ہی کافر نہیں ہوا جس کا راز اہل تحقیق نے اس طرح فرمایا ہے کہ

در لوح بد نوشتہ کہ ملعوں شود یکے	بردم گماں بہر کس و بر خود گماں نبود
آدم ز خاک بود و من از نور پاک او	گفتم منم یگانہ وا وخود یگانہ بود

یعنی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے لکھا ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک شخص کافر ہو گا (یعنی اس وقت اس کا کفر ظاہر ہو گا ۱۲) اور شیطان لوح محفوظ کو پڑھ کر اس واقعہ سے باخبر تھا کہ ایک شخص کافر ہونے والا ہے۔ مگر اس کو کبھی اپنے متعلق یہ احتمال نہ ہوا کہ شاید وہ میں ہی ہوں وہ اپنی طاعت و عبادت کی وجہ سے بے فکر تھا کہ بھلا اتنا بڑا عابد کبھی کافر ہو سکتا ہے ہرگز نہیں یہ کوئی اور شخص ہو گا۔ اس تکبر اور بے فکری ہی نے اس کو تباہ کیا (ورنہ ملائکہ کی یہ حالت تھی کہ اس خبر کو دیکھ کر سب کے سب تھراتے تھے کہ دیکھئے کس کی کم بختی آنے والی ہے اس تواضع اور خشیت ہی سے وہ مقبول و مکرم رہے ۱۲)

حاصل راز کا یہ ہوا کہ اس کا عجب و پندار اساس تھی کفر کی اور وہ اس میں پہلے ہی سے تھا جس کیلئے مردودیت لازم ہے۔ غرض شیطان پہلے ہی سے مقبول نہ تھا اس لیے مردود ہو گیا ورنہ جو مقبول ہو جاتا ہے وہ کبھی مردود نہیں ہوتا جیسے بالغ کبھی نابالغ نہیں ہوتا مگر یہ بھی خبر ہے کہ بالغ کون ہے۔ ہر زبان سے دعویٰ اسلام کرنے والا بالغ نہیں بلکہ بالغ وہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں:

خلق اطفالند جز مست خدا   نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(بجز مست (عشق) الٰہی کے تمام مخلوق (گویا) اطفال ہیں۔ پس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا)

یعنی جس نے اسلام کے بعد حکم الٰہی کے سامنے اپنی ہوا و ہوس کو فنا کر دیا ہو وہ بالغ ہے باقی سب نابالغ ہیں۔ پس جو شخص اسلام سے مرتد ہو کر اپنا نابالغ ہونا ظاہر کرتا ہے وہ ابھی تک بالغ ہوا نہیں بلکہ اس وقت تک نابالغ تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۲۲)

ایک بزرگ کی ایمانداری

حضرت حاجی ظفر احمد صاحبؒ تھانہ بھون میں رہنے والے تھے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مجاز صحبت تھے ہجرت کے بعد کراچی میں حیدری کے علاقے میں رہتے تھے۔ یہ حاجی ظفر احمد صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کے علاوہ تھے۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ ان کا واقعہ سناتے تھے کہ حضرت حاجی ظفر احمد صاحب پاکستان میں پہلے طالب علم تھے جو ولایت سے انجینئرنگ کا اعلیٰ کورس کر کے آئے تھے جبکہ ان سے پہلے لوگوں میں یہ تاثر تھا کہ یہاں کے لوگوں کا اتنا اونچا دماغ نہیں ہوتا کہ اتنا بڑا کورس کر سکیں مگر حاجی ظفر احمد صاحبؒ نے یہ تاثر ختم کر دیا ایک دفعہ پاکستان نے برطانیہ سے ایک بحری جہاز خریدنا چاہا اور حاجی صاحب کو نمائندہ بنا کر برطانیہ بھیجا کہ جہاز بنوا کر لے آئیں اور اس کی نگرانی کریں اس میں اچھے سے اچھا میٹریل لگوایا جائے جتنا خرچ ہوگا حکومت پاکستان ادا کرے گی چنانچہ حاجی صاحب برطانیہ تشریف لے گئے اور برطانیہ کی حکومت نے بھی اپنا ایک نمائندہ مقرر کیا ان دونوں نے جہاز کی تیاری میں پوری کوشش کی بالآخر جہاز تیار ہو گیا اب صرف قیمت کا مرحلہ رہ گیا تھا ایک دن انگریز نے جو حکومت برطانیہ کا نمائندہ

تھا حضرت حاجی صاحبؒ کو خلوت میں بلایا اور کہا کہ جہاز پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے لیکن ہم حکومت پاکستان کو دو لاکھ روپیہ بتائیں گے زائد جو ایک لاکھ ملے گا وہ ہم اور آپ آپس میں تقسیم کرلیں گے جب حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ سنا تو فرمایا کوئی نہ کوئی ہماری یہ بات سن رہا ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے تو انگریز اٹھ کر باہر گیا تو ایک چپڑاسی بیٹھا ہوا تھا اس کو کہا یہاں سے دور چلے جاؤ وہ دور چلا گیا واپس آکر کہا کہ اب کوئی نہیں سن رہا ہے اور نہ کوئی دیکھ رہا ہے صرف چپڑاسی تھا اس کو میں نے دور کردیا حاجی صاحبؒ نے کہا صرف چپڑاسی نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ ہمارا تمہارا خالق اور مالک ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہماری باتوں کو سن رہا ہے یہ سن کر انگریز اپنی بے ایمانی سے باز آیا اس سے حاجی صاحبؒ کا تقویٰ اور خوف خدا معلوم ہوا۔ (اصلاحی مضامین)

ایمان اور خدا خوفی کا واقعہ

ایک دفعہ حاجی ظفر احمد صاحبؒ جبکہ نوجوان تھے لندن جارہے تھے پاکستان کے ایک شخص لندن کے قریب کسی شہر میں رہتے تھے اور ان کا نکاح ہوچکا تھا دلہن پاکستان میں تھی اور رخصتی نہیں ہوئی تھی والدین چاہتے تھے رخصتی ہوجائے مگر اس وقت نہ دولہا پاکستان آسکتا تھا اور نہ پاکستان سے دلہن کا عزیز پہنچانے کیلئے لندن جاسکتا تھا دلہن والوں کو پتہ چلا کہ حاجی صاحبؒ لندن جارہے ہیں تو انہوں نے کہا ہماری لڑکی کو لندن لیتے جایئے اس کا دولہا لندن ایئرپورٹ پر منتظر ہوگا لڑکی اس کے سپرد کردیجئے ہم آپ کے شکرگزار ہونگے ہم آپ کے ساتھ اس کی ٹکٹ بنوادیتے ہیں حاجی صاحبؒ نے فرمایا غیر محرم کیساتھ سفر کرنا شرعاً جائز نہیں ہے میں ایسا نہیں کرسکتا۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے اکیلے تو اسکے ساتھ سفر نہیں کرنا بلکہ ہوائی جہاز میں اور لوگ بھی ہونگے یہ اپنی سیٹ پر بیٹھی رہیگی آپ صرف اس قدر خیال کیجئے کہ جہاز میں اس کیساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے نہ پائے حاجی صاحبؒ خاموش ہوگئے جس دن حاجی صاحبؒ کی روانگی ہوئی اس دن انہوں نے لڑکی کو جہاز میں بٹھادیا جب لندن کے ایئرپورٹ پر اترے تو دولہا وہاں موجود نہ تھا۔ اس کو فون کیا گیا کہ آکر اپنی دلہن کو سنبھال لو تو اس نے کہا اس وقت میں نہیں آسکتا کل میں دلہن کو لے لوں گا اب حاجی صاحبؒ بہت پریشان ہوئے کہ اب میں اس غیر محرم عورت کو کہاں لے جاؤں رات کا وقت

تھا سردی بے حد تھی لندن کی سردی مشہور ہے آخر ایک قریبی ہوٹل میں گئے اور دو کمرے کرائے پر لئے خیال تھا کہ ایک میں دلہن لیٹ جائیگی اور دوسرے میں میں آرام کروں گا مگر دلہن ضد ہو گئی کہ میں علیحدہ کمرے میں نہیں لیٹوں گی کافروں کا ملک ہے کوئی بدمعاش میرے اوپر زیادتی کرنے لگے تو میں کیا کرونگی۔ حاجی صاحبؒ نے بہت سمجھایا کہ میں تمہارے قریب والے کمرے میں ہوں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا مگر وہ نہ مانی اور ایک ہی کمرے میں لیٹنے پر اصرار کیا۔ حاجی صاحبؒ نے بہت سمجھایا کہ اجنبی عورت کیساتھ خلوت میں لیٹنا حرام ہے اور گناہ ہے مگر وہ نہ مانی۔ آخر حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم کمرے میں لیٹ جاؤ اور میں کمرے کے باہر دروازے پر بیٹھا رہوں گا اور تمہاری حفاظت کرونگا اور کسی بدمعاش کو تمہارے قریب نہیں آنے دونگا اس پر دلہن رضامند ہو گئی حاجی صاحب بیچارے کمرے کے دروازے کے باہر سردی میں کمبل لپیٹے بیٹھے رہے ساری رات بے آرام رہے مگر شریعت کے خلاف نہیں کیا اور کمرے کے اندر نہیں لیٹے۔ جب صبح ہو گئی دولہا آ گیا تو حضرت نے فرمایا بندہ خدا تو نے مجھے آزمائش میں ڈال دیا اپنی امانت سنبھالو۔ اس سے بھی حضرت حاجی صاحبؒ کا تقویٰ اور خوف خدا معلوم ہوا۔ (اصلاحی مضامین)

ایمان اور گناہ

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مومن گناہوں پر اصرار نہیں کر سکتا۔ ہاں کبھی خواہش غالب ہو جاتی ہے اور شہوت کی آگ بھڑک جاتی ہے تو ذرا اپنے مرتبہ سے نیچے اتر آتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایسا ایمان ہے جو گناہوں سے بغض پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس سے گناہوں کا پختہ ارادہ ہو سکتا ہے اور نہ فراغت کے بعد دوبارہ کرنے کا عزم ہو سکتا ہے۔ وہ اگر کسی سے ناراض ہوتا ہے تو زیادہ انتقام نہیں لیتا اور لغزشوں سے پہلے ہی توبہ کی نیت رکھتا ہے۔ غور کرو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حال پر کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سے دور کرنے سے پہلے ہی توبہ کا بھی عزم کر لیا۔ چنانچہ پہلے کہا "اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ" (یوسف کو مار ڈالو) پھر اس کو بڑا گناہ تصور کر کے کہا "اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا" (اس کو کہیں دور دراز علاقہ میں چھوڑ آؤ) پھر انابت

ہوئی تو کہا "وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ" (اس کے بعد تم لوگ نیکوکار ہو جانا) اسی طرح جب آپ کو صحرا میں لے گئے اور حسد کے تقاضے سے قتل کرنا چاہا تو بڑے بھائی نے کہا "لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ" (یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دو) اور اس میں بھی یہ خواہش نہیں کی کہ مر جائیں بلکہ "يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ" (اسے کوئی قافلہ لیتا جائے) پھر یہی کیا بھی۔

ان احوال کا سبب یہ ہے کہ ایمان اپنی قوت کے بقدر لوگوں کو گناہوں سے روکتا ہے۔ چنانچہ کبھی تو خیال ہی کے وقت روک دیتا ہے اور کبھی کمزور ہونے کے سبب عزم مصمم کے وقت روکتا ہے اور اگر غفلت غالب ہی ہو جائے اور گناہ صادر ہو جائے تو طبیعت سست پڑ جاتی ہے اس وقت عمل کے لیے اُٹھاتا ہے اور پے پر ندامت کے سبب اس گناہ سے حاصل ہونے والی لذت بہت کم ہو جاتی ہے (صید الخاطر)

لفظ "اللہ" کا کرشمہ

خواجہ غلام حسن سواک رحمہ اللہ بڑے معروف بزرگ گزرے ہیں، ان کا بڑا مشہور واقعہ ہے۔ اس واقعہ کے سینکڑوں لوگ گواہ موجود تھے۔ ایک جگہ ہندو مسلمان اکٹھے رہتے تھے۔ ہندوؤں نے مقدمہ کر دیا اور جج نے ان کو عدالت میں بلوالیا۔ حضرت عدالت میں پہنچے جج سے پوچھا کہ مجھے کیوں بلایا۔ اس نے کہا کہ جی آپ پر مقدمہ یہ ہے کہ آپ نوجوان ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بناتے ہیں۔ وہ بڑے حیران ہوئے، فرمانے لگے کہ میں زبردستی مسلمان بناتا ہوں؟ کہا ہاں: تو یہ کہہ کر وہ ہندوؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں سے جو آدمی قریب تھا اس کی طرف دیکھ کر کہا "اللہ" ان کا "اللہ" کہنا تھا کہ اس ہندو نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے پھر تیسرے کی طرف پانچ ہندوؤں کی طرف اشارہ کر کے "اللہ" کا لفظ کہا اور پانچوں ہندوؤں نے کلمہ پڑھا۔ جج نے یہ دیکھ کر انکا مقدمہ ہی خارج کر دیا۔ سینکڑوں لوگوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس "اللہ" کے نام کی عجیب برکات ہیں۔ ہاں! ہمیں یہ نام لینا نہیں آتا۔ ذرا لیکر تو دیکھیں تب پتہ چلے گا، جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہہ دیا "تبارک اسم ربک" برکت والا نام ہے تیرے رب کا" ہم

پہلے یہ نام پکارنا تو سیکھیں پھر اسکی برکتیں دیکھیں گے۔ اللہ والے یہ "اللہ" کہنا سکھاتے ہیں۔ اس کو پہلے دل میں اتارنا پڑتا ہے پھر یہ دل سے نکلتا ہے تو اسکی ایک تاثیر ہوتی ہے۔ "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔" (مختصر پراثر)

حضرت خضر علیہ السلام کا تعجب خیز ایمانی قصہ

حافظ ابونعیم اصبہانی اس طریق سے حضرت ابوامامہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کو فرمایا! کیا میں تم کو خضر کے متعلق نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خضر ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چلے جارہے تھے کہ ایک مکاتب شخص نے آپ کو دیکھا اس نے صدائے بھیک لگائی کہ مجھ پر کچھ صدقہ کرو اللہ آپ کو برکت دے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو تجھے دے سکوں۔ تو فقیر نے پھر صدا لگائی، میں تجھ سے اللہ کی ذات کے طفیل سوال کرتا ہوں کیونکہ جب آپ نے مجھ پر صدقہ نہیں کیا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو میں نے آپ کے پاس برکت پہچان لی۔ خضر نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تجھ کو دوں مگر تو مجھے لے اور فروخت کر دے۔ مسکین نے کہا کیا یہ بات درست ہے؟ فرمایا بالکل میں تجھ کو حق ہی کہتا ہوں کیونکہ تو نے عظیم ذات کے طفیل مجھ سے سوال کیا ہے بس میں ہرگز اپنے رب کی ذات کے نام کی لاج کو نہ چھوڑوں گا مجھے فروخت کر ڈال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ پھر مسکین نے ان کو بازار لے جا کر چار سو درہم میں فروخت کر دیا اور آپ خریدار کے پاس ایک زمانہ تک یونہی بغیر کسی کام کاج کے فارغ رہے تو پھر اپنے مالک سے کہا آپ نے مجھے کسی بھلائی کے کام کے لئے ہی خریدا ہوگا تو مجھے کسی کام کا حکم کیجئے۔ مالک نے کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر بوجھ ڈالوں کیونکہ آپ سن رسیدہ شیخ اور بزرگ ہیں۔ فرمایا مجھ پر بار نہ ہوگا، تو مالک نے کہا پھر یہ پتھر منتقل کرو، حالانکہ وہ پتھر ایک دن میں چھ آدمیوں کے بغیر منتقل نہ کیا جا سکتا تھا (پتھر کیا تھا پوری چٹان تھی) تو پھر مالک اپنی کسی ضرورت کے لئے باہر نکلا اور واپس آیا تو دیکھا کہ پتھر اتنے ہی

وقت میں منتقل ہو چکا تھا۔ مالک نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا اور ایسی طاقت دکھائی جس کی مجھے امید نہ تھی پھر مالک کو سفر درپیش ہوا تو خضر نے فرمایا مجھے کوئی کام سونپتے جاؤ۔ مالک نے پھر کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر مشقت ڈالوں۔ آپ نے فرمایا مجھ پر کوئی مشقت نہ ہوگی تو مالک نے کہا تو پھر میرے گھر کی تعمیر کے لئے اینٹیں بناؤ۔

تو آدمی سفر پر چلا گیا، آ کر دیکھا تو عمارت تعمیر شدہ پائی، تو مالک (مارے تعجب کے) گویا ہوا میں اللہ کے نام سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کا کیا راستہ ہے؟ اور آپ کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا آپ نے مجھ سے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے اور اللہ کے نام پر سوال ہی نے مجھے غلامی میں ڈالا ہے اور میں تجھ کو بتلاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں وہی خضر ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہوگا، مجھ سے ایک مسکین نے سوال کیا تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو میں اسے دیتا، پھر اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا تو میں نے اپنی جان پر اس کو قدرت دے دی کہ مجھے فروخت کر دے تو اس نے مجھے فروخت کر ڈالا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا، پھر بھی سائل کو مسترد کر دیا گیا جبکہ وہ کچھ دینے پر قادر تھا تو قیامت کے روز وہ ایسے کھڑا ہوگا کہ اس کے جسم پر کوئی گوشت نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کی ہڈی حرکت کر سکے گی۔

تو مالک نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا، اے خدا کے پیغمبر میں نے آپ کو مشقت میں ڈال دیا اور مجھے کوئی علم نہ تھا، خضر علیہ السلام نے فرمایا! کوئی حرج نہیں آپ نے اچھا کیا اور ثواب کمایا، تو مالک نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے پیغمبر میرے گھر اور مال کے متعلق آپ جو اللہ کی مرضی سے حکم فرمائیں آپ کو اختیار ہے یا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں اور آپ کا راستہ چھوڑتا ہوں۔

تو آپ نے مجھے فرمایا یہ بات پسندیدہ ہے کہ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں تاکہ میں اپنے رب کی عبادت کروں، تو اس نے آپ کا راستہ صاف کر دیا، تو خضر نے فرمایا!

تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے غلامی میں ڈالا اور پھر اس نے مجھے اس سے نجات دی۔ (تاریخ ابن کثیر)

جان دے کر ایمان کی حفاظت

ایک مسلمان نے سڑک کے درمیان آ کر بلند آواز میں نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد۔ ان دنوں ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ ختم نبوت کے پروانے گولیوں لاٹھیوں جیلوں اور حوالاتوں کے کمرے لے رہے تھے جونہی اس نے نعرہ لگایا۔ پولیس والا آگے بڑھا اور اس کے گال پر زوردار تھپڑ مارا تھپڑ کھاتے ہی اس نے پھر کہا ختم نبوت زندہ باد اس بار پولیس والے نے اسے بندوق کا بٹ مارا۔ بٹ کھا کر وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں گرجا ختم نبوت زندہ باد اب تو پولیس والے اس پر جھپٹ پڑے۔ اُدھر وہ ہر تھپڑ ہر لات اور ہر بٹ پر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگاتا چلا گیا۔ وہ مارتے رہے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گیا۔ اسی حالت میں اٹھا کر فوجی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے عدالت میں داخل ہوتے ہی نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد۔ فوجی نے فوراً کہا۔ ایک سال کی سزا ایک سال کی سزا کا سن کر اس نے پھر نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد فوجی نے پھر کہا تین سال سزا۔ اس نے پھر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ غرض وہ ایک ایک سال کر کے سزا بڑھاتا چلا گیا۔ یہ ختم نبوت کا نعرہ لگاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سزا بیس سال تک پہنچ گئی۔

بیس سال کی سزا سن کر بھی اس نے کہا ختم نبوت زندہ باد اس پر فوجی نے جھلا کر کہا باہر لے جا کر گولی ماردو۔ اس نے گولی کا حکم سن کر کہا ختم نبوت زندہ باد ساتھ ہی خوشی کے عالم میں ناچنے لگا۔ ناچتے ہوئے بھی برابر نعرے لگا رہا تھا۔ ختم نبوت زندہ باد۔ ختم نبوت زندہ باد عدالت میں وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا۔ یہ دیوانہ ہے دیوانے کو سزا نہیں دی جا سکتی رہا کر دو۔ رہائی کا حکم سنتے ہی اس نے پھر کہا۔ ختم نبوت زندہ باد (میں بھی کہتا ہوں ختم نبوت زندہ باد آپ سب بھی کہیں ختم نبوت زندہ باد) (عالمی تاریخ جلد اول)

عبید بن عمیر رحمہ اللہ کی خدا خوفی

عبید بن عمیر مشہور تابعی گذرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فصیح زبان دی تھی ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بھی بیٹھا کرتے تھے اور ان کی دل پر اثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی۔ شادی شدہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا۔ یہ حسن بھی عجیب چیز ہے بڑے بڑے بہادر پہلوان اور سورما اس کی ایک انداز غلط نگاہ کے وار سے ڈھیر ہو کر بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں وہ بہادر جو کسی کے وارے میں نہ آتا تھا بسا اوقات حسن کی ایک بھولی سی نظر سے اس کے قلب وجگر کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی شوہر سے کہنے لگی" کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو" شوہر نے کہا" ہاں ایک شخص ہے" کہنے لگی" کون؟" عبید بن عمیر" اسے شرارت سوجھی کہنے لگی" آپ مجھے اجازت دیں۔ میں ابھی انہیں اسیر محبت بنائے دیتی ہوں" شوہر نے کہا" اجازت ہے" وہ عبید بن عمیر کے پاس آئی کہا" مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے" چنانچہ عبید بن عمیر مسجد حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے چہرے سے حجاب سرکایا اور اس کا چاند ایسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا" خدا کی بندی! اللہ سے ڈر" کہنے لگی" میں آپ پر فریفتہ ہو گئی ہوں۔ آپ میرے متعلق غور کر لیں" دعوت گناہ کی طرف اشارہ تھا۔ عبید بن عمیر اس کے جھانسے میں آنے والے کب تھے۔ ان کی حالت تو کہہ رہی تھی۔

اے باد بہاری! مت چھیڑ ہمیں لگ رہ اپنی تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

عبید نے اس سے کہا کہ میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں اگر تو نے صحیح اور درست جوابات دیئے تو میں تیری دعوت پر غور کر سکتا ہوں اس نے حامی بھری فرمایا" موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آ جائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟" کہنے لگی" ہرگز نہیں" فرمایا" جواب درست" فرمایا" لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جا رہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامے کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟" کہنے لگی" ہرگز نہیں" فرمایا" جواب درست" فرمایا" پل صراط کو عبور کرتے ہوئے تجھے اس گناہ کی خواہش ہو گی؟" کہنے لگی" ہرگز نہیں" فرمایا" جواب درست" فرمایا" اللہ کے سامنے اپنے اعمال کے سوال وجواب کے لئے جس وقت تو کھڑی ہو اس وقت اس گناہ میں تجھے رغبت ہو گی؟" کہنے لگی" ہرگز نہیں" فرمایا" جواب درست"

اس کے بعد اسے مخاطب کر کے کہا "اللہ کی بندی! اللہ سے ڈر اللہ نے تجھ پر انعام و احسان کیا ہے۔ اس کی نافرمانی نہ کر" چنانچہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی۔ دنیوی لذتیں اور شوخیاں اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں۔ شوہر نے پوچھا "کیا ہوا؟" کہنے لگی "مرد اگر عبادت کر سکتے ہیں تو ہم عورتیں کیوں نہیں کر سکتیں۔ ہم کیوں پیچھے رہیں" اور اس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہو کر ایک عابدہ اور پرہیزگار خاتون بن گئی اس کا آزاد منش شوہر اس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا "مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لئے بیوی بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا اس نے تو میری بیوی بگاڑ کر رکھ دی پہلے ہماری ہر رات شب زفاف تھی اب اس کی ہر شب شب عبادت بن گئی وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہو کر راہبہ بن چکی ہے" (کتاب الثقات لعجلی ... ج ۳ ص ۱۱۹)

واقعتاً مرد مؤمن کی نگاہ ایمان افروز سے بسا اوقات دل کی دنیا میں انقلاب آ جاتا ہے۔ اور عقل و خرد کی شوخی و مستی جلوہ ایمان کے سامنے دم توڑنے لگتی ہے۔

جلووں نے اہل ہوش کو کیسے شکست فاش دی
آئے تھے انکو ڈھونڈنے خود سے بھی بے خبر ہو گئے

(عالمی تاریخ جلد اول)

ایمان کی تاثیر

تاتاری جب بغداد کی سلطنت پر غالب آ گئے تو ان کے اندر احساس برتری پیدا ہو گیا، وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے بہت اونچا سمجھنے لگے ایک تاتاری شہزادہ ایک بار گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کے لئے جا رہا تھا، اس کے ساتھ اس کا کتا بھی تھا، راستے میں ایک مسلمان بزرگ ملے، اس نے مسلمان بزرگ کو اپنے پاس بلایا اور کہا: "تم اچھے ہو یا میرا کتا" مسلمان بزرگ نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: "اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو تو میں اچھا ورنہ تمہارا کتا اچھا" یہ جملہ اس وقت اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ تاتاری شہزادہ کا دل ہل گیا، وہ اس "ایمان" کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا جس پر آدمی کا خاتمہ نہ ہو تو وہ کتے سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اس تلاش کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ (عالمی تاریخ جلد اول)

درزی کی اذان کا عجیب ایمان افروز واقعہ

قاضی ابوالحسن محمد بن عبدالواحد الہاشمی نے ایک بڑے تاجر کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کسی بڑے حاکم پر میرا بہت زیادہ قرض تھا لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لیتا تھا اور مجھے میرا حق نہیں دیتا تھا جب میں قرض کے سلسلے میں اس کے پاس جاتا تو وہ صاف صاف جواب دے دیتا بلکہ اپنے نوکروں کے ذریعے مجھے تنگ بھی کرتا تنگ آ کر میں نے ایک وزیر سے شکایت کی لیکن کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا پھر میں شکایت لے کر اعلیٰ حکام کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن انہوں نے بھی میرا مسئلہ حل نہ کیا اب میں بالکل مایوس ہو چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس سے فریاد کروں۔

اچانک مجھے کسی نے کہا کہ تم فلاں درزی کے پاس کیوں نہیں جاتے جو فلاں مسجد کا امام بھی ہے میں نے کہا کہ بڑے بڑے حکام میرا کام نہ کروا سکے اور اس ظالم سے میرا حق نہ دلوا سکے یہ بے چارہ درزی کیا کرے گا اس نے کہا کہ جن جن کے پاس تم نے فریاد کی ہے۔ ان سب سے زیادہ اس درزی کا اس ظالم پر رعب اور دبدبہ ہے۔ لہٰذا تم اس درزی کے پاس ضرور جاؤ ان شاء اللہ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

تاجر کہتا ہے کہ غیر یقینی کیفیت میں میں اس درزی کے پاس پہنچا اور میں نے اس کے سامنے اپنا ایک مسئلہ بیان کیا وہ سنتے ہی فوراً مجھے لے کر اس ظالم کی طرف چلا وہ ظالم دیکھتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا اور اس کا اعزاز و اکرام کیا اس درزی نے صرف اس کو اتنا کہا کہ یا تو اس کا حق دے دو وگرنہ میں اذان دے دوں گا اس نے یہ سنتے ہی فوراً میرا سارا قرض ادا کر دیا۔

تاجر کہتا ہے کہ مجھے اس درزی کی خستہ حالت اور پھٹے پرانے کپڑوں کے باوجود اس حاکم کا اس کے سامنے سرنگوں ہونے پر بڑا تعجب ہوا پھر میں نے اس کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کیا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر میں اس قسم کے ہدیے قبول کرتا تو بہت بڑا مالدار ہوتا پھر میں نے اپنے تعجب اور دلی کیفیت کا اس کے سامنے اظہار کر کے اس سے حقیقت حال کے بارے میں سوال کیا۔

اس نے جواب دیا کہ اصل میں ہمارے محلے میں ایک خوبصورت نوجوان بڑے درجے کا ترکی حاکم رہتا تھا ایک روز اس کے سامنے ایک حسین و جمیل قیمتی لباس پہنے ہوئے ایک عورت

گزری جو حمام سے نکل کر آئی تھی اور وہ ترک حاکم شراب کے نشے میں مست تھا وہ عورت کو دیکھ کر اس کے ساتھ چمٹ گیا اور اسے زبردستی اپنے گھر میں داخل کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن عورت انکار کر رہی تھی اور زور زور سے پکار رہی تھی کہ اے میرے مسلمان بھائیو میں شادی شدہ ایک عورت ہوں یہ شخص میرے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے اور مجھے زبردستی اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے اور میرے شوہر نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ اگر غیر کے گھر میں رات گزری تو مجھے طلاق ہو جائے گی جس کی وجہ سے مجھے ایسی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا جو کبھی دور نہ ہوگی۔

درزی کہتا ہے کہ عورت کی فریاد سن کر میں کھڑا ہوا اور میں نے اس عورت کو اس ظالم کے پھندے سے آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے لوہے کے ڈنڈے سے مار مار میرا سر زخمی کر دیا اور وہ عورت کو زبردستی گھر میں لے جانے میں کامیاب ہو گیا میں نے وہاں سے واپس آ کر اپنا سر دھویا اور اس کی پٹی کی اور عشاء کی نماز پڑھائی نماز کے بعد میں نے لوگوں سے کہا کہ اس ظالم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس سے تم باخبر ہو چکے ہو اب ہم دوبارہ مل کر چلیں اور عورت کو اس کے ظلم سے نجات دلائیں پھر ہم سب نے جا کر اس کے گھر پر حملہ کر دیا جس پر اس کے نوکروں نے ہمیں چھریوں اور ڈنڈوں سے مارا اور خاص طور پر مجھے تو اتنا مارا کہ میں لہولہان ہو گیا اور ہمیں انتہائی ذلت کے ساتھ اپنے گھر سے نکال دیا تو میں اپنے گھر کی طرف چلا لیکن تکلیف کی شدت کی وجہ سے مجھے راستے کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا بمشکل میں گھر پہنچا اور آرام کے لئے بستر پر لیٹا لیکن نیند نہ آئی اور میں اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس عورت کو اس کے گھر پہنچا دوں تاکہ اس پر طلاق واقع نہ ہو۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں رات ہی کو اذان فجر دے دوں تاکہ وہ ظالم یہ سوچ کر کہ صبح ہو گئی ہے اس عورت کو چھوڑ دے اور وہ اپنے گھر پہنچ جائے چنانچہ میں اذان دینے کے لئے منارہ پر چڑھا اور میں اس ظالم کے گھر کے دروازہ کی طرف دیکھ رہا تھا اور اپنی قدیم عادت کے مطابق اذان سے پہلے بات کر رہا تھا تاکہ میں عورت کو نکلتے ہوئے دیکھوں پھر میں نے اذان دی لیکن وہ عورت اب تک نہیں نکلی پھر میں نے سوچا کہ اسی وقت فجر کی نماز کرا دوں تاکہ لوگوں کو صبح ہونے کا یقین ہو جائے اور ساتھ ساتھ میں اس عورت کے نکلنے کی طرف بھی دیکھ رہا تھا میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک شہسوار اور پیدل لوگوں کی

جماعت آئی اور انہوں نے سوال کیا کہ ابھی اذان کس نے دی تھی میں نے یہ سوچ کر کہ یہ لوگ میری کچھ مدد کریں گے میں نے کہا کہ اذان میں نے دی ہے۔

یہ سن کر انہوں نے مجھے نیچے اترنے کا حکم دیا چنانچہ میں نیچے اترا انہوں نے مجھے کہا کہ اسی وقت خلیفہ نے آپ کو بلوایا ہے انہوں نے مجھے پکڑ کر فوراً خلیفہ کے سامنے حاضر کر دیا میں جیسے ہی خلیفہ کو خلافت کی نشست پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں کانپنے لگا اور میں بہت زیادہ گھبرایا خلیفہ نے مجھے قریب ہونے کا حکم دیا میں قریب ہو گیا پھر انہوں نے کہا کہ تسلی سے بیٹھو کسی چیز کا خوف مت کرو اور مسلسل مجھے تسلی دیتے رہے حتیٰ کہ میرا خوف ختم ہوا اور مجھے اطمینان ہو گیا پھر خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے ہی بے وقت اذان کہی میں نے کہا جی ہاں اے امیر المومنین! انہوں نے دوبارہ سوال کیا کہ ابھی تک تورات کا اکثر حصہ باقی ہے اتنی جلدی تم نے اذان کیوں دی اور تم نے اس کے ذریعے روزہ رکھنے والوں نماز پڑھنے والوں سفر کرنے والوں کو دھوکے میں مبتلا کر دیا۔

میں نے عرض کیا اے امیر المومنین اگر آپ کی طرف سے جان بخشی کا وعدہ ہو تو میں اصل واقعہ سے آپ کو باخبر کر دوں انہوں نے وعدہ کر لیا پھر میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ جس کو سن کر خلیفہ غضب ناک ہو گیا اور حکم دیا کہ اسی وقت اس حاکم اور عورت کو جس حال میں بھی ہوں ان کو حاضر کروں چنانچہ فوراً انہیں حاضر کر دیا گیا عورت کو تو اسی وقت کچھ با اعتماد عورتوں کے ساتھ اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا اور ان سے کہہ دیا کہ اس کے شوہر سے کہہ دینا یہ عورت معذور اور بے قصور ہے اس لئے اس سے عفو اور نرمی کا معاملہ کریں پھر اس حاکم نوجوان ترکی سے پوچھا کہ بیت المال سے تیرا کتنا وظیفہ مقرر ہے اور اس وقت تیرے پاس کتنا مال کتنی باندیاں اور بیویاں ہیں؟ اس کے بتانے پر معلوم ہوا کہ مذکورہ چیزیں اس کے پاس وافر مقدار میں ہیں۔

خلیفہ نے اس سے کہا کہ تیرا ستیاناس ہو اللہ کی دی ہوئی اس قدر نعمتوں کے بعد بھی تو نے اللہ کی حرمت کی ہتک کی اور اس کی حدود سے تجاوز کیا اور خلیفہ کے خلاف تو نے اتنا بڑا اقدام کیا اور پھر مزید اس پر ظلم یہ کہ منع کرنے والے کی پٹائی کی اور اسے لہولہان کر دیا اور اس کی بے عزتی کی لیکن اس کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

خلیفہ نے اس کو ذلت کا لباس پہنوا کر اور پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں پھندا ڈلوا کر اس کی سخت پٹائی لگوائی اور پھر اسے دریا میں ڈلوا دیا یہی اس کا آخری انجام ہوا۔

پھر پولیس والے کو حکم دیا کہ اس کے گھر میں موجود اموال سامان وغیرہ سب کو اپنی تحویل میں لے لیا جائے اور اس مرد صالح درزی کو کہا کہ جب بھی تم کبھی چھوٹی بڑی برائی دیکھو چاہے یہ پولیس والے ہی کریں تو مجھے باخبر کر دینا اگر ہماری ملاقات ہو سکے تو ٹھیک ورنہ چاہے یہی وقت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور وقت ہو اذان دے دینا۔

درزی نے اس تاجر سے کہا کہ خلیفہ کے خوف کی وجہ سے اب جب بھی میں اس کے ارکان میں سے کسی کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہوں تو وہ فوراً اس پر عمل پیرا ہوتا ہے لیکن اس واقعہ کے بعد اب تک مجھے اس قسم کی اذان دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ (تاریخ ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اہمیت ایمان کا عجیب پر اثر واقعہ

حضرت شیخ ابو عبداللہ مشہور شیخ المشائخ اندلس کے اکابر اولیاء اللہ میں ہیں ہزاروں خانقاہیں ان کے دم سے آباد ہزاروں مدارس ان کے فیض سے جاری۔ ہزاروں شاگرد ہزاروں مریدین آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک دفعہ با ارادہ سفر تشریف لے گئے ہزاروں مشائخ وعلماء ہمرکاب ہیں جن میں حضرت جنید بغدادیؒ حضرت شبلیؒ بھی ہیں۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات و برکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گزر ہوا۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا بستی میں پانی نہ ملا۔ بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔ حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ تین دن کامل گزر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ حضرت شبلیؒ کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تھے تیسرے دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا یا شیخ! آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آ چکی ہے کہ تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔"

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اے میرے سردار! آپ اہل عراق کے

پیر و مرشد علم و فضل ۔ زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں ۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے ۔ بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے ۔

شیخ نے فرمایا ''میرے عزیز! میرا تمہارا نصیب ۔ تقدیر خداوندی ہو چکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں ۔'' یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا ''اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ۔''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا ۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے ۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی ۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے ۔ جب ہم نے واپس آ کر یہ واقعات سنائے تو شیخ کے مریدین میں کہرام مچ گیا ۔ چند آدمی تو اسی وقت غم و حسرت میں عالم آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گڑ گڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقلب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے ۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے ۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہ کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا ۔ اس گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سور چرا رہا ہے ۔ ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟

گاؤں والوں نے بتایا کہ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی ۔ اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور ہے ۔ ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے ۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا ۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سور چرا رہے تھے ۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر میں زنار بندھا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے ۔ جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا ..... شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا ۔ ہم نے قریب

پہنچ کر السلام علیکم کہا شیخ نے کسی قدر دبی آواز سے وعلیکم السلام کہا حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ ”اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے آج تمہارا کیا حال ہے“؟

شیخ نے فرمایا ”میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں ۔میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے ۔اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر وغضب سے ڈرو ۔اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو۔“ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ ”اے میرے مولیٰ! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا“ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا ”اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔“

شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا ”اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔“

خنزیر ان کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی ان کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے بھی رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ ادھر شیخ بھی زار زار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ۔ آپ حافظ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأتوں سے پڑھا کرتے تھے اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے“؟

شیخ نے کہا ”اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔ ایک تو یہ ہے:

”وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ“

(جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں.... بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

اور دوسری یہ ہے ”وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ“

(جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا.... تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا)

حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں ۔اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے۔؟

شیخ نے کہا "صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی من بدل دینه فاقتلوه (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور باواز بلند شہادتیں اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ پڑھتے جاتے ہیں۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔ بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلا کا کوئی سبب تھا تو شیخ نے فرمایا" ہاں جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کمبخت کیسے جاہل واحمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو؟

اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔"

بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب شیخ بحال ہو کر اپنی خانقاہ میں چلے گئے اور پھر اصلاح امت کی خدمت میں لگ گئے تو وہ عیسائی کی لڑکی کہتی تھی کہ ہمارے شیخ کہاں گئے وہ ان کی جدائی میں بے چین تھی اور تلاش کرتی تھی۔ اس کو ایک شخص ملا اور کہا کہ تم اس قدر بے چین کیوں ہو اس نے اپنا واقعہ سنایا انہوں نے کہا کہ آنکھ بند کرو اس نے آنکھ بند کر لی پھر کہا کہ اب آنکھ کھولو تو اس لڑکی نے دیکھا کہ شیخ کی خانقاہ سامنے ہے اور وہ اس میں تشریف فرما ہیں لڑکی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی حضرت شیخ عبداللہ اندلسیؒ نے فرمایا کہ اب مجھے شادی کی ضرورت نہیں ہے لڑکی نے کہا کہ میں مسلمان ہو رہی ہوں اور آپ کے پاس رہ کر اسلام کی تعلیم کے مطابق زندگی گزاروں گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرما لیا۔ وہ لڑکی دن

رات عبادت اور ذکر میں مصروف رہتی تھی اور ولیہ بن گئی اور چند سال کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا کر دفن کرا دیا۔

اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے مخلصین بندوں کی مدد فرماتے ہیں اور تنبیہ کے طور پر کسی کوتاہی اور بھول پر سزا بھی دیتے ہیں اسی لئے اولیاء اللہ چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو اور غلطیوں کو بھی گناہ کبیرہ کہتے ہیں کیونکہ بعض مرتبہ چھوٹی غلطی بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عام لوگوں سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں مگر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوتی اور مقربین کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی پکڑ ہو جاتی ہے مگر وہ حضرات چھوٹی سی غلطی پر اس قدر نادم ہو کر روتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ان کے رحم و کرم سے بدل جاتا ہے۔ باری توبہ کرنے والے اور معافی مانگنے والے اپنے اولیاء کی توبہ کو قبول فرما کر ان کے مقام کو پہلے سے بہت زیادہ بلند فرما دیتے ہیں جیسا کہ حضرت شیخ ابو عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ کو آپ لوگوں نے سنا۔ اگر بندہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے تو وہ رحیم و کریم ہیں بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما کر ان کی جگہ پر حسنات شامل فرما دیتے ہیں اسلئے تمام بندگان خداوندی کو اپنی زندگی کے ہر لمحہ کی قدر کرنی چاہئے اور باری تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا چاہئے۔ (مجالس حکیم الاسلام جلد دوم)

ایک نصرانی راہب کے ایمان لانے کا واقعہ

حضرت ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا راستہ میں ایک نصرانی راہب مجھے ملا جس کی کمر میں زنار (یعنی دھاگہ وغیرہ جو کفر کی علامت کے طور پر کافر باندھتے ہیں) بندھ رہا تھا اس نے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی (کافر فقیر اکثر مسلمان فقراء کی خدمت میں رہتے چلے آئے ہیں) میں نے ساتھ لے لیا سات دن تک ہم چلتے رہے (نہ کھانا نہ پینا) ساتویں دن اس نصرانی نے کہا اے محمدی کچھ اپنی فتوحات دکھاؤ (کئی دن ہو گئے کچھ کھایا نہیں) میں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے دعا کی کہ یا اللہ اس کافر کے سامنے مجھے ذلیل نہ فرما میں نے دیکھا کہ فوراً ایک خوان سامنے رکھا گیا جس

میں روٹیاں' بھنا ہوا گوشت اور تر و تازہ کھجوریں اور پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا ہم دونوں نے کھایا پانی پیا اور چل دیئے' سات دن تک چلتے رہے۔ ساتویں دن میں نے (اس خیال سے کہ وہ نصرانی پھر نہ کہہ دے) جلدی کر کے اس نصرانی سے کہا کہ اس مرتبہ تم کچھ دکھاؤ اب کے تمہارا نمبر ہے۔ وہ اپنی لکڑی پر سہارا لگا کر کھڑا ہو گیا اور دعا کرنے لگا جب ہی دو خوان جن میں ہر چیز اس سے دگنی تھی جو میرے خوان پر تھی سامنے آ گئی۔ مجھے بڑی غیرت آئی میرا چہرہ فق ہو گیا اور میں حیرت میں رہ گیا اور میں نے رنج کی وجہ سے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نصرانی نے مجھ پر کھانے کا اصرار کیا مگر میں عذر ہی کرتا رہا اس نے کہا کہ تم کھاؤ میں تم کو دو بشارتیں سناؤں گا۔ جن میں سے پہلی یہ ہے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمان ہو گیا ہوں اور یہ کہہ کر زنار توڑ پھینک دیا اور دوسری بشارت یہ ہے کہ میں نے جو کھانے کیلئے دعا کی تھی وہ یہی کہہ کر کی تھی کہ یا اللہ اس محمدی کا اگر تیرے یہاں کوئی مرتبہ ہے تو اس کے طفیل تو ہمیں کھانا دے۔ اس پر یہ کھانا ملا ہے اور اسی وجہ سے میں مسلمان ہوا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کھانا کھایا پھر آگے چل دیئے آخر مکہ مکرمہ پہنچے حج کیا اور وہ نو مسلم مکہ ہی میں ٹھہر گیا وہیں اس کا انتقال ہوا۔ غفر اللہ لہ۔ (جواہر پارے)

روئے انور کو دیکھ کر ایمان لانے کی سعادت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے' توراۃ پر عبور حاصل تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے روئے انور کی زیارت کے بعد اسلام قبول کر لیا' پہلے آپ کا نام حصین تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن سلام نام رکھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کو دیکھنے کیلئے حاضر ہوا۔

فلما تبینت وجھہ عرفت انہ لیس بوجہ کذاب

جب میں نے آپ کے چہرہ انور کو دیکھا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی طرح اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے دیکھنے ہی سے مسلمان ہو گئے تھے۔ (جواہر پارے)

جادوگروں کے مسلمان ہو جانے کی وجہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"سیر کی روایت میں ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کیلئے ساحرین (جادوگروں) کو جمع کیا تو وہ لوگ اسی لباس میں آئے تھے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس تھا۔ آخر مقابلہ ہوتے ہی تمام ساحرین (جادوگر) مسلمان ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خداوندی میں عرض کیا کہ یا الٰہی یہ سامان فرعون کے اسلام کیلئے ہوا تھا کیا سبب کہ اس پر فضل نہ ہوا اور ساحرین کو ایمان کی توفیق ہو گئی؟ ارشاد ہوا اے موسیٰ یہ تمہاری سی صورت بن کر آئے تھے۔ ہماری رحمت نے پسند نہ کیا کہ ہمارے محبوب کے ہم وضع لوگ دوزخ میں جائیں' اس لئے ان کو توفیق ہو گئی اور فرعون کو چونکہ اتنی مناسبت بھی نہ تھی' اس لئے اس کو یہ دولت نصیب نہ ہو گی۔ (جواہر پارے)

پانچ سو پادریوں کا قبول اسلام

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ایک دن میں مراقبہ میں اپنی خلوت وراحت سے لذت حاصل کر رہا تھا نیز اپنی فکر میں مستغرق اور اپنے ذکر سے انسیت حاصل کر رہا تھا۔ اچانک میرے گوشہ دل میں آواز آئی کہ ابویزید دیر سمعان جاؤ اور وہاں کے راہبوں کے ساتھ ان کی عید وقربانی میں شریک ہو جہیں وہاں ایک عظیم معاملہ درپیش ہے۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آواز کو وسوسہ خیال کر کے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہی اور میں نے (جی میں) کہا کہ میں اس وسوسہ کو خاطر میں نہیں لاتا' جب رات ہوئی تو ہاتف غیبی نیند میں آیا اور وہی بات دہرائی (کہ بایزید دیر سمعان جاؤ) میں بیدار ہوا تو بے قرار ہو کر لرزنے کانپنے لگا' مجھ پر اس کلام کا اتنا اثر تھا کہ مفلوج آدمی سنے تو کھڑا ہو جائے۔ مجھے دوران مراقبہ کہا گیا کہ (بایزید) تم ہمارے نزدیک اولیاء اخیار میں سے ہو اور ابرار (نیک لوگوں) کے رجسٹر میں تمہارا نام درج ہے۔ تم کچھ محسوس نہ کرو اور راہبوں کا بھیس بدل لو اور ہماری خاطر زنار باندھ لو اس سلسلہ میں تم پر کسی قسم کا کوئی گناہ اور نکیر نہ ہوگی۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں صبح سویرے اٹھا اور حکم الٰہی کے پورا کرنے میں لگ گیا' میں نے راہبوں کا بھیس بدلا اور ان کے ساتھ دیر سمعان چلا آیا جب ان راہبوں کا بڑا پادری آیا اور یہ سب اس کے گرد اکٹھے ہوئے اور خاموش ہو کر اس کے کلام کو سننے کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کیلئے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا اور قوت گویائی نہ رہی گویا اس کے منہ میں لگام ڈال دی گئی ہے سارے راہب اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے حضور کیا بات پیش آگئی ہے کہ آپ کچھ کلام نہیں فرما رہے' ہم آپ کے کلام سے راہ یاب ہوتے ہیں اور آپ کے علم کی اقتداء کرتے ہیں' پادری بولا کہ مجھے کلام کرنے

اور تقریر کا آغاز کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان ایک رجل محمدی آ گیا ہے اور وہ آیا ہے تمہارے دین کو جانچنے اور تم پر زیادتی کرنے کیلئے وہ سارے بولے کہ آپ ہمیں بتلایئے وہ کون ہے ہم ابھی اسے قتل کئے دیتے ہیں وہ پادری کہنے لگا کہ نہیں کسی کو بغیر دلیل و برہان کے قتل کرنا صحیح نہیں میرا خیال ہے کہ میں اس (رجل محمدی) کا امتحان لیتا ہوں اور اس سے علم الادیان سے متعلق چند مسائل دریافت کرتا ہوں اگر اس نے ان کا جواب دے دیا اور اچھی طرح بیان کر دیا تو ہم اسے چھوڑ دینگے ورنہ مار ڈالیں گے۔ ضابطہ بھی ہے کہ امتحان کے وقت آدمی کی یا تو عزت ہوتی ہے یا وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے وہ سارے پادری بولے ٹھیک ہے جناب کی جو رائے ہو اس کے مطابق عمل کریں ہم تو استفادے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں وہ بڑا پادری اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا اور یوں پکارا کہ اے رجل محمدی تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ تو اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا کہ نگاہیں تجھے دیکھ سکیں۔ حضرت بایزیدؒ اٹھے اور اللہ جل شانہ کی تسبیح و تنزیہ کرنے لگے۔

پادری نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے رجل محمدی میرا ارادہ ہے کہ میں تجھ سے کچھ سوالات کروں اگر تو نے ان کے جوابات دے دیئے اور ان کی اچھی تشریح کر دی تو ہم تیری پیروی کر لیں گے اور اگر تو ان کے جوابات نہ دے سکا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ منقولات و معقولات میں سے جو چاہو پوچھو ہماری جو باتیں ہوں گی اللہ اس پر گواہ ہے۔

۱۔ آپ ہمیں ایسا ایک بتلایئے جس کا دوسرا نہیں۔

۲۔ اور ایسے دو جن کا تیسرا نہیں۔

۳۔ اور ایسے تین جن کا چوتھا نہیں۔

۴۔ اور ایسے چار جن کا پانچواں نہیں۔

۵۔ اور ایسے پانچ جن کا چھٹا نہیں۔

۶۔ اور ایسے چھ جن کا ساتواں نہیں۔

۷۔ اور ایسے سات جن کا آٹھواں نہیں۔

۸۔ اور ایسے آٹھ جن کا نواں نہیں۔

۹۔ اور ایسے نو جن کا دسواں نہیں۔

۱۰۔ اور عشرہ کاملہ کے بارے میں بتلایئے۔

۱۱۔ اور ہمیں گیارہ کے بارے میں بتلایئے۔

۱۲۔ اور بارہ کے بارے میں خبر دیجئے۔

۱۳۔ اور تیرہ کے بارے میں بتلایئے ان سے کیا مراد ہے۔

۱۴۔ اور بتلایئے کہ وہ کون سی قوم تھی جس نے جھوٹ بولا اور جنت میں گئی اور وہ کون سی قوم ہے جس نے سچ بولا اور جہنم میں پہنچی؟

۱۵۔ اور بتلایئے کہ انسانی جسم میں اس کے نام رہنے کی جگہ کہاں ہے؟

۱۶۔ اور ذاریات ذروا۔

۱۷۔ حاملات وقرا۔

۱۸۔ جاریات یسرا۔

۱۹۔ اور مقسمات امرا کے بارے میں بتلایئے ان سے کیا مراد ہے؟

۲۰۔ اور وہ چیز بتلایئے جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے۔

۲۱۔ اور ان چودہ کے بارے میں بتلایئے جنہوں نے اللہ رب العزت سے کلام کیا۔

۲۲۔ اور وہ قبر بتلایئے جو اپنے مردہ کو لئے پھرتی رہی۔

۲۳۔ اور ایسا پانی بتلایئے جو نہ زمین سے نکلا اور نہ آسمان سے برسا۔

۲۴۔ اور ان چار کے بارے میں بتلایئے جو نہ باپ کی پیٹھ سے نکلے اور نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

۲۵۔ اور بتلایئے کہ زمین پر سب سے پہلے خون کونسا بہایا گیا۔

۲۶۔ اور وہ چیز بتلایئے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور پھر خرید لیا۔

۲۷۔ اور وہ چیز بتلایئے جس کو اللہ نے پیدا کیا پھر اس کو برا بتلایا۔

۲۸۔ اور وہ چیز بتلایئے کہ جس کو اللہ نے پیدا کیا اور بڑا بتلایا۔

۲۹۔ اور وہ چیز بتلایئے کہ جس کو اللہ نے پیدا کیا اور اس کے بارے میں سوال کیا۔

۳۰۔ بتلایئے عورتوں میں سب سے افضل عورتیں کون سی ہیں؟

۳۱۔ دریاؤں میں سب سے افضل دریا کونسے ہیں؟

۳۲۔ پہاڑوں میں سب سے افضل پہاڑ کون سا ہے؟

۳۳۔ چوپایوں میں سب سے افضل چوپایہ کونسا ہے؟

۳۴۔ مہینوں میں سب سے افضل مہینہ کونسا ہے؟

۳۵۔ اور راتوں میں سب سے افضل رات کونسی ہے؟

۳۶۔ اور طامہ کسے کہتے ہیں بتلایئے؟

۳۷۔ اور ایسا درخت بتلایئے جس میں بارہ ٹہنیاں اور ہر ٹہنی پر تیس پتے اور ہر پتے پر پانچ پھول دو دھوپ میں کھلتے ہیں اور تین سایہ میں۔

۳۸۔ اور وہ چیز کون سی ہے جس نے بیت اللہ کا طواف کیا' حج کیا' حالانکہ اس پر نہ حج فرض اور نہ اس میں روح۔

۳۹۔ اور بتلایئے اللہ نے کتنے نبی بھیجے؟

۴۰۔ اور ان میں کتنے رسول ہوئے؟

۴۱۔ اور ایسی چار چیزیں بتلایئے کہ جن کا ذائقہ اور رنگ مختلف اور ان سب کی اصل ایک ہے۔

۴۲۔ اور نقیر' قطمیر اور فتیل کے بارے میں بتلایئے۔

۴۳۔ اور بتلایئے سبد اور لبد کیا چیز ہوتی ہے؟

۴۴۔ اور بتلایئے طم اور رم سے کیا مراد ہے؟

۴۵۔ اور بتلایئے کہ کتا جب آواز کرتا ہے تو کیا کہتا ہے؟

۴۶۔ اور گدھا جب بولتا ہے تو کیا کہتا ہے؟

۴۷۔ بیل کیا بولتا ہے؟

۴۸۔ گھوڑا ہنہناتے وقت کیا کہتا ہے؟

۴۹۔ اونٹ کیا کہتا ہے؟
۵۰۔ مور کیا گاتا ہے؟
۵۱۔ تیتر کیا بولتا ہے؟
۵۲۔ بلبل چہچہاتے وقت کیا گاتی ہے؟
۵۳۔ مینڈک اپنی تسبیح میں کیا کہتا ہے؟
۵۴۔ ناقوس سے کیا آواز آتی ہے؟
۵۵۔ ایسی قوم بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی جانب وحی فرمائی حالانکہ نہ وہ انسان ہے نہ جنات نہ فرشتے۔
۵۶۔ اور بتلایئے کہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں رہتا ہے؟

(جب پادری اتنے سوالات کر چکا تو) حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا اور کچھ پوچھنا ہے؟ پادری بولا نہیں اور کچھ نہیں پوچھنا (آپ صرف انہی سوالات کے صحیح صحیح جوابات دے دیجئے اور ہماری باتوں کو وضاحت سے بیان کر دیجئے) حضرت بایزید بسطامی نے پھر یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں تمام باتوں کے صحیح صحیح جواب دے دوں تو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ گے۔ تمام بولے ہاں' ہم ضرور ایمان لے آئیں گے حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

اللھم انت الشاھد علی ما یقولون۔ اے اللہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں تو اس پر گواہ ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے جوابات

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے جواب دینے شروع کئے اور فرمایا۔

۱۔ ایسا ایک جس کا دوسرا نہیں وہ اللہ واحد و قہار ہے۔
۲۔ اور ایسے دو جن کا تیسرا نہیں وہ رات اور دن ہے' اللہ رب العزت نے فرمایا۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ۔ اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے۔
۳۔ اور ایسے تین جن کا چوتھا نہیں وہ عرش' کرسی اور قلم ہے۔

۴۔اور ایسے چار جن کا پانچواں نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چاروں کتابیں تورات' زبور انجیل اور قرآن پاک ہیں۔

۵۔اور ایسے پانچ جن کا چھٹا نہیں وہ پانچ نمازیں ہیں جن کا ہر مسلمان مرد وعورت کو پڑھنا فرض ہے۔

۶۔اور ایسے چھ جن کا ساتواں نہیں وہ چھ دن ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ذکر فرمایا ہے۔وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں۔

۷۔اور ایسے سات جن کا آٹھواں نہیں وہ ساتوں آسمان ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا. وہی تو ہے جس نے بنائے سات آسمان تہہ بہ تہہ۔

۸۔اور ایسے آٹھ جن کا نواں نہیں تو وہ عرش الٰہی کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ۔اور اٹھائے ہوئے ہوں گے آپ کے رب کا عرش اس روز آٹھ فرشتے۔

۹۔اور ایسے نو جن کا دسواں نہیں تو وہ نو شخص ہیں جو شہر میں فساد پھیلاتے تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وَكَانَ فِی الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ اور اس شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

۱۰۔اور عشرہ کاملہ سے مراد وہ دس دن ہیں جن میں متمتع ہدیہ نہ ہونے کی صورت میں روزہ رکھتا ہے۔ارشاد ربانی ہے۔فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ پس روزے رکھنے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے اس وقت جب تم واپس لوٹو یہ پورے دس دن ہوئے۔

۱۱۔ رہا تمہارا سوال گیارہ کے بارے میں تو وہ برادران یوسف ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کی جانب سے حکایۃً فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے۔انی رایت احد عشر کوکبا۔میں نے دیکھا (خواب میں) گیارہ ستاروں (یعنی بھائیوں) کو۔

۱۲۔اور بارہ کے متعلق تمہارا سوال تو ان سے مراد بارہ مہینے ہیں' اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ بلاشبہ اللہ کے یہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں۔ اللہ کے حکم میں۔

۱۳۔ اور تمہارا سوال تیرہ کے متعلق تو اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ بے شک میں نے دیکھا ہے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو میں نے دیکھا انہیں کہ یہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

۱۴۔ رہا تمہارا سوال ایسی قوم کے بارے میں جس نے جھوٹ بولا اور جنت میں گئی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ جنہوں نے یہ کہا تھا اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ابا جان ہم دوڑنے لگے آگے نکلنے کو اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا اسے بھیڑیا کھا گیا۔ یہ بات انہوں نے جھوٹ کہی تھی لیکن پھر بھی جنت میں گئے (کیونکہ توبہ کرلی تھی) اور وہ قوم جس نے سچ بولا پھر بھی جہنم میں گئی تو وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہ کہا وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی راہ پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی راہ پر نہیں ہیں۔ انہوں نے یہ بات تو سچ کہی ہے لیکن پھر بھی جہنم میں گئے (اس لئے کہ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے)

۱۵۔ رہا تمہارا یہ سوال کہ تمہارے جسم میں تمہارے نام رہنے کی جگہ کہاں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا نام رہنے کی جگہ تمہارے کان ہیں۔

۱۶۔ ذاریات ذروا سے مراد چاروں ہوائیں ہیں۔

۱۷۔ حاملات وقرا سے مراد بادل ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے۔ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور بادل میں جو کہ مسخر ہے آسمان وزمین کے درمیان۔

۱۸۔ جاریات یسرا سے مراد دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں۔

۱۹۔ اور مقسمات امرا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو نصف شعبان سے اگلے نصف شعبان تک مخلوق کی روزی تقسیم کرنے پر مقرر ہیں۔

۲۰۔ اور وہ چودہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا سو وہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ پھر فرمایا آسمان اور زمین سے کہ چلے آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے بولے آئے ہم خوشی سے۔

۲۱۔ اور ایسی قبر جو اپنے مردہ کو لئے پھرتی رہی سو وہ مچھلی ہے جس نے یونس علیہ السلام کو نگل لیا تھا اور ان کو دریا میں لئے پھرتی تھی۔

۲۲۔ اور ایسی چیز جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے وہ صبح ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ اور قسم ہے صبح کی جب دم بھرے۔

۲۳۔ اور ایسا پانی جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکلا سو اس سے گھوڑے کا پسینہ مراد ہے۔ جو بلقیس نے قارورہ میں رکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کا امتحان لینے کیلئے بھیجا تھا۔

۲۴۔ اور ایسے چار جو نہ باپ کی پیٹھ سے نکلے اور نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

۱۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں آنے والا مینڈھا۔

۲۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی جو پہاڑ سے پیدا کی گئی۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔

۴۔ حضرت اماں حوا علیہا السلام جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ یہ چار مراد ہیں۔

۲۵۔ اور وہ خون جو زمین پر سب سے پہلے بہایا گیا وہ ہابیل کا خون ہے جسے اس کے بھائی قابیل نے قتل کر دیا تھا۔

۲۶۔ اور ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھر خود ہی خرید لیا وہ مومن کا نفس ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے اہل ایمان سے ان کے نفسوں اور مالوں کو اس قیمت پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔

۲۷۔ اور ایسی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اسے برا بتلایا وہ گدھے کی

آواز ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ بلاشبہ سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

۲۸۔ ایسی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور بڑا بتلایا وہ عورتوں کا مکر اور چالاکی ہے ارشاد ہے۔ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ البتہ تمہارا مکر و فریب بڑا ہے۔

۲۹۔ ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کے بارے میں سوال کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ یہ کیا ہے تمہارے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے بکریوں کیلئے۔

۳۰۔ عورتوں میں سب سے افضل حضرت حوا (ام البشر) حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ حضرت آسیہؓ حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہن ہیں۔

۳۱۔ دریاؤں میں سب سے افضل دریا سیحون جیحون دجلہ فرات اور نیل ہیں۔

۳۲۔ پہاڑوں میں سب سے افضل پہاڑ طور ہے۔

۳۳۔ چوپایوں میں سب سے افضل گھوڑا ہے۔

۳۴۔ مہینوں میں سب سے افضل رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا

۳۵۔ راتوں میں سب سے افضل لیلۃ القدر ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

۳۶۔ طامہ قیامت کے دن کو کہتے ہیں۔

۳۷۔ ایسا درخت جس میں بارہ ٹہنیاں ہوں ہر ٹہنی پر تیس پتے ہوں ہر پتے پر پانچ پھول ہوں جن میں سے دو دھوپ میں کھلتے ہوں اور تین سایہ میں' سو درخت سے مراد تو سال ہے بارہ ٹہنیوں سے مراد بارہ مہینے ہیں اور تیس پتوں سے مراد مہینے کے تیس دن ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول سے مراد پانچوں فرض نمازیں ہیں جو رات دن میں پڑھی جاتی ہیں جن میں سے دو ظہر اور عصر دھوپ (دن) میں اور تین فجر' مغرب' عشاء سایہ رات میں پڑھی جاتی ہیں۔

۳۸۔ ایسی چیز جس نے بیت اللہ کا طواف کیا' حج کیا حالانکہ نہ اس پر حج فرض نہ اس

میں جان اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔

۳۹۔ رہا۔ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے انبیاء اور رسول بھیجے سو اللہ تعالیٰ نے (کم وبیش) ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام مبعوث فرمائے۔

۴۰۔ اور ان میں سے تین سو تیرہ کو رسول بنایا۔

۴۱۔ ایسی چار چیزیں جن کا ذائقہ اور رنگ الگ الگ ہے اور ان سب کی اصل ایک ہے وہ آنکھ' ناک' کان اور منہ ہیں آنکھوں کا پانی کھاری' منہ کا پانی میٹھا' ناک کا پانی کھٹا اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے۔

۴۲۔ یہ سوال کہ نقیر' قطمیر اور فتیل کس کو کہتے ہیں سو نقیر کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو نقطہ ہے اس کو اور قطمیر کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اسے اور فتیل کھجور کی گٹھلی کے شگاف کی باریک جھلی کو کہتے ہیں۔

۴۳۔ سبد اور لبد' بھیڑ' دنبہ اور بکری کے بالوں کو کہتے ہیں۔

۴۴۔ طم اور رم سے مراد ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کی مخلوق ہے۔

۴۵۔ گدھا جب شیطان کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے۔ لعن اللہ العشار وھو المکاس۔ چنگی پر محصول لینے والے پر خدا کی پھٹکار ہو۔

۴۶۔ کتا کہتا ہے ویل لاھل النار من غضب الجبار۔ اللہ جبار کے غصہ کی وجہ سے دوزخیوں کیلئے ہلاکت و بربادی ہے۔

۴۷۔ بیل کہتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

۴۸۔ گھوڑا کہتا ہے۔ سبحان حافظی اذا التقت الابطال واشتغلت الرجال بالرجال۔

۴۹۔ اونٹ کہتا ہے۔ حسبی اللہ وکفی باللہ وکیلا۔

۵۰۔ مور کہتا ہے۔ الرحمن علی العرش استوی۔

۵۱۔ بلبل کہتی ہے۔ سبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون۔

۵۲۔ مینڈک کہتا ہے۔ سبحان المعبود فی البراری والقفار سبحان الملک الجبار۔

۵۳۔ ناقوس سے آواز نکلتی ہے۔ سبحان اللہ حقا حقا انظر یا ابن آدم فی ھذہ الدنیا شرقا و غربا ماتری فیھا یبقی (اللہ پاک ہے وہ سچ اور حق ہے۔ اے ابن آدم اس دنیا میں بنظر عبرت مشرق و مغرب کی طرف دیکھ تجھے اس میں کوئی بھی باقی نظر نہیں آئے گا)

۵۴۔ ایسی قوم جس کی جانب اللہ تعالیٰ نے وحی کی حالانکہ وہ نہ انسان ہیں نہ جن نہ فرشتے' وہ شہد کی مکھی ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون۔ اور حکم دیا آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں۔

۵۵۔ رہا یہ سوال کہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے تو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں' یہ راز نہ کسی نبی و رسول پر کھلا اور نہ کوئی مقرب سے مقرب فرشتہ اس پر مطلع ہوا۔

(ان تمام سوالوں کا جواب دینے کے بعد) حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کوئی اور سوال رہ گیا ہو تو پوچھ لو سب نے کہا کہ اب کوئی سوال باقی نہیں رہا۔

آپ نے فرمایا اچھا اب میری ایک بات کا جواب دو یہ بتلاؤ کہ آسمانوں اور جنت کی کنجی کیا ہے؟ بڑا پادری اس پر خاموش رہا' مجمع میں سے آواز آئی کہ تم نے اتنی باتیں پوچھیں اور انہوں نے ان سب کا جواب دے دیا یہ کیا بات ہے کہ انہوں نے تم سے صرف ایک بات پوچھی اور تم اس کا بھی جواب نہیں دے پا رہے۔ پادری بولا کہ میں ان کی بات کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہوں مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں نے ان کی بات کا جواب دے دیا تو تم میری موافقت نہیں کرو گے۔ وہ بولے ہم آپ کی موافقت کیوں نہیں کریں گے آپ ہمارے بڑے ہیں۔ آپ نے جب بھی کچھ کہا ہم نے سنا اور آپ کی موافقت کی۔

پادری نے کہا کہ لو پھر سنو آسمانوں اور جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اور گرجے کو گرا کر اس کی جگہ مسجد بنائی اور سب نے اپنی اپنی زناریں توڑ ڈالیں اس موقع پر حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو غیب سے آواز آئی اے بایزید تم نے ہماری رضا کی خاطر ایک زنار باندھی تھی ہم نے تمہاری خاطر پانچ سو زناروں کو توڑ دیا۔ (الروض الفائق فی المواعظ والرقائق) (جواہر پارے)

ایمان کی لذت

مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ لکھتے ہیں جب کسی چیز کی لذت انسان کے دل میں اتر جاتی ہے تو اس کے مقابلہ میں وہ ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے دنیا کی زندگی میں آئے دن اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ کسی کو کرسی کی چسک لگتی ہے تو وہ لاکھوں روپے الیکشنوں میں پھونک دیتا ہے۔ کسی کو دولت کی لت لگتی ہے تو وہ ہر آرام اور راحت کو خیر آباد کہہ کر صرف اور صرف روپیہ کے حصول میں سرگرداں نظر آتا ہے اور راستہ کی ہر تکلیف کو خوشی خوشی گوارا کر لیتا ہے اور کتنی ہی اسے مشقت اٹھانی پڑے مگر وہ اپنے راستہ سے ہٹنا گوارا نہیں کرتا۔

کچھ اسی طرح بلکہ اور آگے کا معاملہ ایمان کی لذت کا بھی ہے کہ جب ایمان کی چاشنی اور حلاوت کسی کو نصیب ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس حلاوت اور لذت کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنے سے جدا کرنا برداشت نہیں کرتا اور اس کی نظر میں یہی چیز تمام دنیا اور اس کی دولت سے زیادہ قیمتی بن جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ روم کی طرف سفر جہاد میں تشریف لے گئے۔ اتفاق سے رومیوں نے آپ کو لشکر سمیت گرفتار کر لیا اور آپ کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ہے۔ نصرانی بادشاہ نے نصرانیت قبول کرنے کی درخواست کرتے ہوئے پیشکش کی کہ اگر آپ اسے مان لیں تو میں اپنی حکومت میں آپ کو شریک کرلوں گا۔ بادشاہ کی پیشکش پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بے نیازی اور جرأت سے جواب دیا کہ

''اگر آپ ساری دولت اور عرب کے تمام خزانے مجھے دے کر یہ چاہیں کہ میں پلک جھپکنے کے بقدر بھی اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے پھر جاؤں تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا''۔

بادشاہ نے کہا تو پھر میں آپ کو جان سے مار ڈالوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ جانیں چنانچہ بادشاہ نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا اور تیر اندازوں کو ہدایت دی کہ وہ آپ کے ہاتھ پیر کے قریب تیر چلاتے رہیں (تاکہ آپ کو وحشت زدہ کردیں) اس درمیان آپ پر نصرانیت قبول کرنے کا زور ڈالا جاتا رہا مگر آپ برابر انکار کرتے رہے اور سولی اور تیر اندازی سے قطعاً مرعوب نہ ہوئے پھر آپ کو سولی پر سے اتار دیا گیا اور بادشاہ نے ایک دیگچے میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ جب پانی کھولنے لگا تو بادشاہ نے ایک مسلمان قیدی کو بلوا کر دیگچے میں ڈلوا دیا منٹوں میں وہ جل بھن کر سیاہ ہوگیا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نصرانیت اختیار کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نے انکار کیا تو بادشاہ نے آپ کو بھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ کو دیگچے کی طرف لے جانے لگا تو آپ رونے لگے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ شاید اب موت سے ڈر کر آپ اسلام چھوڑ دیں گے۔ اس لئے آپ کو واپس بلایا اور نصرانیت کی دعوت دی۔ مگر حضرت نے صاف انکار کردیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر آپ کیوں رو رہے تھے؟ اس پر حضرت عبداللہ نے جو جواب دیا وہ اسلام کی روشن تاریخ میں آب زر سے نقش ہوگیا۔ ملاحظہ کیجئے اور ایک صحابی رسول کی ایمانی قوت پر سر دھنئے آپ نے برملا فرمایا۔

مجھے اس پر رونا آرہا ہے کہ آج میرے پاس ایک ہی جان ہے جو اللہ کی راہ میں جلائے جانے کو تیار ہے۔ کاش کہ میرے بدن کے ہر ہر بال میں ایک ایک جان ہوتی اور ان سب کو اللہ کی راہ میں اسی طرح جلایا جاتا۔

اس مضبوط ایمان کو دیکھ کر نصرانی بادشاہ کا دل پسیج گیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری پیشانی چوم لیں تو میں آپ کو رہا کرسکتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ سارے مسلمان قیدیوں کی رہائی کے عوض میں آپ کی شرط مان سکتا ہوں اور جب بادشاہ نے سب مسلمان قیدیوں کی رہائی کا یقین دلایا تو حضرت عبداللہ نے بادشاہ کی پیشانی کا بوسہ لے کر پورے لشکر کو چھڑا لیا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اتنی مسرت ہوئی کہ فرمایا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ

وہ حضرت عبداللہ کی پیشانی چومے پھر خود آگے بڑھ کر اپنے مبارک ہونٹ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ (شعب الایمان)

اس واقعہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یہ قوت اسی لئے تھی کہ وہ ایمان کی لذت وحلاوت سے پوری طرح آشنا ہو چکے تھے۔ آج ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اس لذت وحلاوت سے آشنا ہو یہ ہماری بنیادی ضرورت ہے جس کے حصول کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں کو ایمانی حلاوت کے حصول کی علامت قرار دیا ہے۔

۱۔ یہ کہ انسان کی نظر میں اللہ اور اس کے رسول کی ذات کائنات کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو جائے (جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کوئی کام اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف نہ کرے)

۲۔ وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے خدا واسطے کا بے لوث تعلق رکھے۔

۳۔ اور وہ اپنے لئے کفر کو اسی طرح ناپسند کرے جیسے آگ میں جلنے کو ناپسند سمجھتا ہے۔ (مسلم شریف)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ تینوں علامتیں کامل طریقہ پر موجود تھیں اور آج کے معاشرہ میں ان تینوں باتوں سے لاپرواہی برتی جا رہی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جائزہ لے کہ وہ ان علامتوں پر کہاں تک پورا اترتا ہے اور کہاں تک کوتاہی کر رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں خود احتسابی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (دعوت فکر وعمل)

ایمان کی شان عمرو بن عبدود

عمرو کفار مکہ کا مشہور سردار تھا کفار مکہ آپ کی شجاعت اور طاقت پر فخر کرتے تھے کہ ہمارا عمرو پہلوان ایک ہزار بندوں کا مقابلہ کر سکتا ہے ۹۰ سال کا بوڑھا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر بھاگا تھا اور قسم اٹھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے اس شکست کا بدلہ نہیں لوں گا سر پر تیل نہیں ڈالوں گا۔ جنگ خندق کے موقع پر خندق کو ایک جگہ چھوٹا دیکھا تو گھوڑے سمیت اوپر سے چھلانگ لگائی اور اس پار چلا گیا اور مسلمانوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ یاد رہے کہ خندق ساڑھے تین میل لمبی تھی اور

پانچ گز گہری تھی اور چھ دنوں میں تیار ہوئی تھی۔ یہ سن پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔ عمرو چونکہ تجربہ کار تھا اس کے مقابلہ پر کوئی بھی نہیں نکلا۔ آخر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مقابلے کے لیے نکلے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک پگڑی آپ کے سر پر رکھی اور دعا دے کر مقابلہ پر بھیجا۔ عمرو نے مذاق کہا کہ بیٹے! آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ عمرو نے کہا کہ آپ کے والد ابو طالب میرے گہرے دوست تھے۔ خدارا کسی اور کو مقابلہ پر بھیج دو۔ دوسرا یہ کہ تمہاری بڑی پیاری جوانی ہے۔ کیوں میرے ہاتھوں سے اپنی جوانی برباد کر رہے ہو۔ مگر شیر خدا نے فرمایا کہ اچھا میں خود تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ اس پر عمرو کو غصہ چڑھا اور حضرت علی پر وار کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال سے وار کو روکا۔ پھر کیا تھا شیر خدا کی تلوار ذوالفقار حرکت میں آ گئی۔ عمرو پر ایک زبردست حملہ کیا وہاں سے گرد و غبار اٹھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اوپر بیٹھے ہیں اور عمرو کے جسم کے دو ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مشرکین مکہ کا ایلچی آیا اور یہ پیغام لایا کہ آپ ہم سے جتنی قیمت لینا چاہیں لے لیں اور ہمارے سردار کی لاش ہمارے حوالہ کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خود بھی مردار تھا اس کی لاش بھی مردار ہے اور اس کی قیمت لینا بھی حرام ہے تم بغیر قیمت کے اسے اٹھا لو۔ (طبقات ابن سعد)

فائدہ۔ چونکہ عمرو بن عبدود ایمان سے محروم تھا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں اس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے معراج شریف والی رات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلال! آپ کے جوتوں کی آواز میں نے جنت میں سنی ہے۔ آپ کونسا عمل کرتے ہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ہمیشہ باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور جب میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو فوراً نیا وضو بنا تا ہوں اور تحیۃ الوضو ضرور پڑھتا ہوں فرمایا یہ اس کی برکت ہے۔ دیکھا یہاں ایک غلام ہے اور ایمان اور عمل صالح کی برکت سے جنت میں نظر آ رہے ہیں اور ادھر ایک مشہور سردار ہے۔ فرق صاف ظاہر ہے ایمان کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر کہا ہے۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ یہ لوگ (کافر) جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ (درکامل)

امیر خسرو کا بادشاہ کو ایمان افروز جواب

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء۔ (۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) نہ تو بادشاہوں کے دربار میں جانا پسند کرتے تھے اور نہ ان کو یہ گوارا تھا کہ کوئی بادشاہ ان کی خانقاہ میں آئے وہ ہمیشہ ان سے دور ہی رہتے تھے۔ سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کو بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح حضرت نظام الدین اولیاء سے شرف ملاقات حاصل ہو۔

حضرت امیر خسرو سلطان کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان کے سلطان سے اچھے معاملات تھے۔ یہ نظام الدین اولیاء کے بڑے محبوب مریدوں میں تھے۔ ان کو اپنے مرشد کے معاملات میں بڑا دخل تھا۔ اس لئے ایک دن بادشاہ نے حضرت امیر خسرو سے مشورہ کیا کہ نظام الدین ان کو ملاقات کی اجازت نہیں دیں گے اس لئے وہ کسی دن اچانک بغیر اطلاع کے ان کے پاس پہنچنا چاہتا ہے جس دن وہ خواجہ سے ملنے جائے گا امیر خسرو کو بھی ساتھ لے جائے گا۔

حضرت امیر خسرو نے اس بات کی اطلاع پہلے ہی حضرت نظام الدین اولیاء کو پہنچا دی کہ سلطان اچانک ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہے۔ حضرت خواجہ اسی وقت دہلی چھوڑ کر اپنے مرشد خواجہ فرید الدین گنج شکر کے مزار پر اجودھن پہنچ گئے۔ سلطان کو خبر ملی کہ خواجہ دہلی چھوڑ گئے تو اس کو بہت ملال ہوا کہ ناحق ایک اللہ کے ولی کو تکلیف دی۔ اس نے امیر خسرو کو بلا کر کہا "میں نے تم سے ایک مشورہ کیا تھا تم نے اس راز کو فاش کر دیا یہ اچھی بات نہیں کی۔ تم نے کیا سوچ کر ایسا کیا" "کیا تمہیں شاہی سزا کا خوف نہیں ہوا"؟ حضرت امیر خسرو نے کسی شاہانہ عتاب کی پرواہ کئے بغیر کہا "میں جانتا تھا کہ اگر حضور والا ناراض ہوں گے تو میری جان کا خطرہ ہو سکتا ہے لیکن اگر مرشد کو تکلیف پہنچی تو ایمان کا خطرہ ہے اور میری نظر میں ایمان کے خطرہ کے مقابلہ میں جان کے خطرہ کی کوئی اہمیت نہیں"۔ سلطان کو امیر خسرو کا یہ جواب بہت پسند آیا۔ (سیر الاولیاء ص ۱۳۰)

سچا پکا ایمان

ایک یہودی بادشاہ نے ایک عورت سے کہا کہ تو اس بت کو سجدہ کر ورنہ تجھے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دوں گا۔

اس عورت نے سجدہ نہ کیا کہ وہ ایمان اور توحید میں پا کباز اور مضبوط تھی۔
ظالم بادشاہ نے اس کی گود سے بچہ چھین کر آگ میں پھینک دیا عورت کانپ اٹھی اور اس کا ایمان سخت امتحان میں داخل ہو گیا اور جان بلب ہو گئی کہ اچانک وہی بچہ آگ کے اندر سے بولتا ہے۔

اس بچے نے آواز دی کہ میں نہیں مرا میں تو زندہ ہوں اور کہا۔
اے ماں تو بھی اندر آ جا کہ میں یہاں بہت لطف میں ہوں اگرچہ بظاہر آگ کے اندر معلوم ہوتا ہوں۔

اے ماں اندر آ جا تا کہ تو بھی اللہ تعالیٰ کے دین حق کا معجزہ دیکھ لے اور بظاہر وہ اہل دنیا کو بلاؤں میں معلوم ہوتے ہیں۔

اے ماں تو بھی اندر آ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کے گلزار ہونے کا بھید تو بھی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کس طرح انہوں نے آگ کے اندر گلاب اور چنبیلی کی بہار پائی تھی۔

ہمت نہ ہار میں نے یہ دیکھا ہے بارہا　　تاریکیاں جہاں تھیں وہیں نور ہو گیا

میں جب تجھ سے پیدا ہو رہا تھا تو اپنی موت دیکھ رہا تھا اور دنیا میں آنے سے سخت خوف محسوس کر رہا تھا یعنی ماں کا پیٹ 9 ماہ تک اس میں رہنے کی وجہ سے مانوس ہو چکا مجھے ایک جہاں معلوم ہو رہا تھا اور اس جہاں کو دیکھا ہی نہ تھا اس لئے ایک اجنبی عالم میں آتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔
جب میں پیدا ہو گیا تو تنگ قید خانے سے نجات پا گیا اور اپنے علم کے مطابق میں ایک خوبصورت عالم میں آ گیا۔ اسی طرح جنت کو دیکھنے کے بعد دنیا ماں کے پیٹ کی طرح تنگ و تاریک معلوم ہوگی۔

اس آگ کے اندر میں نے ایک دوسرا عالم پایا جس کا ذرہ ذرہ زندگی بخش ہے۔
اندر آ جا اے ماں میں تجھے مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر چلی آ اور دیکھ کہ یہ آگ آگ کا اثر نہیں رکھتی ہے رحمت حق نے اس کو چمن بنا دیا ہے۔
اے ماں تو نے اس کافر یہودی کتے کی طاقت بھی دیکھ لی اب اندر آ جا کہ خدا کے فضل کی طاقت کا بھی مشاہدہ کر لے۔

اے مسلمانو سب اندر چلے آؤ دین کی مٹھاس اور حلاوت کے علاوہ تمام حلاوتیں دنیا کی ہیچ ہیں اور عذاب ہیں۔

اس لڑکے کی ماں نے اپنے آپ کو اسی آگ میں ڈلوایا تو اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس کے بعد تمام مخلوق اس آگ میں کود پڑی اور سب نے لطف و کرم خداوندی کا مشاہدہ کیا۔

وہ یہودی روسیاہ اور شرمندہ ہو گیا اور اس کی تدبیر اس کیلئے مخالف ثابت ہوئی۔

کیونکہ لوگ اس آگ میں کود پڑنے کے مشتاق ہو گئے اور جسم کو قربان کر دینے میں صادق الاعتقاد ہو گئے۔

نالائق لوگ جو کچھ داغ بدنامی و رسوائی اللہ والوں کے چہروں پر لگانا چاہتے ہیں وہ سب انہیں کے چہروں پر الٹ کر تہہ بہ تہہ جم جاتا ہے۔

اس یہودی بادشاہ نے اس آگ سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی اور ان فرزندان توحید کو پناہ دامن دے کر مجھے رسوا کر رہی ہے یا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے؟ یہ بات کیا ہے تیری وہ خاصیت جلانے والی کو کیا ہو گیا؟

آگ نے کہا اے کافر میں وہی آگ ہوں ذرا تو اندر آ جاتا کہ میری آتش و تپش کا مزہ چکھ لے۔

میری طبیعت اور میری اصلی حقیقت تبدیل نہیں ہوئی ہے میں خدا کی تلوار ہوں لیکن اجازت ہی سے کاٹتی ہوں۔

اس لئے جب تم اپنے اندر غم محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو کیونکہ غم بھی خدا کے حکم سے ہی اپنا کام کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ استغفار کی برکت سے راضی ہو جائیں گے تو سزا بھی ہٹا لیں گے۔

جب اللہ جل جلالہ کا حکم ہو جاتا ہے تو خود غم بھی خوشی بن جاتا ہے اور خود قید ہی آزادی بن جاتی ہے یعنی حق تعالیٰ تبدیل اعیان پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں پس عین غم کو عین خوشی بنا دیتے ہیں۔

ہوا مٹی آگ سب خدا کے غلام ہیں گو یہ ہمارے تمہارے لئے بے جان ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے آگے زندہ ہیں۔ (مثنوی)

ایمان اور ذات خداوندی پر اعتماد کا عجیب واقعہ

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کے یہاں کچھ مہمان آگئے گھر میں سوائے دو سوکھی روٹیوں کے کچھ نہ تھا کچھ دیر کے بعد ایک سائل آیا انہوں نے وہ روٹیاں اٹھا کر مسکین کو دے دیں مہمانوں نے دل میں شکایت کی کہ یہی دو روٹیاں کھا لیتے وہ بھی خرچ کر ڈالیں تھوڑی دیر میں ایک شخص کھانا لے کر آیا انہوں نے قبول کیا اور روٹیوں کو گننا شروع کیا تو وہ اٹھارہ تھیں فرمایا کہ یہ کھانا واپس لے جاؤ یہ میرے واسطے نہیں دیا ہوگا کسی دوسرے کو دیا ہوگا لانے والے نے کہا نہیں حضرت آپ ہی کا نام لے کر کہا تھا۔ فرمایا یہ تو بے حساب ہے کیونکہ میں نے خدا کی راہ میں دو روٹیاں خیرات کی ہیں اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک کے بدلے میں کم از کم دس ملیں گی تو اس حساب سے بیس روٹیاں ہونا چاہئیں اور یہ اٹھارہ ہیں اور میرا محبوب وعدہ خلافی نہیں کرتا پس یہ کھانا میرے واسطے نہیں ہوسکتا لانے والے نے کہا کہ حضرت آپ کا حساب صحیح ہے واقعی بیس ہی روٹیاں تھیں دو میں نے چرا لی ہیں اور ان کو ابھی لاتا ہوں آپ کھانا واپس نہ کیجئے یہ قصہ معلوم کر کے آپ کو اطمینان ہوا اور کھانا رکھ لیا۔ (تسلیم و رضا خطبات حکیم الامت ج ۱۵)

حضرت عبداللہ بن سبرۃ رضی اللہ عنہ دمشقی کا ایمان افروز واقعہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں حضرت عبداللہ بن سبرہ دمشقی کے بارے میں لکھا ہے کہ دمشق شہر میں ایک مسلمان بچی اکیلی گھر میں رہتی تھی ایک طرف اس کا پڑوسی حضرت عبداللہ بن سبرہ رضی اللہ عنہ دمشقی تھے اور دوسری طرف ایک یہودی طبیب کا مکان تھا وہ طبیب اس مسلمان بچی کو تنگ کرتا تھا اور اس کی عزت کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ ایک دن لڑکی نے تنگ آکر کہا کہ او خبیث! تجھے شرم نہیں آتی۔ کاش میرا پڑوسی حضرت عبداللہ بن سبرہ دمشقی ہوتے تو تم یہ حرکت نہ کرتے۔ ادھر وہ صحابی آرمینیا اور آذربائیجان میں جہاد کے سلسلے میں گئے

ہوئے تھے۔ اللہ پاک کی شان دیکھیں اس کو الہام ہوا یا خواب دیکھا کہ میری پڑوسی وہ مسلمان بچی مجھے یاد کر رہی ہے اور اس کی عزت خطرے میں ہے۔ دمشق سے ہزاروں میل دور تھے وہاں سے گھوڑے پر بیٹھ گئے مہینوں کا سفر طے کر دیا بالآخر ایک رات وہ دمشق پہنچ گئے اپنے گھر میں نہیں گئے بلکہ سیدھے اس مسلمان بچی کے گھر پر گئے دروازے پر دستک دی وہ نکلی فرمایا کہ بچی مجھے پہچان لیا۔ کہا جی یقیناً پہچان لیا آپ میرے پڑوسی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی تو ہیں۔ فرمایا بچی آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا؟ کہا یقیناً یاد کیا تھا کہ یہ میرا پڑوسی یہودی طبیب مجھے تنگ کر رہا ہے میری عزت کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ فرمایا خدا کی قسم! میں آرمینیا سے صرف آپ کی عزت بچانے کی خاطر آیا ہوں تم جاؤ اس طبیب کو اپنے گھر میں بلاؤ۔ حضرت عبداللہ لڑکی کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ وہ یہودی ناچتا ہوا آ رہا تھا کہ آج تو خود لڑکی بلا رہی ہے۔ حضرت عبداللہ نے اس یہودی کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا اس کی لاش باہر پھینک دی اور گھوڑے کو نکالا جب گھوڑے پر بیٹھ گئے تو بچی نے پوچھا حضرت کدھر جا رہے ہیں ساتھ میں آپ کا مکان ہے۔ رات بچوں کے ہاں گزار لیں کل پرسوں واپس چلے جائیں گے۔ فرمایا بچی جس مقصد کیلئے آیا تھا الحمد للہ وہ مقصد پورا ہو گیا۔ ابھی میں واپس محاذ پر جا رہا ہوں۔ ان شاء اللہ بچوں کو ملنے کیلئے پھر کسی وقت آؤں گا۔ میرے ثواب میں فرق آ جائیگا اور پھر آرمینیا واپس چلے گئے بچوں تک کو نہیں ملے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۵)

یہ تھی ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی غیرت ایمانی' ایک حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان گناہ گار تو ہو سکتا ہے مگر بے غیرت نہیں ہو سکتا آج مسلمان جو ذلیل ہو رہے ہیں وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی غیرت ایمانی ختم ہو چکی ہے۔ مسلمان کی نگاہ دنیاوی مفادات پر ہے حل من مزید کے چکر میں ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو ۔۔۔ اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ پاک کا اعلان ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ اگر تم نے اللہ کے دین کی مدد کی تو اللہ پاک تمہاری مدد فرمائیں گے اللہ پاک فرماتے ہیں فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ تم مجھے عبادت سے یاد کرو۔ میں تمہیں نصرت و تعاون سے یاد کروں گا۔ اللہ پاک فرماتے ہیں۔ وَلَا تَهِنُوْا

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ تم دشمن کے مقابلہ پر پست نہ ہو اور نہ غمگین ہو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم صحیح مومن رہے اللہ پاک فرماتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ وہ لوگ جو ہماری رضا کیلئے کوشش کرتے ہیں ہم ان پر ہدایت کے راستے کھول دیں گے اور اللہ پاک کی مدد تو ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اچھا کام کرتے ہیں۔ اللہ پاک دین پر چلنے والا بنائے اور ایمانی غیرت نصیب فرمائے۔

نواب وقار الملک کی غیرت ایمانی

نام مشتاق حسین تھا ایک انگریز کلکٹر کے ہاں ملازمت تھی۔ نماز پابندی سے پڑھتے تھے۔ انگریز افسر نے اعتراض کیا کہ آپ نماز نہ پڑھا کریں تو آپ نے درخواست دی کہ اگر نماز کے اوقات میں دفتری کام میں خلل آتا ہے تو آپ پوچھ سکتے ہیں یا پھر نماز کے اوقات کا حساب لگا کر تنخواہ سے کٹوتی بھی کر سکتے ہیں۔ ورنہ اس درخواست کو پھر میری طرف سے استعفٰی سمجھ لینا۔ میں نوکری چھوڑ سکتا ہوں مگر نماز کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتا ہوں اور یہ بھی لکھا کہ میں مذہباً مسلمان ہوں اور مسلمان کبھی بھی نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر نوکری چھوڑ دی محض نماز کی خاطر۔ حیدر آباد دکن میں اس سے بڑی ملازمت مل گئی۔ گرمی کا سیزن آپ پہاڑ پر گزار رہے تھے کہ لوگوں کی مشکلات کا پتہ چلا کہ خشک سالی سے پریشان ہیں۔ واپس آ گئے ایک چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے لوگوں کی درخواستیں دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور ساتھ ساتھ بارش کی دعائیں بھی کر رہے ہیں کہ اچانک خوب زور کی بارش ہو گئی۔ یہ تھے نواب وقار الملک رحمہ اللہ اور ان کا دینی و ایمانی تعلق۔ (مشاہیر اسلام)

ایک منکر ایمان کی اصلاح

فرمایا ایک صاحب خدا کے قائل نہیں تھے۔ وہ کہا کرتے تھے اس دنیا میں مقناطیسی نظام قائم ہے۔ اسی نظام نے دنیا کی ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر قائم رکھا ہے اور کارخانہ عالم چل رہا ہے۔ جب انہوں نے اپنے اس نظریہ کا اظہار ایک بزرگ کے سامنے کیا تو انہوں نے ایک لٹھ اٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ ملحد نے کہا۔ خدا اگر ہے تو اس کا ثبوت آپ

کو دلائل سے دینا چاہئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے مار بیٹھے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

بزرگ نے فرمایا: "میں نے آپ کو کہاں مارا"

ملحد نے کہا: آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے ہی مجھے مارا ہے۔

بزرگ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا، میں نے تمہیں مارا بلکہ یہ آپ کے دماغ کا مقناطیسی اثر ہے جس نے اس لاٹھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چونکہ آپ کے دماغ میں مقناطیسی اثر کم ہے اس لئے لاٹھی ہلکے انداز سے کھینچی ہے، اس لئے آپ کو مار لگی، مگر ہلکی، ورنہ زیادہ ہونے کی صورت میں لاٹھی پوری قوت کے ساتھ کھینچتی اور آپ کو مار شدید پڑتی۔

ملحد نے اپنی پہلی بات دہرائی جس پر بزرگ نے فرمایا:

"جب ایک معمولی لاٹھی کسی کے اٹھانے اور چلائے بغیر نہ اٹھ سکتی ہے نہ کسی پر چل سکتی ہے اور آپ کو یہاں کوئی مقناطیسی اثر نظر نہیں آرہا ہے تو یہ زمین وآسمان اور چاند ستارے، سورج کا اتنا بڑا اور ہمہ گیر نظام کسی کے چلائے بغیر کیونکر چل سکتا ہے؟ یہاں بھی تو کسی ذات کو ماننا پڑے گا، جو عالم کے سارے نظام کو اپنے "قبضہ قدرت میں رکھ کر چلا رہی ہے اور وہی خدا ہے"

بزرگ کی کہی ہوئی بات ملحد کے دل میں اتر گئی۔ ایک لاٹھی نے اس کے دماغ کو روشن کر دیا اور تائب ہو کر خدا کی طرف رجوع ہوا۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مؤلف تعلیق الصبیح (شرح مشکوۃ) خدا کے وجود پر اس واقعہ کو دلیل لطیف فرمایا کرتے تھے اور میں اسے "لاٹھی، دماغ روشن کرنے والی" کہا کرتا ہوں۔

آج مغربی نظام تعلیم اور عصری تہذیب و تمدن نے بہت سے نوجوانوں کو خدا سے دور کر دیا ہے اور وہ تشکیک اور الحاد و حیرت کی وادی نامراد میں سرگرداں ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس زبان و بیان میں انہیں سمجھا کر خدا سے قریب کیا جائے، جس زبان و بیان کو یہ سمجھنے کے عادی ہیں، ہر شخص کے مناسب حال گفتگو کرنا اور علوم نبوت سے اس کے دماغ کو روشن کر کے اسے "راہ راست" پر لانے کی برموقع تدبیر اختیار کرنا یہی "حکمت" ہے اور یہ حکمت بزرگوں کی صحبت سے خوب سمجھ میں آتی ہے۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی)

ایک انگریز کا سوال اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ کا جواب

فرمایا: علامہ شبیر احمد عثمانی سے کسی انگریز نے کہا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تفکر کرتے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش میں۔ تو مولانا آپ لوگ کہاں اس پر عمل کرتے ہیں، اور کرتے بھی ہیں تو بس سرسری اور اجمالی طور پر اور ہم لوگ رات دن تحقیقات میں کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور چاند پر پہنچنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

مولانا نے جواب دیا کہ شاہی محل میں دو طرح کا داخلہ ہوتا ہے ایک تو شاہی مہمان داخل ہوتا ہے تو وہ اپنا مقصود شاہ کی ملاقات سمجھتا ہے اور شاہی محل کے نقش ونگار اور وہاں کے آرائش کے تمام متاع اسباب کو اجمالی اور سرسری نظر سے دیکھتا گزرتا شاہ تک پہنچ کر شاہ کا ہم نشین ہو کر شاہ سے مصافحہ اور ملاقات کا شرف اور اعزاز حاصل کرتا ہے، اور ایک داخلہ چور کا ہوتا ہے تو چور جب داخل ہوتا ہے تو اس کا مقصد شاہ سے ملنا نہیں ہوتا بلکہ شاہ کے مال ومتاع کو چرانا مقصود ہوتا ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر وہ شاہی محل کے ہر کمرہ میں گھستا ہے اور ہر چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی

بھول بیٹھے اہل یورپ آسمانی باپ کو   اور سمجھے باپ اپنا برق کو اور بھاپ کو

پس مسلمان کا مقصد کائنات میں خالق کائنات کی رضا حاصل کرنا ہے اس لئے وہ اجمالی نظر سے دیکھ کر عظمت الٰہی پر استدلال کرتا ہوا اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے اور کفار یورپ کا دائرہ فکر صرف مخلوقات تک ہے خالق کائنات سے ان کا رشتہ کٹا ہوا ہے اور اللہ والے تمام کائنات سے صرف نظر کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہیں۔ (یا تم ان کی یاد رہیں گی)

ایمان وہدایت سے سکون

فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک بار میں سہارنپور سے کانپور جانے کے لئے لکھنؤ جانے والی ریل پر سوار ہوا۔ اس ڈبے میں ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ بھی لکھنؤ جا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، میں تو میرٹھ جا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ گاڑی تو میرٹھ جانے والی نہیں ہے آپ کو تو یہ لکھنؤ لے

جائے گی۔ چونکہ ریل چل پڑی تھی اب وہ اتر بھی نہ سکتے تھے لیکن دوسرا اسٹیشن بھی قریب تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اتر کر ریل تبدیل کر سکتے تھے۔ مگر صحیح راہ پر نہ ہونے اور غلط راہ پر ہونے کے سبب انہیں اس قدر پریشانی تھی کہ میں نے ان سے کچھ گفتگو کرنی چاہی تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہیں باتوں کی سوجھی ہے اور ہمارے دل کی پریشانی کا جو عالم ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔

اس حکایت سے یہ بات نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ ہدایت کی راہ پر لگ جانے ہی سے سکون شروع ہو جاتا ہے اور غلط راہ پر قدم پڑتے ہی بے اطمینانی اور پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کو ہم بالطف زندگی عطا کرتے ہیں اور جو ہماری یاد سے اعراض کر کے غفلت کی زندگی گزارتے ہیں ان کی زندگی کو ہم تلخ کر دیتے ہیں۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی)

دیہاتی کا ایمان باللہ پر عجیب استدلال

فرمایا: ایک بدوی سے کسی منکر خدا نے پوچھا کہ تو خدا کو بغیر دیکھے کس طرح پہچانتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ البعرة تدل علی البعیر اونٹ کی مینگنیاں گواہی دیتی ہیں کہ ابھی ادھر سے اونٹ گیا ہے اور بغیر دیکھے اونٹ پر یقین کرتے ہیں۔

فکیف ارض ذات فجاج وسماء ذات بروج لا تدل علی اللطیف الخبیر پس زمین کشادہ راہوں والی اور آسمان برجوں والا اس لطیف وخبیر ذات پاک پر کیونکر نہ گواہی دے گا۔

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

میرا ایک شعر ہے

ہر ایک ذرہ میں اس کو ہی دیکھتا ہوں
دلیل صانع کی صنعت میں دیکھتا ہوں

(اختر)

ایمان کا سب سے بڑا دشمن

"مرزائیت" کا مختصر تعارف و تعاقب

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دینی واخروی ہدایت ورہنمائی کیلئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو وقتاً فوقتاً اقوام عالم کی طرف بھیجا۔ ہر نبی نے اپنی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کا پیغام دیا۔ تاوقتیکہ یہ مبارک سلسلہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مکمل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضائل وکمالات ختم نبوت کے اقرار میں منحصر ہیں۔ اس لیے ختم نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ ہر مسلمان کیلئے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس اہم عقیدہ کو مشکوک یا تبدیل کرنے والا ہم مسلمانوں کا دشمن ہی نہیں بلکہ ہمارے ایمان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ہمنوا قادیانی اس دور میں ہمارے ایمان کیلئے خطرناک اور مہلک دشمن ہیں۔

ایک سادہ لوح مسلمان کسی شخص کی خوش اخلاقی سے متاثر ہوجاتا ہے اور اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے کافی سفر طے کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوش اخلاق آدمی اپنی خوش اخلاقی کے داؤ سے اس بھولے بھالے مسلمان کو قادیانی بنانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

ایک شخص معاشی لحاظ سے پریشان ہے تو قادیانی گروپ ایسے پریشان حال لوگوں کو پرکشش تنخواہ ومراعات کے سبز باغ دکھاتے ہیں۔ اور کئی لوگ چند روزہ دنیاوی مزے کے عوض اپنے ایمان کا سودا کر لیتے ہیں اور آخرت کی نہ ختم ہونے والی رسوائی خرید لیتے ہیں۔

نوجوان لڑکے لڑکیاں جو دنیاوی چمک دمک کو دیکھ کر فوری متاثر ہوجاتے ہیں۔ اور

سہانے مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں ایسے جذباتی نوجوان لڑکے لڑکیاں قادیانی گروپ کیلئے تر نوالہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور انہیں غیر ممالک میں اعلیٰ عہدوں پر نوکری اور ولپسند رشتہ کرانے کی نہ صرف پیشکش کرتے ہیں بلکہ اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمان بچوں بچیوں کا رشتہ کسی قادیانی سے کرا دیتے ہیں۔ قادیانیت اس دور میں ہمارے ایمان کیلئے ایسا خطرناک وائرس ہے جو کینسر کی طرح خون میں پھیلتا ہے اور انسان بظاہر زندہ لیکن ایمانی و روحانی اعتبار سے مردہ ہو جاتا ہے اور اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ میں جہنم کا ایندھن بن چکا ہوں۔

اس پُرفتن دور میں ہمیں اپنے ایمان کے تحفظ کیلئے نہایت بیداری کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی قادیانی سے واسطہ پڑ جائے تو اس سے مذہبی بحث بالکل نہ کریں نہ شروع میں وہ آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور قائل ہوتا ہوا دکھائی دیگا آپ سمجھیں گے کہ شاید میری تبلیغ سے قادیانیت سے تائب ہو جائیگا۔ حالانکہ یہ شاطر دشمن خود آپ کو پھنسا رہا ہوتا ہے اس لیے خود نہ الجھیں بلکہ اسے ختم نبوت کے مشن پر کام کرنے والے علماء کے سپرد کریں اور انکے سب سوالوں کے جواب میں یہی کہہ دیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایسا ایمان رکھتا ہوں جو اللہ کے فضل سے تمہاری باتوں سے متزلزل نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھئے! ختم نبوت کا عقیدہ ایمان ہے تو اسکا انکار کفر ہے اپنے ایمان کو قادیانی اثرات سے بچایئے اپنے گردوپیش اور ماحول پر نظر رکھئے کہیں کوئی قادیانی ہمارے ایمان پر حملہ آور تو نہیں۔ اپنے گردوپیش میں قادیانیت سے متاثرین حضرات تک یہ مضمون پہنچا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا عملی ثبوت دیجئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور ہمارے ایمان کو محفوظ وسالم رکھے اور ہمیں تحفظ ختم نبوت کیلئے قبول فرمائے آمین یا رب العالمین

قادیانیت کے بارے میں فوری معلومات کیلئے رابطہ نمبر

0300-7314337-061-4783486

خط و کتابت کیلئے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

تحریک
ختمِ نبوت
مختصر تعارف اور فتنہ مرزائیت کا تعاقب

الحمدللّٰہ رب العلمین و الصلوۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین و رسولہ محمد خیر الوریٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ و علیٰ صحبہ البررۃ التقی و النقی کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ الغافلون اللھم صل علیہ والہ وسائر النبیین و ال کل وسائر الصالحین نہایۃ ماینبغی ان یسئلہ السائلون. اما بعد.

متحدہ ہندوستان میں انگریز اپنے جوروستم اور استبدادی حربوں سے جب مسلمانوں کے قلوب کو مغلوب نہ کرسکا تو اس نے ایک کمیشن قائم کیا۔ جس نے پورے ہندوستان کا سروے کیا اور واپس جاکر برطانوی پارلیمنٹ میں رپورٹ پیش کی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا جائے جو جہاد کو حرام اور انگریز کی اطاعت کو مسلمانوں پر اولوالامر کی حیثیت سے فرض قرار دے۔

ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی سیالکوٹ ڈی سی آفس میں معمولی درجے کا کلرک تھا، اردو، عربی اور فارسی اپنے گھر پر پڑھی تھی۔ مختاری کا امتحان دیا مگر ناکام ہوگیا۔ غرض یہ کہ اس کی تعلیم دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے ناقص تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انگریزی ڈپٹی کمشنر کے توسط سے مسیحی مشن کے ایک اہم اور ذمہ دار شخص نے اس سے ڈی سی آفس میں ملاقات کی۔ گویا یہ انٹرویو تھا مسیحی مشن کا۔ یہ فرد انگلینڈ روانہ ہوگیا اور مرزا قادیانی ملازمت چھوڑ کر قادیان پہنچ گیا۔ باپ نے کہا کر نوکری کی

فکر کرو۔ جواب دیا کہ میں نوکر ہو گیا ہوں اور پھر بھیجنے والے کے پتے کے بغیر منی آرڈر ملنے شروع ہو گئے۔ مرزا قادیانی نے مذہبی اختلافات کو ہوا دی۔ بحث و مباحثہ، اور اشتہار بازی شروع کر دی۔ یہ تمام تر تفصیل مرزائی کتب میں موجود ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کام کے لئے برطانوی سامراج نے مرزا قادیانی کا انتخاب کیوں کیا؟ اس کا جواب بھی خود مرزائی لٹریچر میں موجود ہے کہ مرزا قادیانی کا خاندان جدی پشتی انگریز کا نمک خوار، خوشامدی اور مسلمانوں کا غدار تھا۔ مرزا قادیانی کے والد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں برطانوی سامراج کو پچاس گھوڑے مع سازو سامان مہیا کیے اور یوں مسلمانوں کے قتل عام سے اپنے ہاتھ رنگین کر کے انگریز سے انعام میں جائیداد حاصل کی۔ مرزا غلام احمد لکھتا ہے کہ:

''میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمت سرکار میں مصروف رہا۔'' (ستارہ قیصرہ ص ۴)

اپنے بارے میں لکھتا ہے''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گزرا اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔'' (تریاق القلوب ص ۲۵)

غرض یہ کہ مرزا قادیانی کے گوشت پوست میں انگریز کی وفاداری اور مسلمانوں سے غداری رچی بسی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقصد کے لئے انگریز کی نظر انتخاب مرزا قادیانی پر پڑی چنانچہ اس کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔

جن حضرات کی مرزائیت کے لٹریچر پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی ہر بات میں تضاد ہے لیکن حرمت جہاد اور فرضیت اطاعت انگریز ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں مرزا قادیانی کی کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں کیونکہ یہ اس کا بنیادی مقصد اور غرض و غایت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو گورنمنٹ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا قرار دیا۔ سر سید احمد خان مرحوم کی روایت جو ان کے مشہور مجلّہ تہذیب الاخلاق میں چھپ چکی ہے کہ خود سر سید احمد خان سے انگریز وائسرائے نے مرزا قادیانی کی امداد و معاونت کرنے کا کہا، بقول ان کے انہوں نے نہ صرف رد کر دیا بلکہ اس منصوبے کو بھی افشا کر دیا جس کے نتیجے میں انگریز

وائسرائے ہند سرسید احمد خان سے ناراض ہو گئے۔

مرزا قادیانی کے دعوے پر نظر ڈالیے۔اس نے بتدریج خادم اسلام، مبلغ اسلام، مجدد، مہدی، مثیل مسیح ظلی نبی، مستقل نبی، انبیاء سے افضل حتیٰ کہ خدائی تک کا دعویٰ کیا۔یہ سب کچھ ایک طے شدہ منصوبہ گہری چال اور خطرناک سازش کے تحت کیا۔

قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے نور ایمانی اور بصیرت وجدانی سے آنجہانی مرزا قادیانی کے دعوے سے بہت پہلے پنجاب کے معروف روحانی بزرگ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے حجاز مقدس میں ارشاد فرمایا:

"پنجاب میں ایک فتنا اٹھنے والا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے خلاف آپ سے کام لیں گے۔"

بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اس فتنے کے خلاف کام کرنے کی تلقین فرمائی۔

ردقادیانیت کے سلسلے میں امت محمدیہ کے جن خوش نصیب وخوش بخت حضرات نے بڑی تندہی اور جانفشانی سے کام کیا،ان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ،حضرت مولانا پیر مہر علی شاہؒ،حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ،حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ،حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ،حضرت مولانا نذیر حسین دہلویؒ،حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ،حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ،جناب مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ،حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ،حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ،حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ،حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ،پروفیسر محمد الیاس برنیؒ،علامہ محمد اقبالؒ،حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ،حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ،حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ،حضرت مولانا محمد داؤد غزنویؒ، حضرت مولانا ظفر علی خانؒ،حضرت مولانا مظہر علی اظہرؒ،حافظ کفایت حسینؒ،اور حضرت مولانا پیر جماعت علی شاہؒ جیسی نابغہ روزگار ہزاروں شخصیات ہیں۔

علمائے لدھیانہ نے مرزا قادیانی کی گستاخ وبے باک طبیعت کو اس کی ابتدائی تحریروں سے دیکھ کر اس کے خلاف کفر کا فتویٰ سب سے پہلے دے دیا تھا۔ان حضرات کا خدشہ صحیح ثابت ہوا اور آگے چل کر پوری امت نے علمائے لدھیانہ کے فتوے کی تصدیق وتوثیق کر دی۔

غرض یہ کہ پوری امت کی اجتماعی جدوجہد سے مرزائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی گئی۔یہی وجہ ہے کہ مرزا قادیانی نے بھی اپنی تصانیف میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ،مولانا

نذیر حسین دہلویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، مولانا سید علی الحائری، سمیت امت کے تمام طبقات کو اپنے سب وشتم کا نشانہ بنایا، کیونکہ یہی وہ حضرات تھے جنہوں نے تحریر وتقریر، مناظرے اور مباہلے کے میدان میں مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو چاروں شانے چت کیا اور یوں اپنے فرض کی تکمیل کر کے پوری امت کی طرف سے شکریے کے مستحق قرار پائے۔

مقدمہ بہاولپور

تحصیل احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور میں ایک شخص مسمی عبدالرزاق مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا۔ اسکی منکوحہ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش نے سن بلوغ کو پہنچ کر ۲۴۔ جولائی ۱۹۲۶ء کو فسخ نکاح کا دعویٰ احمد پور شرقیہ کی مقامی عدالت میں دائر کر دیا جو ۱۹۳۱ء تک ابتدائی مراحل طے کر کے پھر ۱۹۳۲ء ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کی عدالت میں بغرض شرعی تحقیق واپس ہوا۔ آخر کار ے۔ فروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ بحق مدعیہ صادر ہوا۔ بہاولپور ایک اسلامی ریاست تھی۔ اس کے والی جناب نواب صادق محمد خان عباسی مرحوم ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ خواجہ غلام فرید بہاولپور کے معروف بزرگ، کے عقیدت مند تھے۔ خواجہ غلام فریدؒ کے تمام خلفاء کو مقدمے میں گہری دلچسپی تھی۔ اس وقت جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی مرحوم تھے جو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے ارادت مند تھے، لیکن اس مقدمے کی پیروی اور امت محمدیہ کی طرف سے نمائندگی کے لئے سب کی نگاہ انتخاب دیو بند کے فرزند شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ پر پڑی۔ مولانا غلام محمد صاحبؒ کی دعوت پر اپنے تمام تر پروگرام منسوخ کر کے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ بہاولپور تشریف لائے تو فرمایا:

"جب یہاں سے بلاوا آیا تو میں ڈابھیل کے لئے پابرکاب تھا، مگر میں یہ سوچ کر یہاں چلا آیا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات مغفرت کا سبب بن جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار بن کر بہاولپور آیا تھا، اگر ہم ختم نبوت کا کام نہ کریں تو گلی کا کتا بھی ہم سے اچھا ہے۔"

ان کے تشریف لانے سے پورے ہندوستان کی توجہ اس مقدمے کی طرف مبذول ہو گئی۔ بہاولپور میں علم کا موسم بہار شروع ہو گیا۔ اس سے مرزائیت کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ انہوں

نے بھی ان حضرات علماء کی آہنی گرفت اور احتسابی شکنجے سے بچنے کے لئے ہزاروں جتن کیے۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا محمد حسین کولوتارڑوی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولانا نجم الدین، مولانا ابوالوفا شاہ جہانپوری اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم و کثر اللہ سعیہم کے ایمان افروز اور کفر شکن بیانات ہوئے، مرزائیت بوکھلا اٹھی۔

ان دنوں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری پر اللہ رب العزت کے جلال اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کا خاص پرتو تھا۔ وہ جلال و جمال کا حسین امتزاج تھے۔ جمال میں آ کر قرآن و سنت کے دلائل دیتے تو عدالت کے در و دیوار جھوم اٹھتے اور جلال میں آ کر مرزائیت کو للکارتے تو کفر کے ایوانوں میں زلزلہ طاری ہو جاتا۔ مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری نے اس مقدمے میں مختار مدعیہ کے طور پر کام کیا۔

ایک دن عدالت میں مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے جلال الدین شمس مرزائی کو للکار کر فرمایا:
"اگر چاہو تو میں عدالت میں یہیں کھڑے ہو کر دکھا سکتا ہوں کہ مرزا قادیانی جہنم میں جل رہا ہے۔"

مرزائی کانپ اٹھے، مسلمانوں کے چہروں پر بشاشت چھا گئی، اور اہل دل نے گواہی دی کہ عدالت میں انور شاہ کشمیری نہیں بلکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وکیل اور نمائندہ بول رہا ہے۔

علمائے کرام کے بیانات مکمل ہوئے، نواب صاحب مرحوم پر گورنمنٹ برطانیہ کا دباؤ بڑھا۔ اس سلسلے میں مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ خضر حیات ٹوانہ کے والد نواب سر عمر حیات ٹوانہ لندن گئے ہوئے تھے نواب آف بہاولپور مرحوم بھی گرمیاں اکثر لندن میں گزارا کرتے تھے۔ وہ نواب مرحوم سر عمر حیات ٹوانہ سے لندن میں ملے اور مشورہ طلب کیا کہ انگریز گورنمنٹ کا مجھ پر دباؤ ہے کہ ریاست بہاولپور سے اس مقدمے کو ختم کرا دیں، تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سر عمر حیات ٹوانہ نے کہا کہ ہم انگریز کے وفادار ضرور ہیں مگر اپنا دین، ایمان اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ان سے سودا نہیں کیا، آپ ڈٹ جائیں اور ان سے کہیں کہ عدالت جو چاہے فیصلہ کرے، میں حق و انصاف کے سلسلے میں اس پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔

چنانچہ مولانا محمد علی جالندھری نے یہ واقعہ بیان کر کے ارشاد فرمایا:

''ان دونوں کی نجات کے لئے اتنی بات کافی ہے؟''

جناب محمد اکبر خان جج مرحوم کو ترغیب و تحریص کے دام تزویر میں پھنسانے کی مرزائیوں نے بہت کوشش کی۔ لیکن ان کی تمام تدابیر غلط ثابت ہوئیں۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس فیصلے کے لئے اتنے بے تاب تھے کہ بیانات کی تکمیل کے بعد جب بہاولپور سے جانے لگے تو مولانا محمد صادق مرحوم سے فرمایا کہ اگر زندہ رہا تو فیصلہ خود سن لوں گا، اور اگر فوت ہو جاؤں تو میری قبر پر آ کر یہ فیصلہ سنا دیا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد صادقؒ نے آپ کی وصیت کو پورا کیا۔ آپ نے اپنے آخری ایام علالت میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ، طلباء اور دیگر بہت سے علماء کے مجمع میں تقریر فرمائی تھی، جس میں نہایت دردمندی و دل سوزی سے فرمایا تھا:

''وہ تمام حضرات جن کو مجھ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ تلمذ کا تعلق ہے اور جن پر میرا حق ہے، میں ان کو خصوصی وصیت اور تاکید کرتا ہوں کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت و پاسبانی اور فتنہ قادیانیت کے قلع قمع کو اپنا خصوصی وظیفہ بنائیں۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں گے، ان کو لازم ہے کہ ختم نبوت کی پاسبانی کا کام کریں۔''

یہ مقدمہ حق و باطل کا عظیم معرکہ تھا۔ جب ۷۔ فروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ صادر ہوا تو مرزائیت کے صحیح خد و خال آشکارا ہو گئے۔ بلاشبہ پوری امت جناب محمد اکبر خان جج مرحوم کی مرہون منت ہے کہ انہوں نے بکمال عدل و انصاف، محنت و عرق ریزی سے ایسا فیصلہ لکھا کہ اس کا ایک ایک حرف قادیانیت کے تابوت میں کیل کی طرح پیوست ہو گیا۔ یہ فیصلہ قادیانیت پر برق آسمان و بلائے ناگہانی ثابت ہوا۔ مرزائیوں نے اپنے نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر کی سربراہی میں سر ظفر اللہ مرتد سمیت جمع ہو کر اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کی سوچ بچار کی لیکن آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ فیصلہ اتنی مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر صادر ہوا ہے کہ اپیل بھی ہمارے خلاف جائے گی۔

اللہ رب العزت کی قدرت کے قربان جائیں، کفر ہار گیا، اسلام جیت گیا۔ ایک دفعہ پھر جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی عملی تفسیر اس فیصلہ کی شکل میں امت کے سامنے آ گئی اور مرزائی فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ کا مصداق ہو گئے۔ اس تاریخ ساز فیصلے نے چار دانگ عالم میں تہلکہ مچا دیا۔ مرزائیوں کی ساکھ روز بروز گرنے لگی۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء

ہندوستان تقسیم ہوا۔ خداداد مملکت پاکستان معرض وجود میں آئی۔ بدقسمتی سے اسلامی مملکت پاکستان کا وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ خان قادیانی کو بنایا گیا۔ اس نے مرزائیت کے جنازے کو اپنی وزارت کے کندھوں پر لاد کر اندرون و بیرون ملک اسے متعارف کرانے کی کوشش تیز تر کر دی۔ ان حالات میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر کاروان احرار کی رگ حمیت اور حسینی خون نے جوش مارا، پوری امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزارویؒ، آپ کا پیغام لے کر ملک عزیز کی نامور دینی شخصیت اور ممتاز عالم دین مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ کے دروازے پر گئے اور اس تحریک کی قیادت کا فریضہ انہوں نے ادا کیا۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا خواجہ قمر الدین سیالویؒ، مولانا پیر حضرت غلام محی الدین گولڑویؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مولانا پیر سرسینہ شریفؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، شیخ حسام الدین، مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسنؒ، مولانا صاحبزادہ افتخار الحسنؒ اور مولانا اختر علی خانؒ غرضیکہ کراچی سے لے کر ڈھاکہ تک کے تمام مسلمانوں نے اپنی مشترکہ آئینی جدوجہد کا آغاز کیا۔

بلاشبہ یہ برصغیر کی عظیم ترین تحریک تھی، جس میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ایک لاکھ مسلمانوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دس لاکھ مسلمان اس تحریک سے متاثر ہوئے، ہر چند کہ اس تحریک کو مرزائی اور مرزائی نواز اوباشوں نے سنگینوں کی نوک سے دبانے کی کوشش کی مگر مسلمان نے اپنے جذبہ ایمانی سے ختم نبوت کے اس معرکے کو اس طرح سر کیا کہ مرزائیت کا کفر کھل کر سامنے آ گیا۔ تحریک کے ضمن میں انکوائری کمیشن نے رپورٹ مرتب کرنا شروع کی، عدالتی کارروائی میں حصہ لینے کی غرض سے علماء اور وکلاء کی تیاری، مرزائیت کی کتب کے اصل حوالہ جات کو مرتب کرنا انتہائی کٹھن مرحلہ تھا اور ادھر حکومت نے اتنا خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا کہ تحریک کے رہنماؤں کو لاہور میں کوئی رہائش دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ جناب حکیم عبدالمجید سیفی نقشبندی مجددیؒ خلیفہ مجاز خانقاہ سراجیہ نے اپنی عمارت واقع بیڈن روڈ لاہور رہنماؤں کے لئے وقف کر دیا۔ تمام تر مصلحتوں سے

بالائے طاق ہو کر ختم نبوت کے عظیم مقصد کیلئے ان کے ایثار کا نتیجہ تھا کہ مولانا محمد حیاتؒ ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ اور رہائی کے بعد مولانا محمد علی جالندھریؒ ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اور دوسرے رہنماؤں نے آپ کے مکان پر انکوائری کے دوران قیام کیا اور مکمل تیاری کی۔ ان ایام میں شیخ المشائخ قبلہ حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ بھی وہیں قیام پذیر رہے اور تمام کام کی نگرانی فرماتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے گرامی قدر رفقاء مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ، مولانا لال حسین اخترؒ ، مولانا عبدالرحمن میانویؒ ، مولانا محمد شریف بہاولپوری ، مولانا تاج محمودؒ ، مولانا محمد شریف جالندھریؒ اور سائیں محمد حیاتؒ کا یہ عظیم کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس الیکشنی سیاست سے کنارہ کش ہو کر خالصتاً دینی و مذہبی بنیاد پر ’’مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان‘‘ کی بنیاد رکھی۔ اس سے قبل مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ ، چوہدری افضل حقؒ اور خود حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے گرامی قدر رفقاء نے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے قادیانیت کو جو چرکے لگائے ، وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔

قادیان میں کانفرنس کر کے چور کا اس کے گھر تک تعاقب کیا۔ نیز مولانا ظفر علی خانؒ اور علامہ محمد اقبالؒ نے تحریر و تقریر کے ذریعے ردِ مرزائیت میں غیر فانی کردار ادا کیا۔ مجلس احرار اسلام کی کامیاب گرفت سے مرزائیت بوکھلا اٹھی۔ مجلس احرار اسلام پر مسجد شہید گنج کا ملبہ گرا کر اسے دفن کرنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صدر مجلس احرار نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

’’تحریک مسجد شہید گنج کے سلسلے میں پورے ملک سے دو اکابر اولیاء اللہ ایک حضرت اقدس مولانا ابوسعد احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری رہنمائی فرمائی اور تحریک سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت اقدس ابوالسعد احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ بانی خانقاہ سراجیہ نے یہ پیغام بھجوایا تھا:

’’مجلس احرار تحریک مسجد شہید گنج سے علیحدہ رہے اور مرزائیت کی تردید کا کام رکنے نہ پائے ، اسے جاری رکھا جائے ، اس لئے کہ اگر اسلام باقی رہے گا تو مسجدیں باقی رہیں گی۔ اگر اسلام باقی نہ رہا تو مسجدوں کو کون باقی رہنے دے گا؟

مسجد شہید گنج کے ملبے کے نیچے مجلس احرار کو دفن کرنے والے انگریز اور قادیانی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ انگریز کو ملک چھوڑنا پڑا جب کہ مرزائیت کی تردید کے لئے مستقل ایک جماعت "مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان" کے نام سے تشکیل پا کر قادیانیت کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔ ان حضرات نے سیاست سے علیحدگی کا اس لئے اعلان کیا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ مرزائیت کی تردید اور ختم نبوت کی ترویج کے سلسلے میں ان کے کوئی سیاسی اغراض و مقاصد ہیں۔ چنانچہ "مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان" نے مرزائیت کے خلاف ایسا احتسابی شکنجہ تیار کیا کہ مرزائیت مناظرہ، مباہلہ، تحریر و تقریر اور عوامی جلسوں میں شکست کھا گئی۔ جگہ جگہ ختم نبوت کے دفاتر قائم ہونے لگے۔ مولانا لال حسین اختر نے برطانیہ سے آسٹریلیا تک قادیانیت کا تعاقب کیا۔ مرزائیت نے عوامی محاذ ترک کر کے حکومتی عہدوں اور سرکاری دفاتر میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش و کاوش کی اور وہ انقلاب کے ذریعے اقتدار کے خواب دیکھنے لگے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں چند سیٹوں میں مرزائی منتخب ہو گئے۔ اقتدار کے نشے اور ایک سیاسی جماعت سے وابستگی نے دیوانہ کر دیا۔ وہ حالات کو اپنے لئے سازگار پا کر انقلاب کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کی سکیمیں بنانے لگے۔ قادیانی جرنیلوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ اس نشے میں دھت ہو کر انہوں نے ۲۹۔ مئی ۱۹۷۴ء ربوہ (چناب نگر) ریلوے اسٹیشن پر چناب ایکسپریس کے ذریعے سفر کرنے والے ملتان نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس کے نتیجے میں تحریک چلی۔

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ان دنوں "مجلس ختم نبوت پاکستان" کے امیر تھے۔ ان کی دعوت پر امت کے تمام طبقات جمع ہوئے آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان تشکیل پائی۔ جس کے سربراہ حضرت شیخ بنوریؒ قرار پائے۔ امت محمدیہ کی خوش نصیبی کہ اس وقت قومی اسمبلی میں تمام اپوزیشن متحد تھی۔ چنانچہ اپوزیشن پوری کی پوری مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان میں شریک ہو گئی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ مذہبی و سیاسی جماعتوں نے متحد ہو کر ایک ہی نعرہ لگایا کہ مرزائیت کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔

اس وقت قومی اسمبلی میں مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ، مولانا عبدالحق، جناب پروفیسر غفور احمد، مولانا عبدالمصطفےٰ ازہری، مولانا صدر الشہید، مولانا عبدالحکیم اور ان کے رفقاء نے ختم نبوت کی وکالت کی۔ حقیقتاً طور پر اپوزیشن کی طرف سے مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ نے مرزائیوں کے خلاف قرارداد پیش کی اور پیپلز پارٹی برسراقتدار طبقہ (حکومت) کی طرف سے دوسری قرارداد جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی، جو ان دنوں وزیر قانون تھے۔ قومی اسمبلی میں مرزائیت پر بحث شروع ہو گئی۔ پورے ملک میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبیداللہ انورؒ، نوابزادہ نصراللہ خان، آغا شورش کاشمیریؒ، علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ، مولانا عبدالقادر روپڑیؒ، مفتی زین العابدین، مولانا تاج محمودؒ، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ، مولانا صاحبزادہ فضل رسول حیدر، مولانا صاحبزادہ فضل رسول حیدر، مولانا صاحبزادہ افتخار الحسنؒ، سید مظفر علی شمسیؒ مولانا علی غضنفر کراروی، مولانا عبدالکریم، بیر شریف، حضرت مولانا محمد شاہ امروٹی اور مولانا عبدالواحدؒ غرضیکہ چاروں صوبوں کے تمام مکاتب فکر نے تحریک کے الاؤ کو ایندھن مہیا کیا۔

اخبارات و رسائل نے تحریک کی آواز کو ملک گیر بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کا دباؤ بڑھتا گیا۔ ادھر قومی اسمبلی میں قادیانی و لاہوری گروپوں کے سربراہوں نے اپنا اپنا موقف پیش کیا۔ ان کا جواب اور امت مسلمہ کا موقف مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا تاج محمودؒ، مولانا سمیع الحق اور قبلہ مولانا سید انور حسین نفیس رقم نے مرتب کیا۔

اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے چوہدری ظہور الٰہی کی تجویز اور دیگر تمام حضرات کی تائید پر قرعہ فال حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے نام نکلا۔ جس وقت انہوں نے یہ محضر نامہ پڑھا، قادیانیت کی حقیقت کھل کر اسمبلی کے ارکان کے سامنے آ گئی۔ مرزائیت پر اوس پڑ گئی۔

نوے دن کی شب و روز مسلسل محنت و کاوش کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو کے عہد اقتدار میں متفقہ طور پر ۷۔ستمبر ۱۹۷۴ء کو نیشنل اسمبلی آف پاکستان نے عبدالحفیظ پیرزادہ کی پیش کردہ قرارداد کو منظور کیا اور مرزائی آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ الحمد للّٰہ رب العالمین حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما یحب ربنا ویرضیٰ۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء

۱۷۔فروری ۱۹۸۳ء کو محمد اسلم قریشی مجلس تحفظ ختم نبوت سیالکوٹ کو مبینہ طور پر مرزائی سربراہ مرزا طاہر کے حکم پر مرزائیوں نے اغوا کیا۔ جس کے ردعمل میں پھر تحریک منظم ہوئی۔ شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی رحلت کے بعد سے اس وقت تک ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' کی امارت کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر ہے۔ اس لئے آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان کی امارت بھی فقیر کے حصے میں آئی۔ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ فضل ہے۔ جس نے جناب محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے سلسلے میں امت محمدیہ کے تمام طبقات کو اتفاق و اتحاد نصیب کر کے ایک لڑی میں پرو دیا اور یوں ۲۶۔اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے ہاتھوں جاری ہوا۔ قادیانیت کے خلاف آئینی طور پر جتنا ہونا چاہیے تھا اتنا نہیں ہوا۔ لیکن جتنا ہوا اتنا آج تک بھی نہیں ہوا تھا۔

آج اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بن چکی ہے اور چار دانگ عالم میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے پھریرے کو بلند کرنے کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ دنیا کے تمام براعظموں میں ختم نبوت کا کام وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔

ایک بدیہی حقیقت

لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ان تمام تر کامیابیوں و کامرانیوں میں ''مقدمہ بہاولپور'' کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ختم نبوت کے محاذ پر مضبوط بنیاد اور قانونی و اخلاقی بالادستی

قادیانیت کے خلاف اسی مقدمہ نے مہیا کی ہے۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور کئی بار شائع ہوا۔ علمائے کرام کے عدالتی بیانات بھی متعدد بار شائع ہوئے، لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ اس مقدمہ کی تمام تر کارروائی حضرات علمائے کرام کی شہادتیں، بیانات، دلائل اور حقائق مرزائی وکیلوں کے جواب میں بطور جواب الجواب بیانات، جو عدالت کے ریکارڈ پر تھے اور جرح و بحث کی تمام تر تفصیلات سامنے آئیں تاکہ علوم و حقائق کے بے بہا سمندر سے دنیائے اسلام فیضیاب ہو۔ یہ سب کچھ عدالت کے ریکارڈ میں مخفی خزانے کی طرح پوشیدہ تھا، حالانکہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور کی ابتدائی اشاعت کے وقت ہی مولانا محمد صادقؒ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تمام تر کارروائی کو شائع کیا جائے گا۔ لیکن کل امر مرهون باوقاتها۔ یہ کام آج تک پورے طور پر نہ ہو سکا تھا۔ اللہ رب العزت نے غیب سے اہتمام فرمایا۔ اسلامی درد اور جذبہ رکھنے والے حضرات کو اللہ رب العزت نے اس کام کی طرف متوجہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اسلامک فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ ساٹھ برس کی طویل مدت گزرنے کے بعد روداد مقدمہ حاصل کرنا اور اہل علم حضرات کے لئے مرتب کر کے پیش کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ قدرت الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ ان حضرات نے محنت کی۔ کاروان اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ منزل قریب ہوتی رہی۔ مقدمے کی تمام کارروائی حاصل ہو گئی۔ اس کی ترتیب کا کام شروع ہو گیا۔ اسلامک فاؤنڈیشن کے نمائندوں نے اس بارے میں طویل ترین تکلیف دہ سفر برداشت کر کے ملتان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر مرکزیہ میں اصل مرزائی کتب سے حوالہ جات کو بار بار پڑھا، توثیق حاصل کیے، شب و روز محنت و عرق ریزی کے بعد اسے کتابت کے لیے دیا گیا تا آنکہ اس وقت دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ تیار ہو کر منصۂ شہود پر آ گیا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن کے حضرات کی روشن دماغی اور اپنے مشن سے اخلاق کی بدولت ملک عزیز کے نامور عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کی سرپرستی فرمائی۔ ان جیسے متبحر عالم حق کی سرپرستی ہی اس تاریخی دستاویز کی صحت و توثیق کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

اس تاریخی دفینے اور علم و معرفت کے عظیم خزینے کو مرتب کر کے پیش کرنا بلاشبہ

اسلامک فاؤنڈیشن کا ایک تاریخی، گرانقدر کارنامہ ہے۔ جس پر پوری امت کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔

قادیانیت جس طرح آج پوری دنیا میں رسوائی کا شکار ہے، اس کی بنیاد بھی اسی مقدمے نے مہیا کی تھی اور اب قادیانیت کا اختتام بھی اسی مقدمے کی اشاعت سے ہی ہوگا۔

آخری گزارش

ختم نبوت سے وحدت امت کا راز وابستہ ہے۔ فتنہ انکار ختم نبوت ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی ناپاک استعماری سازش تھی۔ آج کے تمام طبقات و مکاتب فکر مل کر ہی باہمی اتحاد و اعتماد سے اس فتنہ کو ختم کر سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اپنے اکابر کی اس سنت کو زندہ رکھنے کی حکمت عملی کو اپنایا ہوا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کسی ایک فرقے کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ پوری امت کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ اس میں کوشش و کاوش اور اجتماعی طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لینا تمام مسلمانوں کے لئے انتہائی ضروری ہے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا باعث ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت اقدس مولانا ابوالسعد احمد خانؒ، بانی خانقاہ سراجیہ، حضرت مولانا محمد عبداللہؒ خانقاہ سراجیہ، مولانا تاج محمود امروٹیؒ، مولانا غلام محمد دین پوریؒ، مولانا رسول خان صاحبؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت پیر جماعت علی شاہ شہیدؒ، پیر آف پگاڑہ شریف، حضرت حافظ پیر جماعت علی شاہ، حضرت پیر جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تکوینی طور پر اس محاذ کے انچارج تھے۔

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت مرزائیت کے تعاقب کے لئے تشکیل دی تھی، جس میں حضرت مولانا بدر عالمؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ اور

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسے حضرات شامل تھے جو قادیانیت سے تحریری و تقریری مقابلے کرتے تھے۔ اللہ رب العزت سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

اللہ رب العزت کا فضل و احسان ہے کہ ۱۹۷۴ء میں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے قیادت و سیادت کا فریضہ سرانجام دیا۔ جب کہ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی آپ کے ساتھ تھے۔ آج مولانا محمد انور شاہ کشمیری ہی کے شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے صاحبزادے مولانا محمد مالک کاندھلوی کی سرپرستی میں یہ عظیم معرکہ سر کیا گیا ہے۔

کروڑوں رحمتیں ہوں ان تمام مقدس حضرات پر جن کی شب و روز کی اخلاص بھری محنت رنگ لائی۔ آج قادیانی پوری دنیا میں رو رہے ہیں۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا ایک کشف ہے کہ:

''ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا میں مرزائیت نام کی کوئی چیز تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملے گی۔''

وہ وقت قریب آن پہنچا ہے کہ مرزائیت کا فتنہ دنیا سے نیست و نابود ہونے والا ہے۔ اسلامیان عالم ہمت کریں۔ آگے بڑھیں، منزل قریب تر ہے۔ رحمت حق انتظار کر رہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا مژدہ جاں فزا ملنے والا ہے۔ اللہ رب العزت ہماری ان حقیر محنتوں کو اخلاص کی دولت سے مالا مال فرما کر اپنی رضا کا سبب بنائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ النبی الکریم و علی آلہ و صحبہ و اتباعہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین. آمین. آمین. آمین۔

نوٹ: مجاہدین ختم نبوت کی کاوشوں اور مرزائیت سے مکمل متعارف ہونے کیلئے ادارہ کی مطبوعہ کتاب ''تاریخی دستاویز'' نہایت جامع ہے جس کا مطالعہ عوام و خواص کیلئے نہایت نافع ہے۔ (مرتب)

محمد اقبال